مدیر: ابن الیمہ محمد عبد الحی

چندہ

سال بھر کے لیے ۲۴ رسالے — پانچ روپے آٹھ آنے
چھ ماہ کے لیے ۱۲ رسالے — تین روپے
فی کاپی — چار آنے

فہرست مضامین

محمد عبدالحی طابع و ناشر نے مرتضٰی برقی پریس رامپور میں چھپوا کر دفتر الحسنات رامپور (یو۔ پی) سے شائع کیا۔

احساسات

جو لوگ اس دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں کہ انسان کی پیدائش کا کوئی مقصد نہیں ہے، ان کا تو ذکر نہیں البتہ جو لوگ ایسا نہیں سمجھتے اور جن کو یقین ہے کہ انسان اس دُنیا میں کسی مقصد کے لیے پیدا کیا گیا ہے وہ دُنیا اور اُس کے کاموں کو بالکل دوسری نظر سے دیکھتے ہیں۔ ایسے لوگ یقین رکھتے ہیں کہ دُنیا میں انسان اس لیے پیدا کیا گیا ہے کہ وہ یہاں رہ کر یہ ثابت کرے کہ آئندہ آنے والی مستقل زندگی میں وہ کس برتاؤ کا مستحق ہے؟ ان کے نزدیک دُنیا کی زندگی اصل اور مقصود نہیں ہے۔ بلکہ اصلی زندگی کی کامیابی اور آخری مقصود حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ ان کا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس زندگی کو ان کے لیے امتحان بنایا ہے۔ وہ یہاں کی ہر حالت کو اسی نظر سے دیکھتے ہیں، وہ خوش حال ہوتے ہیں یا پریشانی اور مصیبت میں پھنس جاتے ہیں ہر حال میں یہ یقین رکھتے ہیں کہ وہ ایک امتحان دے رہے ہیں۔ ان کی نظریں اس امتحان میں کامیاب ہوجانے پر لگی رہتی ہیں، ہر آن وہ اس کا خیال رکھتے ہیں کہ کہیں امتحان میں ناکام نہ ہوجائیں۔ ایسے لوگوں کو چاہے عیش و آرام، اطمینان و مسرت اور دولت و اقتدار حاصل ہو یا وہ مصیبت پریشانی، تنگدستی اور خطروں میں پھنس جائیں وہ ہر حال میں یہ بات یاد رکھتے ہیں کہ ان کا امتحان ہو رہا ہے۔

آپ نے سُنا ہوگا حضرت یعقوب علیہ السلام کی نسل سے جو قوم آباد ہوئی اُس کو بنی اسرائیل کہتے ہیں۔ قرآنِ کریم میں اس قوم کے بہت سے واقعات کا تذکرہ ہے ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا امتحان اس طرح لیا کہ ان پر اپنے کرم اور فضل کی بے انتہا بارش کی انھیں مالا مال کردیا۔ دُنیا کی بہترین نعمتیں انھیں دیں ـــــ لیکن وہ اس امتحان میں فیل ہوگئے۔ دولت نے انھیں اندھا

کردیا۔ آرام و آسائش میں وہ بالکل کھو گئے، مغرور اور سرکش ہو گئے۔ اللہ کا شکر ادا کرنے کے بدلے اُس کی ناشکری کرنے لگے۔ اللہ سے غافل ہو گئے۔ دُنیا میں اس طرح زندگی گزارنے لگے جیسے کہ انھیں یہاں سے جانا ہی نہ ہو۔ اللہ کے سامنے جواب دینے کا ڈر ان کے دل سے نکل گیا۔ ان کے امیروں اور حاکموں سے لے کر ان کے عالموں اور درویشوں سب کا حال کچھ ایک سا ہی ہوگیا۔ انھوں نے اللہ کے احکام میں سے صرف ان حکموں کو لے لیا جن کی پابندی انھیں خود پسند تھی۔ انھوں نے اللہ کے احکام کے معنی کچھ سے کچھ نکال لیے اور انھیں اپنی خواہش کے موافق توڑ مروڑ لیا۔ انھوں نے دین میں بہت سی باتیں اپنی طرف سے شامل کرلیں۔ غرض یہ کہ اللہ کی تابعداری کے مقابلے میں وہ اپنی خواہشات کے تابعدار ہو گئے۔

اللہ تعالیٰ کے یہاں دیر ہے اندھیر نہیں ہے۔ جو قومیں اللہ کی نافرمانی میں مبتلا رہتی ہیں انھیں اُس وقت تک مُہلت دی جاتی ہے جب تک ان کے سنبھلنے کا کچھ امکان باقی رہتا ہے۔ لیکن جب وہ حد سے گزر جاتی ہیں اور اُن کی اصلاح کی اُمید باقی نہیں رہتی تو پھر اللہ کا عذاب ان کو اپنی پکڑ میں لے لیتا ہے۔——

یہی حال بنی اسرائیل کا ہوا۔ ان کی عزت چھن گئی۔ انھیں ذلت و خواری میں گرفتار کردیا گیا۔ ذلت اور خواری میں وہ ضرب المثل بن گئے۔ شاید آپ کو معلوم ہو کہ یہود کو انگریزی زبان میں "جیو" (JEW) کہتے ہیں۔ یورپ میں اگر کسی کو جیو کہہ دیا جائے تو یہ گالی سے کم نہیں ہے۔

یہی حال قریب قریب تمام نافرمان قوموں کا ہوا ہے۔ ان کو یا تو بالکل فنا کردیا گیا ہے یا اگر وہ زندہ بھی رہی ہیں تو بہت ہی ذلت اور خواری کی حالت میں زندہ رہی ہیں۔ کبھی کبھی ان قوموں کو ذلیل اور رُسوا کرنے کے لیے دوسری قوموں کو عروج دے دیا جاتا ہے۔ یہ قومیں اگرچہ خود اللہ سے غافل اور اُس کی مُجرم ہوتی ہیں لیکن عارضی طور پر انھیں غلبہ دے دیا جاتا ہے تاکہ ان کے ذریعے سے ان قوموں کو ذلت اور رُسوائی کا عذاب چکھایا جا سکے جو اللہ کا نام لیتے ہوئے اُس کی نافرمانی کرنے لگتی ہیں۔ اور جو ایمان کا دعوٰے

رکھتے ہوئے عمل سے غافل ہوجاتی ہیں یا پھر ان کی ذلّت کے اسباب خود ان کے اپنے اندر پیدا ہو جاتے ہیں۔ وہ انسان ہوتے ہوئے اپنے آپ کو انسانیت کے درجے سے خود اپنے ہاتھوں گراتے ہیں۔ ان کے سر پتھروں، قبروں، تعزیوں، پیڑوں، دریاؤں اور پہاڑوں کے سامنے جھکنے لگتے ہیں۔ وہ مُردہ رُوحوں، جنوں اور فرشتوں کے تصوّر اور تخیّل کے غلام ہوجاتے ہیں۔ بادل، بجلی، سورج، آگ، گائے، سانپ، بیل، ہاتھی غرض یہ کہ ہر اُس چیز کے سامنے ڈنڈوت کرنے لگتے ہیں جس سے ظاہری صورتوں میں کوئی نفع یا نقصان پہنچتا دکھائی دیتا ہے ــــــ یہی شرک ہے۔ سب سے بڑا ظلم جو انسان اپنے ہاتھوں اپنے اوپر کرتا ہے۔ دُنیا میں ذلّت اور خواری کا آخری درجہ۔ انسانیت کی سب سے بڑی توہین۔

آپ کو معلوم ہے کہ اس زمین پر مسلمان صرف ایسی قوم ہے جس کے پاس اللہ تعالیٰ کی آخری ہدایت اپنی اصلی شکل میں موجود ہے، دوسری قوموں نے یا تو اللہ کی اس ہدایت سے جو کبھی ان کو دی گئی تھی بالکل ہی مُنھ موڑ لیا ہے اور اپنی ساری زندگی کو اپنی خواہشات کی غلامی میں دے دیا ہے یا پھر انھوں نے اللہ کی بھیجی ہوئی ہدایت کو اپنی پسند اور دل چسپی کے اعتبار سے توڑ مڑوڑ لیا ہے ــــــ مسلمانوں کا کیا حال ہے؟ ــ آپ سب جانتے ہیں۔ عرصے سے یہ بھی امتحان میں ناکام ہو رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں دولت دی، حکومت بخشی، سرداری عطا کی لیکن یہ بھی اپنی خواہشات کے غلام بن گئے۔ اس امتحان میں ناکام ہوگئے۔ نتیجہ وہی ہوا جو ہونا چاہیے تھا۔

اگر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوّت کا خاتمہ نہ ہوگیا ہوتا تو ہم دیکھتے کہ اس قوم کے بگڑ جانے کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے کسی دوسرے نبی کو بھیجتا اور ان مسلمانوں کو یا تو اُس نبی کی تعلیم اور اُس کے ماننے والوں کی مدد سے سیدھی راہ پر چلنا نصیب ہوتا یا پھر ان کے ہاتھوں یہ ذلیل و خوار ہوتے اور اللہ کا عذاب انھیں آلیتا۔ لیکن چونکہ ابھی تک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی ہدایت دُنیا میں موجود ہے اور اُس کی حفاظت کا وعدہ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے

اس لیے یہ تو ممکن نہیں ہے کہ مسلمانوں کو کسی ایسی قوم کے ہاتھوں ذلت نصیب ہو جو خود سیدھی راہ پر ہو البتہ ان کو عذاب کا مزہ چکھانے کے لیے ایسی قومیں برابر اُٹھتی رہیں گی جو اگرچہ خود خدا کی نافرمان ہوں گی لیکن ان کے ہاتھوں مسلمانوں کو ذلت اور خواری کا عذاب بھگتنا پڑے گا۔ اور یہ عمل اُس وقت تک برابر ہوتا رہے گا جب تک مسلمان اللہ تعالیٰ کی منشاء کے مطابق زندگی نہ گزارنے لگیں گے ۔

اللہ تعالیٰ جس طرح آرام اور آسائش دولت اور نعمت بخش کر امتحان لیتا ہے اور زمین پر اقتدار اور حکومت عطا کرکے یہ دیکھتا ہے کہ اس کے بندے کیسا کام کرتے ہیں' اسی طرح انھیں، مشکلوں اور مصیبتوں میں مبتلا کرکے بھی ان کا امتحان لیتا ہے۔ ایمان کا دعویٰ کچھ مشکل نہیں ایمان پر جمنا مشکل ہے۔ اللہ کو مان لینا کوئی بڑی بات نہیں البتہ اللہ کو ہی اپنا رب مان لینے سے جو دشواریاں سامنے آتی ہیں اُن کو جھیل جانا بڑا کام ہے۔جب ایمان پر قایم رہنے اور اسلام کے تقاضے پورا کرنے کی وجہ سے سختیاں جھیلنا پڑتی ہیں' مظالم سہنا ہوتے ہیں' خوف اور خطروں میں پھنسنا پڑتا ہے' فائدوں اور نفعوں سے ہاتھ دھونا پڑتے ہیں۔ اُس وقت یہ اندازہ ہوسکتا ہے کہ کون ایمان کی راہ پر قایم رہتا ہے اور کس کو اسلام سے محبت ہے ——— حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اُن بزرگ ساتھیوں کو جنھوں نے آپ کی بات سُنی اور آپ کا ساتھ دینے کا فیصلہ کیا ایسے ہی سخت امتحان دینا پڑے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا بہت سخت امتحان لیا۔ انھیں بہت زیادہ پریشانیوں اور مصیبتوں کی آزمائش سے گزرنا پڑا۔ جہاں ایمان کا نام لیا اور اپنے بھی دشمن ہوگئے۔ گھر سے نکال دیا' جلتی ہوئی ریت پر کپڑے اُتار کر لٹا دیا' تپتے ہوئے پتھروں سے جسم کو داغ دیے' ننگی پیٹھوں پر کوڑوں کی ماردی' ایک ایک دانے کے لیے ترسایا اور آخرکار گھر سے بے گھر کردیا——— اللہ کے یہ بندے امتحان میں کامیاب ہوئے۔ کسی سختی نے انھیں ان کے راستے سے نہ ہٹایا۔ انھوں نے سب کچھ جھیلا مگر اللہ کی جس رسّی کو پکڑلیا تھا اُسے نہ چھوڑا۔ انھیں سب کچھ گوارا تھا

لیکن اللہ کی ناخوشی اور آخرت کا نقصان کسی صورت میں بھی گوارا نہ تھا انھوں نے آخرت کی کامیابی کے لیے سب کچھ سہا۔ ان کی نظر میں اللہ کی خوشی سب سے بڑی دولت اور اُس کا انعام سب سے بڑا آرام تھا۔

اللہ کی یہ آزمائش ہر زمانے میں ہوتی ہے۔ آج بھی اللہ کا نام لینے والوں کا امتحان ہو رہا ہے۔ وہی لوگ کامیاب ہیں جن کے قدم اس امتحان میں ڈگمگا نہ جائیں ان پر جب مصیبتیں پڑتی ہیں تو ان کا ایمان اور مضبوط ہوجاتا ہے۔ ان پر جب سختیاں آتی ہیں تو ان کا تعلق اللہ تعالیٰ سے اور زیادہ بڑھ جاتا ہے۔ غازیوں کی طرح جینے کی آرزو، اور شہیدوں کی طرح مرنے کی تمنا ان کے دلوں میں کروٹیں لینے لگتی ہے۔ یہ صبر اختیار کرتے ہیں، مضبوطی سے اپنے راستے پر جمے رہتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ سے جس وفاداری کا اقرار کرچکے ہوتے ہیں اُسے پُورا کرنے کا شوق ان کے دلوں کو اور زیادہ گرما دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی امداد کا انتظار ان کی طاقت کو بڑھاتا ہے۔ اُس پر بھروسہ ان کا سرمایہ ہوتا ہے، اور اُس سے تعلق ان کی قوت۔ وہ ہر مصیبت اور ہر مشکل پر صبر اختیار کرتے ہیں، ہر سختی کو جھیل لیتے ہیں لیکن کسی وقت بُزدلی نہیں دکھاتے کسی کی طرف جُھکنا یا کسی سے امداد کی اُمید رکھنا ان کا شیوہ نہیں ہوتا، وہ ہر ظلم وستم پر اللہ کی طرف رجوع ہوتے ہیں۔ ظالموں کا خوف ان کے دلوں میں نہیں ہوتا، ان کا دل صرف اللہ سے ڈرنا جانتا ہے اُس کے ڈر کے علاوہ کسی دوسرے کا خوف ان کے دل میں نہیں ہوتا ــــــ جو لوگ ایسے ہیں وہ امتحان میں کامیاب ہیں۔

مسلمان سختی میں بھی آزمایا جاتا ہے اور نرمی میں بھی۔ یہ آزمائش پاکستان میں بھی جاری ہے اور ہندوستان میں بھی۔ بہت خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو زندگی کی حقیقت پر نظر رکھیں۔ جو آخرت کی کامیابی کو اپنا مقصود بنالیں اور جن کے سامنے رضائے الٰہی سے بڑھ کر کوئی مدعا نہ ہو۔ زندگی کا یہ امتحان سب سے زیادہ اہم ہے۔ اس کی کامیابی پر ہمیشہ رہنے والے چین اور آرام کا مدار ہے ــــــ آپ بھی غور کریں کہ آپ نے اپنی زندگی کو کہاں تک امتحان سمجھا ہے اور اُس آخری کامیابی کے لیے آپ کی دوڑ دھوپ کس قدر ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَاِلٰی مَدۡیَنَ اَخَاہُمۡ شُعَیۡبًا ؕ قَالَ یٰقَوۡمِ اعۡبُدُوا اللّٰہَ مَا لَکُمۡ مِّنۡ اِلٰہٍ غَیۡرُہٗ ؕ وَلَا تَنۡقُصُوا الۡمِکۡیَالَ وَالۡمِیۡزَانَ اِنِّیۡۤ اَرٰىکُمۡ بِخَیۡرٍ وَّاِنِّیۡۤ اَخَافُ عَلَیۡکُمۡ عَذَابَ یَوۡمٍ مُّحِیۡطٍ ۝

(سورۂ ہود۔ رکوع ۷۔)

اور مدین والوں کی طرف ہم نے ان کے بھائی شعیب کو بھیجا۔ اُس نے کہا "اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی بندگی کرو، اس کے سوا تمھارے لیے کوئی حقیقی معبود نہیں ہے۔ اور ناپ تول میں کمی نہ کیا کرو۔ آج میں تم کو اچھے حال میں دیکھ رہا ہوں مگر مجھے ڈر ہے کہ کل تم پر ایسا دن آنے گا جس کا عذاب سب کو گھیر لے گا۔

(تفہیم القرآن)

تشریح

(ا) مدین ایک قوم کا نام ہے۔ اس کی اصلاح کے لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیب علیہ السلام کو نبی بناکر بھیجا ــــــ اس سے پہلے اسی سورت میں آپ کئی نبیوں کا حال پڑھ چکے ہیں۔ اللہ کے ان خاص بندوں نے جب بگڑے ہوئے انسانوں کی اصلاح کا کام شروع کیا تو سب سے پہلے ان سے ایک ایک ہی بات کہی، اور وہ یہ کہ اللہ اس سارے جہان کا مالک ہے۔ تم سب اُس کے غلام ہو تمھیں صرف اُس کی ہی بندگی کرنا چاہیے۔ وہی تمھارا حقیقی معبود ہے۔ اس کے بعد ان کی دوسری بُرائیوں کو دُور کرنے کی کوشش کی۔ یہی بات حضرت شعیب علیہ السلام نے بھی کی۔ ان کی قوم میں معلوم نہیں کتنی خرابیاں

پیدا ہو چکی تھیں۔ لیکن آپ نے کسی اور بُرائی کا ذکر کرنے سے پہلے ان سے وہی بُنیادی بات کہی جو سارے نبی کہا کرتے ہیں۔ آپ نے انھیں سچے معنوں میں اللہ کا غلام بننے اور اُس کی ہی بندگی اختیار کرنے کی دعوت دی۔ یہ بڑی بُنیادی دعوت ہے جب تک انسان اس حقیقت کو نہ مان لے اور اُس کے مطابق اپنی زندگی کو نہ ڈھال لے اُس کی کوئی اصلاح ممکن ہی نہیں ہے۔ انسانی اصلاح کی بُنیاد توحید ہی ہے جب تک انسان تمام دوسری غلامیوں اور بندگیوں سے آزاد نہیں ہو جاتا اُس کا درجہ انسانیت سے بہت نیچے رہتا ہے۔ اگر وہ اپنے نفس کی غلامی میں پھنسا ہوتا ہے تو ایسے کام کرنے لگتا ہے جو شیطان سے بھی نہ ہو پائیں۔ اور اگر مخلوقات میں سے کسی اور کی غلامی اختیار کر لیتا ہے تو اُس کی حالت حیوانوں سے بھی بدتر ہو جاتی ہے۔ انسان کو انسان بنانے کے لیے سب سے پہلے اسے اپنے سچے مالک کا تابعدار بنانا بہت ضروری ہے اسی لیے اللہ کا ہر نبی تمام باتوں سے پہلے اللہ کی خالص بندگی کی طرف ہی انسانوں کو بُلاتا ہے ـــــــ یہی کام حضرت شعیب علیہ السلام نے کیا۔

(۲) آپس میں لین دین کے معاملات کی خرابی کو اکثر لوگ بہت معمولی بات سمجھنے لگے ہیں۔ بعض تو اس خرابی کو کوئی خرابی ہی نہیں جانتے بشرطیکہ اس سے ان کو یا تو کچھ نفع حاصل ہوتا ہو یا ان پر کوئی اثر نہ پڑتا ہو۔ البتہ اگر کسی کے معاملے کی خرابی سے ان کو کوئی نقصان پُہنچ جائے تو ضرور ان کو بُرا معلوم ہوتا ہے ـــــــ لیکن آپ غور کریں تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ کسی سماج میں اس خرابی کا پیدا ہو جانا کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ یہ انسان کی معاشرتی زندگی کا بہت بُرا روگ ہے اور ایسا مُہلک کہ اگر کچھ عرصے تک اس کا علاج نہ ہو پائے تو ایک ایک فرد کی زندگی دوبھر ہو جاتی ہے ـــــــ حضرت شعیب علیہ السّلام کی دعوت کا ایک بہت اہم پہلو یہی تھا کہ آپ نے اپنی قوم کو لین دین کے معاملات درست کرنے کی تاکید فرمائی۔

(۳) جب کوئی شخص لین دین میں بے ایمانی کرتا ہے تو اُسے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نے کوئی نفع حاصل کر لیا لیکن نتیجے کے اعتبار سے ایسا نہیں ہوتا۔ دراصل ایسا شخص سماجی زندگی کا گھُن ہوتا ہے۔ وہ چُپکے ہی چُپکے بہت بڑے نقصان کا سبب بنتا رہتا ہے جو کچھ عرصے میں ساری قوم کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے۔ بد دیانتی اور بے ایمانی

جب کسی قوم میں شروع ہوتی ہے تو پھر برابر بڑھتی چلی جاتی ہے۔ ایک شخص کی بے ایمانی جب دوسرے کے نقصان کا سبب بنتی ہے تو اگر اس شخص میں خود ایمان کی قوت موجود نہیں ہے تو وہ اس سے بڑی بے ایمانی کرکے اس نقصان کو نفع سے بدل لینے کی کوشش کرتا ہے۔ اور پھر جن لوگوں پر اس کی بے ایمانی کا اثر پڑتا ہے وہ اپنے اپنے مقام پر بڑھ چڑھ کر بے ایمانی کرنے کی تدبیریں نکالا کرتے ہیں ــــ اور اس طرح بے ایمانی اور بددیانتی کا ایک چکر شروع ہوجاتا ہے جو ساری قوم کو اپنے لپیٹ میں لے لیتا ہے ــــ حضرت شعیب علیہ السلام اسی حقیقت کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں کہ اگرچہ آج تم ناپ تول کی کمی کرکے کچھ نفع اٹھا رہے ہو اور میں دیکھتا ہوں کہ تمھارا حال اچھا ہے لیکن اگر تم نے اس بری عادت کو چھوڑا تو مجھے ڈر ہے کہ کل تمھارے لیے ایسا دن آنا ضروری ہے جب اللہ تعالیٰ کا عذاب تمھیں گھیر لے گا اور تم اپنے کرتوتوں کے نتیجے میں خود بری طرح گھر جاؤ گے۔

(۴) جب کسی قوم میں بددیانتی اور بے ایمانی عام ہو جاتی ہے تو یوں تو اس کو اس خرابی کے نتیجے میں بہت کچھ بھگتنا پڑتا ہے لیکن اگر آپ صرف ایک بات پر غور کریں تو آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ کسی قوم میں اس خرابی کا پیدا ہوجانا کس قدر ہولناک ہے ــــ بہت معمولی سی بات ہے کہ جب آپ کسی شخص کے ساتھ لین دین کرنے میں ٹھیک ٹھیک ناپ تول نہ کریں گے یا کسی دوسری طرح اس کے ساتھ بدمعاملگی کریں گے تو اُس کو آپ کا اعتبار نہ رہے گا اسی طرح آپ کے ساتھ جو لوگ ایسا معاملہ کریں گے آپ کو اُن پر اعتماد نہ رہے گا۔ رفتہ رفتہ اس قوم میں یہ بے اعتباری اور بے اعتمادی عام ہو جائے گی۔ اب آپ غور کریں کہ جس سماج میں لوگوں میں آپس میں اعتبار اور اعتماد باقی نہ رہے اُس میں زندگی گذارنا کس قدر مصیبت کا سبب بن جاتا ہے۔ فرض کریجیے آپ دُکاندار ہیں آپ کو مال باہر سے منگانا پڑتا ہے، اگر آپ کو اپنے تھوک فروشوں پر اعتماد نہ ہو تو آپ مجبور ہیں کہ ایک خط لکھ کر مال منگا لینے کے بدلے آپ خود جگہ جگہ سفر کرکے جائیں اور مال خرید کر لائیں۔ پھر بڑی تعداد میں مال خریدنے پر آپ کو یہ اطمینان کرنا پڑتا ہے کہ ہر بنڈل اور ہر بوری میں وہی مال ہے جس کا نمونہ آپ نے دیکھا ہے

اگر اعتماد نہ ہو تو ہر ہر بنڈل اور ہر ہر بوری کو آپ کو خود کھلوا کر دیکھنا پڑے گا اپنے سامنے بند کرانا ہوگا، اپنے سامنے اسٹیشن پہنچانا ہوگا اور اگر ریلوے پر اعتماد نہ ہو تو شاید خود اُس کے ساتھ ساتھ سفر بھی کرنا ہوگا۔ غرض آپ اگر اعتماد اور اعتبار کو بالکل اُڑا دیں تو آپ دیکھیں گے کہ آپ کا زندہ رہنا دوبھر ہو جائے گا۔ آپ آپس کے اعتبار اور اعتماد کے بغیر شاید ایک دن زندہ نہیں رہ سکتے، کوئی کام نہیں کر سکتے، زندگی کی گاڑی ایک دم رُک جائے، سارے کاروبار ختم ہو جائیں۔ اب آپ فیصلہ کر سکتے ہیں کہ لین دین کے معاملات میں دیانت داری اور ایمان داری اسی لیے اچھی نہیں ہے کہ وہ ایک اخلاقی خوبی ہے بلکہ سچ پوچھیے تو وہ زندگی کی رُوح ہے۔ اور بے ایمانی، ناپ تول کی کمی، معاملات میں بددیانتی ایسا عذاب ہے جو ساری قوم کو دیکھتے دیکھتے اس طرح اپنی لپیٹ میں لے سکتا ہے جیسے کوئی سخت سے سخت اللہ کا عذاب۔ اور اس سے قوم کی تباہی اسی طرح ہو سکتی ہے جس طرح کسی زلزلے یا طوفان سے ممکن ہے۔

جناب کپتان حیدر علی صاحب حیدر

"خدا"

زمیں، آسماں اور — قمر، شمس، تارے — یہ نیم اور املی — یہ شمشاد کیکر
چمکتی شعاعیں — دمکتے شرارے — چنار اور پیپل — یہ سرو صنوبر
خدا ہی نے ان کو — خدا ہی نے ان کو
بنایا ہے بچو — بنایا ہے بچو

پہاڑ اور جھرنے — حباب اور لہریں — کنول اور نسریں — گلاب اور گیندا
یہ دریا، سمندر — مچلتی یہ نہریں — یہ بیلا یہ جوہی — چنبیلی کہ لالہ
خدا ہی نے ان کو — خدا ہی نے ان کو
بنایا ہے بچو — بنایا ہے بچو

یہ کلیاں یہ پودے — درخت اور شاخیں — یہ کوئل یہ بلبل — یہ مینا یہ قمری
جڑیں بیج کونپل — ثمر، پھول، بیلیں — یہ پدے، یہ پدی — یہ طوطے، یہ طوطی
خدا ہی نے ان کو — خدا ہی نے ان کو
بنایا ہے بچو — بنایا ہے بچو

پس :—

اُسی کی عبادت — ہے ہم سب پہ لازم
اسی کی اطاعت — ہے ہم سب پہ لازم
اُسی کی ہدایت پہ
بچو چلو تم

اگر اعتماد نہ ہو تو ہر ہر بنڈل اور ہر ہر بوری کو آپ کو خود کھلوا کر دیکھنا پڑے گا اپنے سامنے بند کرانا ہوگا۔ اپنے سامنے اسٹیشن پہنچانا ہوگا اور اگر ریلوے پر اعتماد نہ ہو تو شاید خود اُس کے ساتھ ساتھ سفر بھی کرنا ہوگا۔ غرض آپ اگر اعتماد اور اعتبار کو بالکل اُڑا دیں تو آپ دیکھیں گے کہ آپ کا زندہ رہنا دوبھر ہو جائے گا۔ آپ آپس کے اعتبار اور اعتماد کے بغیر شاید ایک دن زندہ نہیں رہ سکتے، کوئی کام نہیں کر سکتے، زندگی کی گاڑی ایک دم رُک جائے، سارے کاروبار ختم ہو جائیں۔ اب آپ فیصلہ کر سکتے ہیں کہ لین دین کے معاملات میں دیانت داری اور ایمان داری اسی لیے اچھی نہیں ہے کہ وہ ایک اخلاقی خوبی ہے بلکہ سچ پوچھیے تو وہ زندگی کی رُوح ہے۔ اور بے ایمانی، ناپ تول کی کمی، معاملات میں بددیانتی ایسا عذاب ہے جو ساری قوم کو دیکھتے دیکھتے اس طرح اپنی لپیٹ میں لے سکتا ہے جیسے کوئی سخت سے سخت اللہ کا عذاب۔ اور اس سے قوم کی تباہی اسی طرح ہو سکتی ہے جس طرح کسی زلزلے یا طوفان سے ممکن ہے۔

جناب کپتان حیدر علی صاحب حیدر

خدا

زمیں، آسماں اور قمر، شمس، تارے یہ نیم اور املی یہ شمشاد کیکر
چمکتی شعاعیں دمکتے شرارے چنار اور پیپل یہ سرو صنوبر

خدا ہی نے ان کو خدا ہی نے ان کو
بنایا ہے بچو بنایا ہے بچو

پہاڑ اور جھرنے حباب اور لہریں کنول اور نسریں گلاب اور گیندا
یہ دریا، سمندر مچلتی یہ نہریں یہ بیلا یہ جوہی چنبیلی کہ لالہ

خدا ہی نے ان کو خدا ہی نے ان کو
بنایا ہے بچو بنایا ہے بچو

یہ کلیاں یہ پودے درخت اور شاخیں یہ کوئل یہ بلبل یہ مینا یہ قمری
جڑیں بیج کونپل ثمر، پھول، بیلیں یہ پدڑے، یہ پدی یہ طوطے، یہ طوطی

خدا ہی نے ان کو خدا ہی نے ان کو
بنایا ہے بچو بنایا ہے بچو

پس:—

اُسی کی عبادت ہے ہم سب پہ لازم
اسی کی اطاعت ہے ہم سب پہ لازم
اُسی کی ہدایت پہ
بچو چلو تم

انڈونیشیا

(۳)

انڈونیشیا کی مختصر پچھلی تاریخ اور اُس کی جنگ آزادی کا کچھ حال آپ پچھلے دو رسالوں میں پڑھتے رہے ہیں۔ آج آپ کو موجودہ انڈونیشیا کے بارے میں کچھ اور باتیں بتانا ہیں۔

انڈونیشیا کے مسلمانوں کی دینی حالت دوسرے اسلامی ملکوں سے بہت بہتر ہے۔ نماز کے وقت مسجدیں بھری رہتی ہیں چھوٹے چھوٹے بچے بھی نماز میں شریک ہوتے ہیں۔ نماز کے علاوہ دین کے دوسرے فرائض بھی اہتمام سے ادا ہوتے ہیں۔ ولندیزیوں نے دین پر جو پابندیاں لگادی تھیں وہ ہٹ چکی ہیں اور اب باشندوں کے دینی احساسات پورے جوش کے ساتھ اُبھر رہے ہیں۔

انڈونیشیا میں آج جس جماعت کو اقتدار حاصل ہے اُس کے سامنے دینی نصب العین پورے طور پر نہیں ہے۔ چنانچہ وہاں بھی پاکستان کی طرح اگرچہ اسلام کا نام خوب لیا جاتا ہے لیکن ابھی تک ملک کا دستور قرآن کریم کے مطابق نہیں بن سکا ہے۔ انڈونیشیا کا مسلمان بھی اسی طرح قوم پرستی کے نشے میں ڈوبا ہوا معلوم ہوتا ہے جس طرح مسلم لیگ کے لوگ تھے۔ لیکن چونکہ ان میں دینی جذبہ ہندوستان کے مسلمانوں سے زیادہ ہے اس لیے ان کے لیڈروں میں اس درجہ بے دینی نہیں ہے جتنی مسلم لیگ کے لیڈروں میں پائی جاتی تھی۔ ان کی حکومت بھی دینی تنظیم اور دینی تعلیم کا زیادہ خیال رکھتی ہے۔ امورِ مذہبی کا ایک محکمہ بھی قائم ہے۔ اس کے فرائض اور ذمّے داریوں کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ ہر مدرسے اور کالج میں دینی تعلیم لازم ہے۔ اُستادوں کے لیے بھی دینی تعلیم کی سند ضروری ہے۔ تمام مذہبی مدارس، مساجد، اوقاف، شادی بیاہ اور زکوٰۃ کے معاملات پر محکمۂ امور مذہبی کی نگرانی ہے۔ انڈونیشیا کے مسلمان حج بیت اللہ کے لیے بھی بہت شوق اور کثرت سے جاتے ہیں۔ اب ان کی حکومت نے طے کیا ہے کہ ان لوگوں کو حکومت کے انتظام

میں بھیجا جائے گا۔ قافلوں کے سالار۔ حکومت مقرر کرے گی اور جہازوں اور سفر کی آسانیاں مہیا کرنا بھی حکومت کے ذمے ہوگا۔

فوج پولیس اور جیلوں میں بھی مذہبی تعلیم کا انتظام ہے، گاؤں گاؤں مذہبی تعلیم کا بندوبست کرنا محکمۂ امورِ مذہبی کے ذمے ہے۔

اس وقت تک عام باشندوں میں جو دینی رجحانات ہیں وہ کچھ اس قسم کے ہیں جیسے ہم ہندوستان کے دینی طبقوں میں دیکھتے ہیں۔ یعنی یہ کہ ان لوگوں کے سامنے دین کا یہ واضح تصور نہیں ہے کہ زندگی کا کوئی گوشہ اور کوئی معاملہ دین سے باہر نہیں ہے ——— البتہ اب کچھ پڑھے لکھے لوگوں میں ایک طبقہ ایسا پیدا ہو رہا ہے جو دین کے صحیح تقاضوں سے با خبر معلوم ہوتا ہے۔ وہ پوری زندگی پر اسلامی اصولوں کو حاوی دیکھنا چاہتا ہے۔ اور اُس کے نزدیک یہ غلط ہے کہ سیاست اور حکومت کی حدوں میں اسلام کو نہ گھُسنے دیا جائے۔ یہ لوگ اس پر راضی نہیں ہیں کہ اسلام حکومت کے زیرِ سایہ اس کے بخشے ہوئے "حقوق" پر پلتا رہے بلکہ وہ حکومت کی مسند پر اسلام اور قرآنی احکام کو جلوہ گر دیکھنا چاہتا ہے۔ یہ لوگ صحیح معنوں میں انڈونیشیا کو "دارالاسلام" بنانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ان لوگوں کی وہاں باقاعدہ جماعت ہے۔ ملک کی پارلیمنٹ میں بھی ان کے کئی آدمی شامل ہیں۔

دُوری اور زبان کی اجنبیت کی وجہ سے یہ کہنا تو دشوار ہے کہ اس جماعت کے خیالات اور ارادوں کی وضاحت کے لیے اس کے پاس کوئی علمی سرمایہ بھی ہے یا نہیں لیکن یہ اندازہ ضرور ہوتا ہے کہ ان کے ارادوں میں کافی تڑپ موجود ہے کہ یہ ملک میں اسلامی قانون جاری کرادیں۔ ان کے خیالات کو عام طور پر ملک میں پسند کرنے والوں کی تعداد بھی بہت کافی معلوم ہوتی ہے اور ان میں اس کی طلب موجود ہے کہ انھیں اس مقصد کے لیے صحیح راہ نمائی ملے۔ اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ وہاں کے چند آئے ہوئے لوگوں نے جماعتِ اسلامی کے لٹریچر کو بے انتہا پسند کیا اور اپنا یہ اندازہ بتایا کہ اگر اس قسم کا لٹریچر ان کے ملک میں لوگوں کے سامنے آئے تو بے انتہا مقبول ہو اور لوگوں کو ایک صحیح سمت

نے سوچنے کی آسانی میسر آ جاتی ہے۔ چنانچہ حیدرآباد دکن کی جماعت اسلامی کے انتظام میں مولانا مودودی کے ایک پمفلٹ "اسلام کا نظریۂ سیاسی" اور چند دوسری چھوٹی چھوٹی کتابوں کا ترجمہ انگریزی زبان میں شائع کرایا گیا۔ جس کی طلب کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ یہ جس تعداد میں چھپوایا گیا تھا اُس سے زائد کا آرڈر تو ایک ہی بکسلر نے دیا ہے۔"

یہ علم تو اللہ تعالیٰ کو ہی ہے کہ وہ دُنیا پر اسلام کی حجت تمام کرنے کا شرف کس قوم اور کس ملک کو بخشتا ہے۔ البتہ جن لوگوں پر یہ واضح ہو چکا ہے کہ انسانیت کی مصیبتوں کا علاج سوائے خدائی نظام کے نہ تو سرمایہ دارانہ جمہوریت کے پاس ہے اور نہ اشتراکیت کے ان کا فرض ہے کہ وہ اپنی زندگی پوری کی پوری اس جد و جہد میں لگا دیں کہ اللہ کے بندوں تک اللہ کا پیام پہنچ جائے اور انسان کو اپنی نجات کا صحیح راستہ معلوم ہو جائے۔ ایسے لوگوں کا اجر ان کے رب کے پاس ہے اور انھیں اس بات کا کوئی غم نہ کرنا چاہیے کہ ان کی کوششیں بظاہر اسباب نظام حق کے قایم کرنے میں کامیاب ہو رہی ہیں یا ناکام۔ ہمارا تو ایمان ہے کہ چونکہ اب اللہ کی طرف سے نہ کوئی نبی آنے والا ہے اور نہ کوئی کتاب اس لیے دُنیا پر اللہ تعالیٰ اپنی حجت تمام کرنے کے لیے اپنے آخری نبی کے پیرووں میں سے ہی کسی نہ کسی جماعت کو ضرور یہ سرفرازی عطا فرمائے گا کہ وہ اُٹھے اور اُٹھ کر اللہ کی کتاب کی ٹھیک ٹھیک روشنی میں اللہ کے دین کو اللہ کے بندوں پر واضح کر دے۔

ہر شخص کو آرزو کرنا چاہیے کہ یہ سعادت اُس کے حصے میں آئے۔

شال

بنت آمنہ ناہید حنا چشتی

آج اسکول میں ڈرامہ تھا۔ لڑکیاں خوب اچھے اچھے کپڑے پہن کر اسکول جا رہی تھیں۔ سردی کافی پڑ رہی تھی۔ شاہدہ بھی ریشمی کپڑے پہن کر اپنی سہیلیوں کے ساتھ اسکول جا رہی تھی۔ ابھی وہ کچھ ہی دور پہنچی تھیں۔ دیکھا کہ ایک لنگڑی اور اپاہج عورت سڑک کے کنارے سردی سے ٹھٹھر رہی تھی۔ وہ صرف ایک پھٹی چادر سے اپنے آپ کو چاروں طرف سے لپیٹے ہوئے تھی۔ کچھ لڑکیاں تو اُس کے اس حلیے کو دیکھ کر ہنس دیں لیکن شاہدہ کے دل پر اس کا گہرا اثر پڑا اور وہ ٹھہر گئی۔ اُس کو ٹھہرتے دیکھ کر میمونہ نے کہا: "شاہدہ تم ٹھہر کیوں گئیں، جلدی سے چلو یہاں تو سڑک پر اور بھی زیادہ سردی پڑ رہی ہے"۔
شاہدہ: "ہم سب تو گرم کپڑے بھی پہنے ہیں شال بھی اوڑھے ہیں لیکن اس غریب کو تو دیکھو کیسی سردی سے کانپ رہی ہے"۔
فرزانہ: "بہن شاہدہ تمہارے یہاں ٹھیر جانے سے اس کی سردی کم تھوڑی ہو جائے گی بلاوجہ دیر ہو رہی ہے ڈرامہ ختم ہو جائے گا"۔
شاہدہ: "تم لوگ چلو میں آ رہی ہوں"۔ یہ سُن کر سب لڑکیاں آگے بڑھ گئیں۔ لیکن میمونہ شاہدہ کے ساتھ رُک گئی۔
شاہدہ نے جلدی سے اپنی کشمیری شال اُتار کر اُس اپاہج عورت کو اُڑھا دی۔ اور بولی: "میمونہ اب اسکول چلو"۔
میمونہ: "شاہدہ تم نے یہ کیا کیا، اب تم کو سردی نہ لگے گی اور پھر کیا امی تم پر خفا نہ ہوں گی کہ تم نے نئی شال اُس کو دے دی"۔
شاہدہ: "نہیں بہن میں تو گرم اسٹر پہنے ہوں مجھے سردی نہیں لگے گی اور نہ میری امی مجھ پر خفا ہوں گی کیونکہ وہ ان باتوں کو بہت پسند کرتی ہیں۔ اگر فرض کرو وہ خفا بھی ہوئیں تو کیا حرج ہے کیونکہ ذرا دیر خفا رہ کر پھر وہ خوش ہو جائیں گی مجھے امی کی خفگی کی نسبت اللہ تعالیٰ کی خفگی کا زیادہ خیال ہے"۔

دعا

جناب عبدالرشید صاحب۔ راشد

الٰہی مجھے نیک انساں بنا دے — مجھے سچا سچا مسلماں بنا دے
ہمیشہ چلوں دین پر تیرے یارب — خدایا مجھے سیدھا رستہ دکھا دے
بسر زندگی ہو اطاعت میں تیری — مجھے اپنی رحمت کے قابل بنا دے
ہمیشہ کروں دین کی تیرے خدمت — مجھے میرے اللہ یہ حوصلہ دے

یہی ہے دُعا تجھ سے راشد کی یارب
کہ انساں کو انسان بننا سکھا دے

غلام مصطفیٰ صادق (ناظم اسلامی جمعیت طلباء) بصرہ

حضرت عبداللہ ابنِ عباس رض

آپ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرزند ارجمند تھے، آپ کا نام عبداللہ اور لقب ابن الامت تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت ہمت و استقلال اور جرأت و شجاعت بخشی تھی، آپ نہایت ذہین، فیاض سلیم الطبع، تیز طبیعت اور نیک طینت تھے۔ آپ کی زندگی علوم و معارف کا ایک بے پناہ سمندر تھی۔ آپ اُس زمانے میں پیدا ہوئے جبکہ قریش نے بنو ہاشم سے ہر قسم کے معاملات بند کر دیے تھے اور جرمِ حق کی پاداش میں اُنھیں ایک خاص احاطے میں نظر بند کر رکھا تھا۔ اس قابلِ عبرت اور افسوسناک واقعہ کی تفصیل یہ ہے:

ابھی سرورِ کائنات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو سات سال ہی گزرے تھے کہ ایک روز قبیلۂ قریش کے سب بڑے لوگ ایک جگہ جمع ہو کر حق کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روکنے کے صلاح مشورے کرنے لگے۔ ابوجہل نے اس مجمع میں ایک پُرجوش تقریر کرتے ہوئے کہا:
"بھائیو! تمھیں معلوم ہے کہ اسلام کس قدر تیزی کے ساتھ بڑھتا جا رہا ہے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تعلیمات کو روز بروز مقبولیت حاصل ہوتی جا رہی ہے۔ اگر دُنیا پر اسلام چھا گیا اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تعلیمات پر لوگوں نے عمل کرنا شروع کر دیا تو ہم ہزاروں بڑے بڑے رئیسوں کی کوئی قدر و منزلت نہیں رہے گی، ہماری روزی تنگ ہو جائے گی اور ہم بے وزن ہو جائیں گے۔ لہٰذا میں چاہتا ہوں کہ بنو ہاشم سے ہر قسم کے تعلقات منقطع کر لیے جائیں اور نہایت ہی جبر و تشدّد اور سختی کے ساتھ اسلام کی آواز کو دبایا جائے"۔ —— ابوجہل کی اس رائے سے تمام قبیلوں نے اتفاق کیا اور بنو ہاشم سے تعلقات منقطع کر لیے گئے۔ تین سال تک مسلمان حق گوئی کے جرم میں صبر آزما تکالیف کا سامنا کرتے رہے۔ ایک دن حضرتِ عباس رض حضورِ سرورِ کائنات کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا آپ کی بھی حاملہ ہیں، حضور نے ارشاد فرمایا: اُمید ہے اللہ تعالیٰ اُنھیں فرزندِ سعید عطا فرمائے گا —— جس وقت آپ پیدا ہوئے حضور نے اپنا لعابِ دہن اُن کے منھ میں ڈالا اور دونوں کانوں میں اذان و اقامت پڑھی۔ جب حضرت عبداللہ

ابنِ عباسؓ کی عمر سات برس کی ہوئی تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُنھیں قرآنِ مجید کے حقائق و معارف سے آگاہ کیا، آپ بے انتہا ذہین تھے دس سال کی عمر میں پڑھنا لکھنا سیکھ کر بہترین خطیب بن گئے۔ صحابۂ کرام آپ کے فضل و کمال کے اس قدر قائل تھے کہ آپ کو بحرالعلوم کے خطاب سے یاد کیا کرتے تھے۔ آپ کو حضورِ پاکؐ کی بہت سی حدیثیں یاد تھیں، آپ بے انتہا خلیق اور انکسار پسند تھے، آپ کی طبیعت میں غرور کا نام و نشان تک نہیں تھا۔ حضرتِ عبداللہ کو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قدر محبت تھی کہ حضورِ پاکؐ کی اطاعت کو اپنی زندگی کا اولین مقصد سمجھتے تھے۔ حضورؐ جب بھی بیماروں کی عیادت کو تشریف لے جاتے تو آپ بھی اُن کے اُن کے ساتھ جاتے۔ حضور کے غسل اور وضو سے بچا ہوا پانی آپ کے لیے آبِ حیات سے زیادہ قیمتی تھا ــــ حضرت عبداللہ ابنِ عباسؓ کے ذوقِ عبادت کا یہ عالم تھا کہ بعض اوقات آپ آدھی رات گزرنے کے بعد بیدار ہوکر صبح تک بارگاہِ ایزدی میں سربسجود رہتے۔ چوبیس گھنٹے میں تقریباً دوسو نوافل پڑھا کرتے۔ آخر عمر میں تو آپ دن رات میں ڈھائی سو رکعتیں نماز اور تین ہزار مرتبہ درود شریف پڑھا کرتے تھے اور اکثر ایسا بھی ہوتا کہ طلوعِ آفتاب سے پہلے جنگل میں جاکر تقدیسِ الٰہی کے نغمے گاتے۔ فیاضی اور ایثار پسندی آپ کا جزوِ حیات تھیں اپنی آمدنی کا زیادہ حصّہ غریبوں، یتیموں اور بیواؤں میں تقسیم کردیا کرتے ــــ ۲۲ ربیع الاوّل ۶۸ھ کو حضرت عبداللہ ابنِ عباسؓ کی طبیعت ناساز ہوئی چھ روز تک شدید بخار میں مبتلا رہ کر یہ عاشقِ رسول، عبادت گزار، ایثار پسند، عالم، فاضل، اس دُنیا سے رُخصت ہوا +

۹ر جون سے شائع ہو رہا ہے

- مصدقہ خبریں'
- انقلابی نقطۂ نظر'
- پاکیزہ افکار'
- اسلامی نظریات'
- تعمیری تنقید'
- سنجیدہ اندازِ بیان'

پہلی اشاعت سے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کے ان خطوط کی اشاعت کا سلسلہ شروع کیا جا رہا ہے جو انھوں نے ملتان جیل سے اپنے احباب و اعزا کو وقتاً فوقتاً تحریر فرمائے۔ یہ خطوط ادب ہی کا انمول نمونہ نہیں ہیں' بلکہ علم و حکمت' فکر و نظر اور عقل و دانش کا بھی ایک بیش بہا خزانہ ہیں۔

بھارت کے منفرد خریداروں اور ایجنٹ حضرات سے گزارش ہے کہ وہ اپنی پیشگی رقوم جناب محمد عبدالحی صاحب **دفتر رسالہ الحسنات رامپور۔ یو۔پی** کے پتہ پر ارسال فرمائیں۔

ایجنٹ حضرات مطلع کریں کہ انھیں پرچہ کس طرح بھیجا جائے' بذریعہ میل یا بذریعہ ہوائی ڈاک۔

پاکستان میں قیمت فی پرچہ ۲ ر سالانہ۔ بیالیس روپے

مینیجر روزنامہ تسنیم بنک اسکوئر۔ دی مال' لاہور

محترمہ نیّر بانو صاحبہ

پٹاخ

شر سٹر سوں، پھٹ پھٹ پٹاخ ـــــــــــــــــــــــ

ـــــ ذرا سی تنگ گلی، تین چار لڑکے چھچھوندریں، پٹاخے، گولے چھوڑ رہے تھے۔ آٹھ دس بچے اپنے اپنے دروازوں میں کھڑے تماشا دیکھ رہے تھے۔ شاہد کی چھچھوندروں نے راہ چلنے والوں کا راستہ بند کر رکھا تھا۔ جو گزرتا اس کے قدموں چھچھوندر کو آگ لگا کر چھوڑ دیتا اور اس کے گھبرا کر ادھر اُدھر بھاگنے اور اُچھلنے پر خوب قہقہے لگاتا۔ پھر سب بچے بھی خوب ہنستے اور خوش ہوتے کوئی بے چارہ اسے دل ہی دل میں بُرا کہتا گزر جاتا، کوئی اچھی طرح گالیاں سُناتا۔ مگر کیا مجال جو اتنی گالیاں سُن کر شاہد کی تیوری پر ایک بل بھی آجائے۔ بلکہ چہرہ خوشی کے مارے ایسا چمکنے لگتا جیسے بڑا انعام مل گیا ہو۔

اتنے میں ایک بڑے میاں لڑکھڑاتے قدموں سے آہستہ آہستہ چلتے ادھر آ نکلے، بڑھاپے کی عزت شاہد نے سیکھی ہی نہ تھی۔ شاہد نے اپنے دونوں ساتھیوں کو اشارہ کیا کہ دیکھو یہ بڑا اچھا شکار رہے گا۔ تین طرف سے ایک دم چھچھوندریں چھوڑیں تو بڈھا ضرور گرے گا۔ صبح سے کھیل رہے ہیں مگر ایسا مزہ نہیں آیا جو اب آنے والا ہے۔

ان شیطان کے بھائیوں نے ایسا ہی کیا۔ تینوں چھچھوندریں ان کے تہہ بند میں پھنس گئیں، اوپر سے ایک زور کا گولا دغا، بڑے میاں بے چارے اس آفت ناگہانی میں پھنس کر آخر گر ہی پڑے۔ ہنسی ٹھٹھوں سے گلی گونج اُٹھی۔ شاہد کا ایک ساتھی بڑے میاں کی حالت دیکھ کر گھبرا گیا۔ اسے ان پر ایسا ترس آیا کہ شاہد سے لڑنے لگا اسے اپنے دادا میاں کا خیال آگیا کہ اگر گلی میں وہ اس طرح گر پڑتے تو اُسے کیا دُکھ ہوتا۔ وہ چُپ چاپ ایک دیوار سے لگ کر کھڑا ہو گیا۔ بڑے میاں مُشکل سے اُٹھ کر بیٹھے۔ چوٹ کی تکلیف علیحدہ، بچوں کے ہاتھوں تماشا بننے کی خفت الگ۔ انھیں بُرا بھلا کہنے لگے تو شاہد چمک کر بولا:

"بڑے میاں! بچوں کے کھیل پر بگڑتے ہو۔ خوش تو ہوتے نہیں۔ شب برات کے

زمانے میں سب معاف ہے۔ کیا آپ اپنے بچوں کو آتش بازی نہیں لاکر دیتے؟"
بڑے میاں: "تمھارے ابا سے پوچھتا ہوں جاکر لڑکوں کو یہی کچھ سکھایا ہے۔ نالائق کہیں کے!"
حمید بھی بڑے میاں کی طرف سے ہوکر بولنے لگا۔ شاہد نے اسے بھی ڈانٹا: "جا! جا!!
بزدل ڈرپوک کہیں کا۔ پہلے تو ہمارے ساتھ کھیلتا رہا۔ اب بڑا کہہ رہا ہے۔"
حمید: "میں بزدل نہیں ہوں۔ جب شرارت کی ہے سزا بھی ملے گی۔ مگر کھیل کھیل کی طرح ہوتا ہے۔ بڑے بڑے آدمیوں کو ستانا اور تنگ کرنا مجھے اچھا نہیں لگتا۔"
شاہد: "(جھلا کر) بس چپ رہو آئے بڑے نصیحتیں کرنے۔ اب تمھیں کوئی نہیں کھلائے گا۔"
حمید: "تم کیا کھلاؤ گے میں خود ہی ایسے کھیل کھیلنا نہیں چاہتا۔ اور دیکھوں گا تم کیسے گلی میں کھیلتے ہو۔"
ان دونوں ساتھیوں میں تو یہ بحث ہو ہی رہی تھی بڑے میاں گلی سے نکل۔ سامنے پہنچے اور اُس کے باپ سے جاکر کہا کہ شاہد نے ان کے ساتھ کیا کیا ہے۔ وہ بے چارے بڑے پریشان ہوئے، بہت افسوس کا اظہار کیا۔ پھر خود وہیں پہنچے۔ شاہد کی بدتمیزی نے آج انھیں سزا دینے پر مجبور کر ہی دیا۔ کان پکڑ کر سب کے سامنے ہی دو چانٹے لگا دیے اور اُسی طرح پکڑے اندر لے گئے۔ دادی جان چارپائی پر لیٹی تھیں، امی جان پاس ہی مشین رکھے کچھ سی رہی تھیں۔ ابا جان سخت غصّے میں تھے۔
"ذرا اپنے اس لڑکے کو دیکھو، محلے والوں کا ناک میں دم کردیا ہے۔ ان کی وجہ سے کوئی شریف راستہ نہیں چل سکتا۔ کیا کوئی اسے سمجھا نہیں سکتا؟"
ماں تو ایک قہر کی نظر ڈال کر چپ ہوگئی۔ دادی کے سامنے بولتی تو اُلٹا خود بُرا بھلا سنتی، وہ دادی کا بہت لاڈلا تھا۔ اور اس لاڈ نے اُسے خراب کردیا تھا۔ ابا جان بچوں کے معاملے میں دل چسپی نہیں لیتے تھے، اور ماں دادی کی ناراضی کے خوف سے دخل نہیں دے سکتی تھی۔ سب کو چُپ دیکھ کر ابا پھر بولے:
"اب یہ گھر سے باہر قدم نہ نکالے۔ لکھتا پڑھتا تو ہے نہیں۔ اتنا بڑا ہوگیا ہی کبھی اس کے ہاتھ میں کتاب نہیں دیکھتا، اور خبردار جو کسی نے اسے آتش بازی کے لیے پیسے دیے۔ ورنہ مجھ سے بُرا کوئی نہیں۔"
تھوڑی دیر شاہد رونی صورت بنائے بیٹھا رہا، مگر اس کی شیطنت کو قرار کہاں،

وہ اچھا بننا بھی چاہتا تو کیسے بنتا! اسے آج تک کسی نے اچھی باتیں سکھائی اور بتائی ہی نہیں تھیں۔ دن بھر آوارہ لڑکوں کے ساتھ گھومنا اس کا کام تھا۔ انھیں کی باتیں سکتا تھا۔ ماں کو صرف اتنا جانتا تھا کہ اس سے اچھے اچھے کپڑے اور مزیدار کھانے اور پیسے مل سکتے ہیں۔ اور ہر غلط کام اور بُری بات دادی کے ذریعے منوائی جا سکتی ہے۔ ابا سے ضرور ڈرتا تھا اور انھیں کے ڈر سے اسکول چلا جاتا تھا دوسرے اس کے سب ساتھی بھی تقریباً اسکول جاتے تھے۔ مجبوری کو اسے جانا تو پڑتا۔ مگر پڑھائی وڑھائی سے اسے کچھ بھی دلچسپی نہ تھی۔ اب بھی دیکھو تو اس کے نزدیک شبِ برات کا مطلب محض پٹاخے چھوڑنا اور حلوا کھانا تھا۔ اس نے اس کے علاوہ کوئی بات اور سُنی ہی نہ تھی۔ دادی کے پاس گیا اور بولا: "ابا جان ناراض ہو رہے ہیں گھر سے باہر نہیں جانے دیتے۔ کوئی اور لڑکا بھی ان کے ڈر سے آج تو گلی میں آئے گا نہیں۔ میں گھر میں کب تک بیٹھا رہوں۔ چپکے سے چھت پر جا کر کھیل لوں گا کچھ پیسے دے دیجیے۔" اُس وقت دادی نے انکار کر دیا۔ مگر شاہد کو معلوم تھا کہ ان کے پیسے کہاں رہتے ہیں اس نے چپکے سے جا بکس کھول کچھ پیسے نکال لیے پچھلے دروازے پر جا کر بھولو کو آواز دی کہ وہ ان پیسوں کی آتش بازی خرید لائے۔

گرمی کا دوپہر بلا کی گرمی پڑ رہی تھی۔ دونوں لڑکے چھت پر چڑھ گئے۔ وہاں ایک کونے میں گائے بھینس کے لیے بھوسہ کا ایک ڈھیر لگا تھا۔ پہلے تو خوب اُس پر اُچھل کود مچائی۔ خوب ہوا میں اُڑایا، ساری چھت پر پھیلایا۔ گھر والے سب نیچے کمروں میں آرام کر رہے تھے۔ شاہد کو نہ گرمی لگتی تھی نہ آرام کی ضرورت تھی۔

پھر پٹاخے لے کر دوسرے گھروں کی دیواروں پھینکنا شروع کیے دوایک چھچھوندریں چھوڑیں۔ آگ لگتے ہی چھچھوندریں تڑپتی بھنبھناتی بھوسے میں گھس گئیں دھوپ میں سوکھے ہوئے بھوسے نے ذرا دیر میں آگ پکڑلی چاروں طرف دھواں ہی دھواں ہوگیا بڑے بڑے شعلے برساتی کی چھت کی کڑیاں تک جانے لگے۔

ڈر اور خوف کے مارے شاہد کی عقل جواب دے گئی۔ نہ اس سے نیچے اُترا گیا نہ کسی کو آگ لگنے کی خبر دے سکا۔ نیچے محلے والوں نے دیکھا تو ہڑبڑا کے خاں صاحب کو آوازیں دینے لگے کہ آپ کے گھر آگ لگی ہے۔ آناً فاناً سارا محلہ پانی کی بالٹیاں لیے

وہاں جمع ہو گیا۔ فائر بریگیڈ کے لیے فون کیا۔ کچھ لوگ دوسرے گھروں کی چھتوں سے پانی پھینکنے لگے۔ کسی نے سامان نکال کر باہر ڈالا۔ عورتیں بدحواس ہو کر باہر بھاگیں۔ مگر شاہد اور بھولو کا کہیں پتہ نہ تھا۔

خدا کا شکر کرنا چاہیے آگ پر جلد قابو پالیا۔ سامان کا زیادہ نقصان نہیں ہوا نیچے کی منزل بچ گئی۔ پھر شاہد کو ڈھونڈھنے کچھ لوگ اوپر گئے۔ وہ جھلسی ہوئی حالت میں بے ہوش چھت پر پڑا تھا۔ اور اسی حال میں بھولو کو پایا۔

ڈاکٹر کو بلایا گیا، زخموں کی مرہم پٹی ہوئی۔

گھر والے بیٹھے بٹھائے مفت میں مصیبت میں پھنس گئے مکان جلنے سے الگ نقصان ہوا۔ لڑکے کی تکلیف سے الگ کوفت میں مبتلا۔ شام کو حمید اپنے دوست کو دیکھنے آیا۔ شاہد سفید بستر پر آنکھیں بند کیے پڑا تھا، قریب اُس کی امی بیٹھی ہلکے ہلکے پنکھا جھل رہی تھیں۔ ان کی صورت پر ایسی حسرت اور غمگینی تھی کہ حمید کا چھوٹا سا دل تڑپ گیا، اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ ان کا یہی ایک لڑکا شاہد تھا، مشکل سے گیارہ سال کا ہوگا۔ حمید کی زبان سے ایک بھی بات نہ نکلی، وہ سوچنے لگا: "ہائے ہائے ہماری شیطانی اور شرارتیں ہمارا کیا حال بناتی ہیں اور ہمارے ماں باپ کو بھی کتنا دکھ پہنچاتی ہیں۔ کیسا خوب صورت مکان جل کر خراب ہو گیا۔ شاہد بھی جل کے زخمی ہو گیا۔ اور امی ابا کا دل بھی شاہد کی تکلیف دیکھ دیکھ کر جل رہا ہوگا۔ میں تو اب ایسی بُری باتیں کبھی نہ کروں گا۔ خالہ کے لڑکے کی سب تعریفیں کرتے ہیں، وہ کیسا اچھا ہے۔ اگر میں بھی ویسا ہو جاؤں؟ شاہد میرا دوست ہے اسے بھی اچھی اچھی باتیں بتایا کروں گا۔ پھر اس کے دل سے بھی شیطان بھاگ جائے گا۔" حمید آہستہ سے اُٹھا امی کو سلام کیا اور کہا کہ کل وہ پھر اس کو دیکھنے آئے گا، اور اُس کے لائق کوئی کام ہو تو وہ بڑی خوشی سے کرنے کو تیار ہے۔

ماں نے ایک نظر شاہد پر ڈالی پھر حمید کو دیکھا۔ اس کی شرافت ان پر اثر کیے بغیر نہ رہ سکی۔ شاہد بھی حمید کی طرح ہوتا تو کیسا اچھا تھا۔ آہستہ آہستہ ایک ایک آنسو ان کی آنکھوں سے نیچے گرنے لگا۔ اور بولیں:

"حمید بیٹے میرا خیال ہے تم بہت اچھے لڑکے ہو، اور شاہد کے دوست بھی۔ اکثر

اکثر اس کے ساتھ رہتے ہو۔ تم ہمیشہ اُسے بُری باتوں سے منع کرتے رہا کرو۔ یہی تمہارے کرنے کا کام ہے۔

جب تو حمید وہاں سے چلا آیا، گھر آتے ہی آج اُس نے اچھائی اور بُرائی کا فرق ایک ایک سے پوچھنا شروع کر دیا۔ امّاں سے پوچھا، ابّا سے پوچھا۔ پھر جاکر دادا میاں کے سر ہو گیا۔ دادا نے بڑے اطمینان سے اس کی ہر بات اور ہر سوال کا جواب دیتے رہے۔ حمید کے دل کا بوجھ اُتر گیا اس کی بہت سی پریشانی دُور ہو گئی۔ وہ شاہد سے ملنے کا انتظار کرنے لگا۔ بچّوں کی بچپن والی باتیں ہوتی ہیں، اسے اتنا صبر کہاں کہ شاہد کے اچھا ہونے کا انتظار کرتا۔ صبح ہی اُس کے پاس پہنچ گیا۔ اُس وقت اُس کی طبیعت بہتر تھی۔ آگ نے کم نقصان پہنچایا تھا، صدمے کا اثر زیادہ تھا ــــ حمید نے بیٹھتے ہی کہا:

"دیکھو شاہد یہ کل والی بات کی سزا ملی۔ بڑے میاں تھوڑے سے جلے تھے تم سب جل گئے۔ اللہ میاں کو ایسی باتیں سخت ناپسند ہیں۔ ضرور سزا ملتی ہے۔"

"کھیل میں تو سب شریک تھے۔ صرف مجھے کیوں سزا ملی؟"

"یہی بات میں نے دادا میاں سے پوچھی تھی۔ اُنھوں نے بتایا کہ جس کی باتیں زیادہ خراب ہوتی ہیں اُس کو اللہ میاں تھوڑی بات کی سزا دے دیتا ہے تاکہ اُس کو اور اُس کے سب ساتھیوں کو نصیحت ہو جائے۔ ہمارے سردار بھی تو تم ہی ہو۔"

سرداری کے نام پر شاہد مُسکرانے لگا۔

"واقعی کسی وقت اپنے آپ ہی بُری باتیں کرنے کو جی چاہنے لگتا ہے۔ جس وقت آگ لگی ہے مجھے یہی معلوم ہوا کہ ابّا جان نے بھی ناراض ہو کر سزا دی ہے اور اللہ میاں کو بھی ناراض کر دیا ہے۔ کل کتنی مُدّت کے بعد ابّا جان نے مجھے مارا تھا۔ بُرا تو بہت لگا مگر میں نے کچھ پروا نہیں کی۔ لیکن حمید میں کیا کروں مجھے ایسا لگتا ہے کہ میں کبھی اچھا نہیں بن سکتا۔"

"واہ! یہ بھی کوئی بات ہے۔ تم پہلے اللہ سے توبہ کرو، پھر نیک بننے کا پکّا وعدہ کرو ایک مہینے کے بعد دیکھنا کیا فرق پڑ جاتا ہے۔ اچھی اچھی باتیں سُنا کریں گے۔ اچھے اچھے دوست بنائیں گے۔ اچھی اچھی کتابیں پڑھیں گے۔ ہم سمجھتے ہیں شبِ برات کا مطلب محض پٹاخے چھوڑنا یا (ہنس کر) گھر جلانا ہے۔ دادا میاں نے بتایا۔ یہ سب بے ہودہ اور فضول باتیں ہیں۔ اللہ یا ہمارے رسولؐ نے ہرگز ان باتوں کو کرنے کا حکم نہیں دیا۔ بلکہ وہ ان چیزوں سے ناراض ہوتے ہیں

ہر دفعہ شب برات کے موقع پر کئی گھر جلتے ہیں۔ کتنے ہی بچوں کی جانیں جاتی ہیں۔ مگر اللہ کی ناراضی اور اُس کی سزا کا کوئی دھیان ہی نہیں کرتا۔ ہزاروں لاکھوں روپے کا ہر سال مُفت میں نقصان ہوجاتا ہے۔ نہ پٹاخے بننے بند ہوتے ہیں نہ چلنے بند ہوتے ہیں۔"

شاہد دیر تک آنکھیں بند کیے لیٹا رہا۔ "کیا پتہ حمید سچ ہی کہہ رہا ہو۔ آج یہ نئی نئی باتیں کہہ رہا ہے اس کے دادا کی عقل ہم سے زیادہ ہی ہوگی۔ اللہ کو خوش رکھنے میں فائدہ ہی ہے امّاں اور ابّا ہی خوش نہیں رہتے' دن بھر ڈانٹ پڑتی رہتی ہے اللہ کو خوش رکھنا اور بھی مُشکل ہوگا۔ لیکن ناراض کرنا اور بھی خراب ہے۔ ایک دم اُس کے تمام جسم میں جلن اور چھالوں میں زیادہ ٹیس محسوس ہونے لگی ہے جیسے سے کروٹیں بدل کر آنکھیں کھول دیں۔ حمید کے پُر اُمید چہرے کو تکنے لگا۔

"کیوں شاہد وعدہ کرتے ہو؟ جیسے اب ہو نیکی اور شرافت میں بھی ہمارے سردار بننے کی کوشش کرنا۔"

"اچھا ذرا امّی جان کو بلا دو۔"

ماں پاس آکر بیٹھیں تو اُن کی گود میں منہ چھپا کر رونے لگا:

"امّاں بہت تکلیف ہو رہی ہے میں کیا کروں۔ ایک دفعہ اچھا ہوجاؤں پھر ایسے خراب کھیل نہیں کھیلوں گا۔ جو آپ کہیں گی وہی کروں گا۔ مجھے جلدی سے بتا دیجیے کہ اللہ کو کیسے خوش کروں؟"

"ماں باپ کا حکم مانو گے اور اُنھیں خوش رکھو گے تو اللہ بھی خوش رہے گا۔ گھبراؤ نہیں اللہ سے دعا کرو وہی تمہیں جلد اچھا کرے گا۔"

ماں نے پیار سے اس کا سر سہلاتے ہوئے کہا۔

شاہد تھوڑے ہی دنوں میں اچھا ہوگیا۔ اور ایسا اچھا کہ اس سے پہلے کبھی نہ تھا۔ اب وہ محلّے میں نیک بچّوں کا سردار تھا۔ اور بچوں کو نیکی کی باتیں بتاتا تھا +

شمسی رحمانی اعظمی

اندھیرے سے اُجالے تک

"حضور"

"کیا ہے جی"

"حضور، میں غریب آدمی ہوں...... ذرا سی توجہ سے کام بن سکتا ہے۔"

"ہوں"

"آپ اپنی فیس لے لیجیے ایک سو بیس روپے مگر میرا کام کر دیجیے۔"

فرید نے ایک اندازِ تمکنت سے سر اُٹھایا۔ ایک مفلوک الحال نوجوان جس کے چہرے سے شرافت برستی تھی۔ مجسم عجز بنا کھڑا تھا۔

"لاؤ کیا کام ہے۔"

نوجوان نے نوٹ نکالے اور دوسرے ثانیہ میں وہ فرید کے کوٹ کی جیب میں تھے۔

"حضور، سب آپ کے ہاتھ میں ہے، سفارش کر دیجیے تو میں وہ جگہ پا جاؤں جو خالی ہوئی ہے۔"

"اچھا ــــ جاؤ، پرسوں آنا۔"

اور پھر جب شام کو فرید نے اپنے نوٹوں کی بھنات سے پھولی ہوئی جیب کو خالدہ کے سامنے خالی کیا تو وہ مسرت سے چیخ اٹھی۔

"کتنا ہے ــــ!"

"دو سو ستر"

"تو پھر مجھے نکلیس لا دیجیے نا" وہ مچل کر بولی۔

"اچھا بابا۔ وعدہ تو کر لیا۔ کل لا دوں گا۔"

دوسرے دن شام کو دفتر سے آتے وقت فرید کی ملاقات اُس کے پرانے دوست احمد سے ہوئی جو ایم۔ اے کر کے مولوی ہو گیا تھا۔

"اخاہ آج تو چہرہ سُرخ ہے۔ کہو کس کو مارا تھا مارا۔" احمد نے پوچھا

"ارے میاں آج تو ایک اسامی سے پانچ سو کھٹ مل گئے۔ بچارا سپرنٹنڈنٹ کے غصّے کا نشانہ بن گیا تھا۔"

"فرید، سوچو تو تم کیا کر رہے ہو۔ تم نے کبھی اپنے مستقبل کے بارے میں سوچا ہے؟ تم نے کبھی بیلوں کے تھان کو دیکھا ہوگا، دو بیل ایک ساتھ رہتے ہیں مگر کبھی کوئی دوسرے کے چارے پر منھ نہیں مارتا، چاہے پیٹ نہ بھرا ہو، اگر وہ چھوڑ بھی دے تو بھی وہ کبھی نہ کھائے گا۔ ان چڑیوں کے جھنڈ کو دیکھو، ان میں سے کبھی کوئی کسی کا دشمن نہیں ہوتا۔ سب ایک ہوتے ہیں۔ مگر تم تو انسان ہو فرید، اور اپنا پیٹ بھرنے کے بعد بھی دوسروں کا حصّہ چھین لیتے ہو۔ تمھیں معلوم نہیں کہ تم نے اب تک اتنی رشوتیں لی ہیں، ان سے کتنے بچوں، کتنے یتیموں، کتنی بیواؤں اور کتنے خاندانوں کا بھلا ہوتا، سوچو تو یہ حق العباد ہے۔ حق اللہ نہیں کہ اللہ اسے معاف کر دے۔"

فرید بالکل چُپ گھر تک چلا گیا۔ دروازے پر خالدہ ہمہ تن انتظار تھی۔

"نکلیس لائے"

"نہیں"

خالدہ اُس کے چہرے کی سنجیدگی دیکھ کر سہم گئی۔

"سیف میں کتنے روپے ہیں خالدہ؟"
"بائیس ہزار سات سو۔"
"سب لے آؤ۔"
حیران و پریشان خالدہ سیف سے روپے نکال کر لے آئی۔
اور فریدؔ انہیں لے کر باہر کے کمرے میں چلا گیا، وہاں جا کر اُس سے ضبط نہ ہوا اور آنکھیں دریا بن گئیں۔
وہ شام تک روتا رہا۔ اور پھر ڈائری نکال کر جن جن سے رشوت لینے کے اندراجات تھے سب کو اُن کے روپے واپس کر دیے۔
خالدہ سہمی سہمی دروازے پر آئی اور بولی:
"آجاؤں"
"ہاں" ایک ساکت آواز آئی۔
پھر یہ روپیوں کا انبار دیکھ کر وہ اور متعجب ہوئی اور بولی: "یہ کیا؟"
"خالدہ۔ اب میں نے توبہ کر لی ہے اب میں اندھیرے سے اُجالے میں آگیا ہوں — اور اس کا گلا رندھ گیا، اور وہ کچھ نہ کہہ سکا۔ مگر چہرے بہت کچھ کہہ دیتے ہیں۔
خالدہ کی غزالی آنکھیں گنگا جمنا کی طرح بہہ نکلیں +

میرے حسناتی بھائیو اور بہنو! السلام علیکم

ہمارے یہاں بزمِ حسنات کی تشکیل ہوئے ایک ماہ گزرا ہے اور اس قلیل مدت میں اللہ تعالیٰ نے ہم سے
ت لی ہے اُس کا مختصر خاکہ ملاحظہ فرمائیے:

۔۔۔وار اجتماعات ہر اتوار کے تقریباً ۳ بجے سے اجتماع شروع ہو کر عصر تک رہتا ہے۔ شرکاءِ بزم کی تعداد دس سے
۔۔۔ تک ہوتی ہے۔ ان میں سب طالب العلم ہیں جو زیادہ تر سی۔ اے۔ یم ہائی اسکول اور محمڈن مڈل اسکول میں تعلیم پاتے ہیں
۔۔۔ح اجتماع رسالۂ دینیات سے ہوتا ہے۔ پھر چند مضامین رسالۂ الحسنات اور زندگی سے پڑھ کر سنائے جاتے ہیں۔
۔۔۔حب نے اپنا جماعتِ اسلامی کا لٹریچر بزمِ حسنات کے لیے وقف کر دیا ہے جو اراکین بزم کے سوا دوسروں کو بھی دیا جا رہا ہے۔

۔۔۔ی مقابلہ ۔۔۔ مئی ۱۹۵۹ء روز یکشنبہ بزمِ حسنات کا تیسرا (ہفتہ وار) اجتماع ہوا جس میں جماعتِ اسلامی کے لٹریچر کو بغور
۔۔۔کرانے کی غرض سے ایک انعامی مقابلہ رکھا گیا جس میں دس اراکین بزم نے حصہ لیا۔ مقالے میں چار سوالات دے کر کسی دو کے
۔۔۔طلب کیے گئے۔ سوالات یہ ہیں: ۱۔ اسلام کیا ہے اور وہ ہم سے کیا چاہتا ہے؟ ۲۔ مسلمان کسے کہتے ہیں اور اُن کا
۔۔۔ی عقیدہ کیا ہے؟ ۳۔ خدا کی اطاعت کس لیے؟ ۴۔ عبادت سے مراد اسلامی نقطۂ نظر سے کیا ہے؟

۔۔۔اری اجتماع ہمارا پہلا ہوا ری اجتماع بروز یکشنبہ بتاریخ ۱۷ مئی ۳ بجے ہوا۔ شرکاءِ اجتماع کی تعداد ۱۰ تھی
۔۔۔ند بڑے بوڑھے لوگ اتفاقیہ شریکِ اجتماع ہو گئے جن سے دورانِ گفتگو میں التماس کیا گیا کہ وہ اللہ کے لیے اپنے فرزندوں
۔۔۔ائیوں کو بھی ہر اتوار کو شریکِ اجتماع کریں۔ سب نے اظہارِ مسرت کرتے ہوئے مزید کارروائی کی ہمت افزائی فرمائی۔
افتتاحیہ اجتماع میں رسالۂ الحسنات سے بزمِ حسنات کی تشکیل کے متعلق پڑھ کر سنایا گیا۔ اس کے بعد
۔۔۔ دینیات سے نبوت کے متعلق پڑھ کر سنایا گیا۔

۔۔۔یم انعام اگلے ہفتے میں جو انعامی مقالہ ہوا تھا اُس میں سید حبیب اللہ صاحب کو پہلا انعام
(الحسنات کا دو ماہی رسالہ) دیا گیا اور دوسرا انعام (ماہانہ الحسنات)
۔۔۔ی الدین صاحب کو دیا گیا۔

اراکینِ بزم کے اخلاق و اطوار ابھی قابلِ اطمینان نہیں ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ بہت جلد
۔۔۔طرف توجہ کی جائے گی۔

تفہیم القرآن کے متعلق ضروری اعلان

اس سے قبل کے اعلان کے مطابق تفہیم القرآن کو مئی میں آپ کے ہاتھوں میں پہنچ جانا چاہیے تھا مگر دو وجوہ سے یہ وعدہ وفا نہ ہو سکا:

۱- کاپیوں کی تصحیح کم از کم سات مرتبہ اور پروفوں کی تین مرتبہ کرنی پڑتی ہے۔

۲- بازار میں اچھا کاغذ ختم ہے، جولائی میں اس کی آمد کی امید ہے۔

کاغذ ملتے ہی چھپائی شروع ہو جائے گی اور اگر کوئی اور بات مانع نہ ہوئی تو انشاءاللہ ہم شروع شوال میں تفہیم القرآن کی پہلی جلد روانہ کر سکیں گے۔ **تفہیم القرآن کی پہلی جلد ۲۹×۲۲/۸ سائز پر تقریباً ساڑھے چار سو صفحات میں سورہ فاتحہ سے سورہ مائدہ تک مکمل ہوگی۔**

قیمت کا ٹھیک ٹھیک اندازہ تو کاغذ ملنے پر ہی ہو سکے گا۔ ہر طرف سے تقاضا ہے کہ قیمت بتائی جائے۔ چونکہ فرداً فرداً جواب دینا مشکل ہے اس لیے ناظرین الحسنات کی اطلاع کے لیے اندازاً قیمت درج کی جاتی ہے:

تفہیم القرآن جلد اول قسم اول ۲۰ قسم دوم ۱۶ اور قسم سوم ۱۲ پاکستانی سکے کے حساب سے ہوگی محصول ڈاک خریدار کے ذمے ہوگا۔

کتاب اگرچہ وعدہ سے ۳ ماہ بعد ملے گی مگر غلطیوں سے پاک اور طباعتی خوبیوں سے آراستہ ہوگی اگرچہ یہ تاخیر ناظرین کے لیے تکلیف دہ ہوگی جیسا کہ فرمائشوں کے اضطراب سے ظاہر ہے مگر انشاءاللہ کتاب کے ظاہری حسن اور باطنی خوبیوں کے اضافہ کے پیش نظر مفید ہوگی۔ پاکستان کے حضرات براہ راست پبلشر کے نام اور ہندوستان کے اصحاب مکتبہ جماعت اسلامی (ہند) رام پور۔ یو۔ پی کے نام اپنی فرمائشیں ارسال فرمائیں مطلوبہ قسم کا حوالہ ضرور دیں کہ قسم اول، دوم یا سوم میں سے کونسی مطلوب ہے۔ فرمائش کے ہمراہ دس روپے بطور پیشگی ارسال فرمائیں۔ بقیہ قیمت کی وی۔ پی کر دی جائے گی۔ دونوں جگہ زر پیشگی اور فرمائش جس ترتیب سے وصول ہوگی اسی ترتیب سے تعمیل ہوگی۔

زر پیشگی اور فرمائش بھیجنے کا پتہ:

(۱) پاکستان میں: **شیخ محمد قمر الدین پبلشر۔ گجر گلی موچی دروازہ لاہور۔**

(۲) ہندوستان میں:

مکتبہ جماعت اسلامی (ہند) رام پور۔ یو۔ پی

(پبلشر)

رسالۂ الحسنات میں اشتہار دینا آپ کی تجارت کے لیے مفید ہوگا۔ الحسنات ہر مہینے میں دو بار ہندوستان۔ اور پاکستان کے ہزاروں گھرانوں میں پڑھا جاتا ہے۔ آپ بھی آزمائش کریں۔ الحسنات کے ذریعے آپ اپنی بات ہر پندرھویں دن کم از کم پندرہ ہزار افراد تک پہنچا سکتے ہیں۔

پورا صفحہ ایک بار — نصف صفحہ ½ ایک بار — چوتھائی صفحہ ¼ ایک بار

چالیس روپے — بیس روپے — دس روپے

۶ ماہ یا ۱۲ رسائل میں مسلسل اشتہار دینے پر پچیس فی صدی تخفیف بھی کی جا سکتی ہے

منیجر الحسنات رام پور۔ یو۔ پی

کہانیوں کی کتابیں

کیوں بھئی تم نے کوئی بچہ ایسا بھی دیکھا ہے جس کو کہانیوں کا شوق نہ ہو۔ ہمیں تو کوئی بچہ ایسا نہیں ملا۔ ہمیں اُمید ہے کہ تم کو بھی کہانیوں سے شوق ہوگا۔ لیکن بھئی دیکھو کھانے کا شوق کسے نہیں مگر کنکر پتھر تو کوئی نہیں کھاتا۔ کھانے سے پہلے یہ دیکھو کہ کیا کھا رہے ہو، اسی طرح پڑھنے سے پہلے یہ دیکھو کہ کیا پڑھ رہے ہو۔ ہمیشہ اچھی کتابیں پڑھو۔ اچھی کتابیں تمھیں اچھا انسان بنا دیں گی۔ اچھی کہانیوں کی کتابیں یہ ہیں:

(۱) **انسان کی کہانی**۔ اس زمین پر انسانی اخلاق اور تہذیب و تمدن کے اُتار چڑھاؤ کا ایک نہایت دل چسپ خاکہ جس کو پڑھ کر تم یہ فیصلہ کر سکو گے کہ انسان جانوروں کی نسل سے ہے یا دُنیا کا پہلا انسان نہ صرف یہ کہ نبی بلکہ خدا کا خلیفہ تھا قیمت ۱۲ر

(۲) **غار والے** (اصحاب کہف اور حضرت یونس علیہ السلام کا واقعہ تم کو اُن سے کیا نصیحت ملتی ہے) قیمت ۵ر

(۳) **گاؤں والے** (اصحاب القریہ کا واقعہ تمھارے لیے سبق اور نصیحت) ۵ر

(۴) **سنیچر والے** (اصحاب السبت کا واقعہ موجودہ زمانے میں مسلمان رہنے کے لیے ایک مفید نصیحت) قیمت ۵ر

(۵) **کون ہے راجہ** (دو دلچسپ اور سبق آموز کہانیوں کا مجموعہ) قیمت ۵ر

(۶) **سیدھا رکی بیل** (بچوں کے لیے مفید و کارآمد مشورے) قیمت ۴ر

(۷) **ہاضمے کا چورن** (ایک دلچسپ اور سبق آموز تمثیل) قیمت ۵ر

ان کتابوں کے ٹائٹیل پیج بڑے خوب صورت ہیں تم انھیں دیکھ کر پسند کرو گے۔

منیجر مکتبۂ الحسنات رام پور۔ یو۔ پی

نوٹ: پاکستانی بچے ان کتابوں کو (۱) مکتبۂ فلاح انسانیت ۹۔ لوٹیا بلڈنگ آرام باغ کراچی — یا (۲) دفتر کوثر گوال منڈی لاہور سے منگائیں۔

إِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ
بلا شبہ نیکیاں برائیوں کو دور کرتی ہیں۔
الحسنات رام پور
عورتوں لڑکیوں کے لئے

نمبر ۲

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مہینے میں دو بار شائع ہونے والا

رسالہ الحسنات رام پور

جولائی دوم ۱۹۵۰ء

مسلمان گھرانوں کی اصلاح کے لیے بہت مفید ثابت ہوا ہے

مدیر: ابو سلیم محمد عبد الحی

چندہ:
سال بھر کے لیے ۲۴ رسالے — پانچ روپے
ششماہی ۱۲ رسالے — تین روپے
فی کاپی — چار آنے

فہرست مضامین

محمد عبد الحی طابع و ناشر نے مرتضیٰ برقی پریس رام پور میں چھپوا کر دفتر الحسنات رام پور (یو۔ پی) سے شائع کیا

احساسات

اگر کسی قوم کی اخلاقی حالت بگڑنے لگے تو جان لو کہ اب اس قوم کے بُرے دن آنے لگے۔ اب تک اگر اس قوم کو عزت حاصل تھی تو اب اسے ذلتوں کا مُنھ دیکھنا پڑے گا۔ اب تک اسے دوسروں پر بڑائی حاصل تھی تو اب اسے غلامی کی مصیبت بھگتنے کے لیے تیار ہو جانا چاہیے۔ پہلے اگر اس کی چال ڈھال کو دوسرے قبول کرکے عزت اور فخر محسوس کرتے تھے تو اب اسے خود اپنے چلن پر شرم آنے لگے گی۔ پہلے اگر اس کی باتوں سے دوسرے ہدایت حاصل کرتے تھے اور اس کے طریقوں کو سند کے طور پر پیش کرتے تھے تو اب وہ خود دوسروں کی باتوں کو قبول کرنے اور اُن کے طریقوں کو اختیار کرنے میں ہی اپنی عافیت محسوس کرنے لگے گی۔

اخلاق کی مضبوطی کے لیے بہت ضروری ہے کہ اس قوم کے پاس کچھ ایسے عقیدے ہوں جن پر اسے پُورا پورا ایمان اور یقین ہو اور جن پر وہ مضبوطی کے ساتھ جمی ہوئی ہو۔ بگاڑ شروع ہونے کی پہلی علامت یہ ہے کہ قوم کے پاس ایمان اور یقین کی جو پُونجی ہوتی ہے وہ ختم ہونے لگتی ہے۔ باپوں کو جن باتوں پر ایمان و یقین تھا بیٹوں کو ان حقیقتوں میں شک اور شُبہ پیدا ہونے لگتا ہے اور پوتے اُٹھ کر اُن سے بالکل انکار کر دیتے ہیں۔

ایسی صورت میں اگر ان پوتوں کو اپنے ایمان اور یقین کے لیے کچھ دوسری بہتر بُنیادیں مل جاتی ہیں تو قوم کی اخلاقی حالت روزانہ اچھی ہوتی چلی جاتی ہے اور قوم ترقی کرنے لگتی ہے۔ لیکن اگر ایسا نہ ہو تو پھر اس قوم کو برباد ہونے سے کوئی نہیں بچا سکتا۔

ایمان اور یقین کے کم ہو جانے یا ختم ہو جانے پر "دین داری" کی ایک بگڑی ہوئی صورت اور ایک "بے جان مذہبیت" باقی رہ جاتی ہے۔ لوگوں کو دین سے تعلق کا دعویٰ ہوتا ہے لیکن ان کی زندگی میں دین کا کوئی اثر دکھائی نہیں دیتا

وہ مذہب کے نام پر مرنے مارنے کو تیار رہتے ہیں لیکن اپنی زندگی کو وہ مذہب کی پابندیوں سے آزاد ہی رکھنا چاہتے ہیں۔ دین اور مذہب ان کے لیے ایک جذباتی چیز ہوکر رہ جاتے ہیں۔ ان کی زندگی میں پرانے رسم ورواج اور اپنے خاندانی طور طریقوں کو بہت زیادہ اہمیت حاصل ہو جاتی ہے اور مذہب اور اُس کی تعلیم، دین اور اُس کے تقاضے، سب رفتہ رفتہ نظر سے اوجھل ہونے لگتے ہیں۔

جب کسی قوم کی یہ حالت ہونا شروع ہوتی ہے تو اُس کے دینی رہنماؤں اور مذہبی پیشواؤں میں ایک گروہ ایسے لوگوں کا پیدا ہونے لگتا ہے جو عام لوگوں کے مزاج کے مطابق دین کو برابر توڑتا مروڑتا رہتا ہے اور ایک ایسی شریعت تیار کرنا شروع کر دیتا ہے جو ایک طرف تو عوام کو پسند آئے اور دوسری طرف خود اس گروہ کو اپنا اُلو سیدھا کرنے میں زیادہ سے زیادہ مفید ہو۔ بنی اسرائیل کی قوم میں جب بگاڑ شروع ہوا تو قوم کے مولویوں اور پیروں نے قوم کا مزاج دیکھ کر دین میں کمی بیشی کرنا شروع کر دی دین کی جو باتیں لوگوں پر بھاری تھیں اُن کو اُنھوں نے یا تو دین سے نکال ہی دیا یا پھر اُن کی آسان صورتیں تجویز کر دیں۔ جن باتوں کو دین سے کوئی تعلق نہیں تھا لیکن وہ لوگوں کو پسند تھیں اُنھیں اُن کے خود غرض اور دُنیا دار مولویوں اور پیروں نے دین اور مذہب کے رنگ میں رنگ کر پیش کر دیا۔

اس تبدیلی کی ذمے داری زیادہ تر قوم کے مالداروں، نوابوں اور حاکموں پر ہوتی ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جنھیں دین پر چلنا مُشکل ہوتا ہے۔ ان کے دل کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ وہ مذہب کی پابندیوں سے زیادہ سے زیادہ آزاد ہو کر رہیں لیکن چونکہ عام طور پر لوگ مذہب اور دین کو ایک اچھی چیز سمجھتے ہیں اس لیے یہ ایسا تو کر نہیں سکتے کہ کھلم کھلا مذہب کے باغی بن جائیں اور دین سے بے تعلق ہو کر اپنی مَن مانی کرنے لگیں اس لیے انھیں ضرورت ہوتی ہے کہ جو کچھ کریں مذہب اور دین کے پردے میں کریں۔ اس وقت دُنیا ساز، خود غرض اور مطلب پرست عالم اور مولوی بڑھ بڑھ کر میدان میں اُترتے ہیں اور مذہب کو ان دولت مندوں

اور حاکموں کے ہاتھ میں کھلونا بنا دیتے ہیں۔ نئی نئی باتیں اور نئی نئی رسمیں دین میں داخل ہوتی رہتی ہیں اور دین کی اصلی باتیں نظروں سے اوجھل ہوتی چلی جاتی ہیں۔

مسلمان قوم بھی اپنے موجودہ بگاڑ تک پہنچنے میں ان سب منزلوں سے ہوکر گزری ہے۔ اور آج قوم میں عام طور پر جو مذہبیت اور دین داری پائی جاتی ہے اس میں سیکڑوں ایسی باتیں دین بن کر داخل ہوگئی ہیں جن کو دین سے کوئی واسطہ نہیں۔ حد یہ ہے کہ دین کے خلاف بھی بہت سی باتیں دین کے ہی نام پر کی جاتی ہیں اور ان میں سے ہر ایک کو کسی نہ کسی نام کے مولوی یا بناوٹی پیر کی حمایت حاصل ہے۔

ایسے وقت میں آپ خود ہی اندازہ کر سکتے ہیں کہ دین کو اس کی خالص اور اصلی شکل میں پیش کرنا کتنا ضروری اور کیسا اچھا کام ہے ——— اوپر جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس کو سامنے رکھ کر آپ خود ہی فیصلہ کرلیں گے کہ دین کو اس کی اصل صورت میں پیش کرنے کی جو کوشش بھی کی جائے گی اس کی سب سے زیادہ مخالفت کرنے والے لوگ وہی دُنیا دار اور خود غرض مولوی اور پیر ہوں گے جنھوں نے لوگوں کی پسند اور خواہشوں کو سامنے رکھ کر دین کو نئے نئے سانچوں میں ڈھالا ہوگا۔ یہ لوگ جب یہ محسوس کرتے ہیں کہ لوگوں میں دین کو سمجھنے کی کچھ قابلیت پیدا ہو رہی ہے تو اُنھیں یہ ڈر ہوتا ہے کہ اس طرح ان کے حلوے مانڈوں میں ضرور فرق پڑ جائے گا۔ ہمیں اپنے اس تجربے پر بڑا رنج ہے کہ ہر جگہ عوام میں دینی رُوح پیدا کرنے کی کوششوں کی مخالفت کرنے کی جو توفیق ان "دینی رہنماؤں" کو ہوئی ہے وہ کسی کو نصیب نہیں ہوتی۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ قوم کا مرض کس درجہ مہلک ہو چکا ہے۔

ملک میں اس وقت کمیونسٹوں کی تحریک کا اچھا خاصہ زور ہے۔ آپ یہ تو جانتے ہی ہوں گے کہ اس تحریک کو مذہب، دین، اور اخلاق سے کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ یوں کہیے کہ یہ تحریک مذہب اور اخلاق کی سب سے بڑی مخالف ہے خدا، آخرت، جنت، دوزخ اور وحی جیسی چیزوں کے انکار سے اس خیال کی ابتدا

ہوتی ہے جو کمیونزم کی رُوح ہے۔ اس حال میں ہمیں یہ اُمید ہوسکتی تھی کہ ہمارے مولوی" اور "پیر" شاید اس تحریک کی دشمنی اور مخالفت میں سب سے زیادہ بڑھے چڑھے ہوں گے مگر ان بےچاروں کو تو یہ خبر بھی نہیں کہ یہ تحریک ہے کیا؟ اور اس کا زہر کس قدر مہلک ہے؟ ان کی بلا سے کچھ ہوتا رہے۔ کتنے ہی "مولوی" اور "پیر" ایسے موجود ہیں جن کے لڑکے اور شاگرد اس تحریک کی علمبرداری کر رہے ہیں۔ خدا سے بیزاری اور مذہب سے نفرت کی بارود ان کی آنکھوں کے سامنے دین کی بنیادوں میں بچھا رہے ہیں لیکن ان "اللہ کے پیاروں" کو ہوش بھی نہیں کہ کیا ہو رہا ہے۔ وہ زیادہ سے زیادہ ایسے "نالائقوں" کو فاسق اور گنہگار جانتے ہیں اور مذہب سے بے تعلق رہنے کو ان کی غفلت شمار کرتے ہیں — بہر حال وہ ان کے "خیر خواہ" اور "دعاگو" ہیں دشمن اور مخالف نہیں۔

جاہلوں میں سیکڑوں عقیدے اور اعمال ایسے موجود ہیں جن کو ہر شخص شرک اور کفر کہتا ہے۔ قبروں کو پوجنا، تعزیہ پر نذرانے چڑھانا اللہ کے علاوہ دوسروں کے نام کی منت اور نیاز، اللہ کے علاوہ دوسروں کی کھلم کھلا عبادت اور پرستش، جاہل پیروں کے ہتھکنڈے اور حد یہ کہ مشرکوں کے معبودوں پر چڑھاوے اور نذرانے، کتنے ہی کام ایسے ہیں جنھیں یہ مولوی خود بھی شرک ہی جانتے اور بتاتے ہیں، لیکن ان "نیک نفسوں" کو کبھی یہ توفیق نہیں ہوئی کہ کھل کر ان جاہلوں کی مخالفت کریں اور ان اللہ کے بندوں کو شرک اور کفر سے نکالنے کی کوئی تدبیر سوچیں۔ یہ اسی کو غنیمت جانتے ہیں کہ یہ جاہل باوجود سب کچھ کرنے کے اپنے کو مسلمان کہتے تو ہیں اور ووٹ دینے کے وقت یا فرقہ دارانہ فساد کے موقع پر یہ مسلمانوں کے ہی ساتھ رہتے ہیں۔

یہی طبقہ جو کمیونسٹوں کو برداشت کرتا ہے اور مشرکوں اور کافروں جیسے کام کرنے والے مسلمانوں کو غنیمت جانتا ہے اس تحریک کا سب سے بڑا مخالف ہے جو مسلمانوں کو سچے مسلمان بننے کی دعوت دیتی ہے۔ آپ کے لیے یہ دَوْر

بڑا نازک دور ہے۔ ایک طرف تو ملک میں بے شمار طاقتیں آپ کو دین اور
کی گود سے اُچک لینے کے لیے تیار ہیں' دوسری طرف وہ لوگ جن پر مذہب
دین کے معاملے میں آپ کی نظریں پڑ سکتی تھیں ان میں سے اکثر جانتے ہی
کہ موجودہ حالات میں اللہ کے دین سے کس طرح ہدایت لی جائے۔ ان کی ن
میں دین کا تصور یا تو غلط ہے یا محدود' وہ بے چارے اس لا دینی طوفا
کے سامنے بالکل بے بس ہیں۔

ایسے نازک وقت میں آپ کو بہت زیادہ آنکھیں کھول کر راستہ
پڑے گا۔ آپ اپنی عقل کو زیادہ سے زیادہ کام میں لائیں۔ دین کا م
خود کریں' اور اللہ کی کتاب اور اُس کے رسول کی سُنت کی سند کے
کسی بات کو تسلیم نہ کریں۔ اللہ سے برابر دعا مانگیں انشاء اللہ آپ
کریں گے اور دین کو سمجھنے کی دل سے کوشش کریں گے اللہ تعالیٰ
کو آپ کے لیے آسان فرما دے گا۔ ایسے لوگوں کی صحبتیں
مطابق اپنی زندگی کو ڈھال لینے کا فیصلہ کر چکے ہوں آپ
رہیں گی۔ ہمارا ایمان ہے کہ اگر آپ اللہ کی
کریں گے تو اللہ تعالیٰ ضرور آپ کی
آپ زیادہ سے زیادہ اسلامی تعلیمات کا

فیصلہ

جناب مبین شوکت صاحب ظفر (متعلم درجہ پنجم
از درس گاہ جماعت اسلامی (ہند) رامپور)

مَیں دُنیا کو رحمت سے بھر کر رہوں گا
ہدایت کی شمعیں جلا کر رہوں گا
مَیں قرآں کے احکام جاری کروں گا
وہ خالق جو پروردگارِ جہاں ہے
ظفر یہ اٹل فیصلہ
کہ دُنیا سے

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا
النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۝
بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَآ اَنَا
عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ۝

(سورہ ہود - رکوع ۸)

اور اے برادرانِ قوم! ٹھیک ٹھیک انصاف کے ساتھ پورا ناپو اور تولو اور لوگوں کو ان کی چیزوں میں گھاٹا نہ دیا کرو۔ اور زمین میں فساد نہ پھیلاتے پھرو۔ اللہ کی دی ہوئی بچت تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم مومن ہو۔ اور بہر حال میں تمہارے اوپر کوئی نگرانِ کار نہیں ہوں۔

(تفہیم القرآن)

تشریح

(۱) ناپ تول میں کمی کرنا اور لوگوں کو لین دین کے وقت ایسی چیزیں دینا جن میں کچھ خرابی اور نقصان ہو اللہ کی نظر میں بہت بڑا جرم ... اوپر کی آیتوں کی تشریح میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ معاملات کی خرابی کی ...ے آپس کا اعتبار جاتا رہتا ہے اور اعتبار اٹھ جانے کے بعد زندگی کس قدر ...ہو جاتی ہے۔ یہاں ایک دوسری برائی کا ذکر کیا گیا ہے جو لین دین ...ی کی وجہ سے سماج میں پیدا ہو جاتی ہے۔

اگر کوئی شخص آپ کو کم تول کر یا کم ناپ کر دے یا آپ کو ایسی چیزیں

بڑا نازک دور ہے۔ ایک طرف تو ملک میں بے شمار طاقتیں آپ کو دین اور اسلام کی گود سے اُچک لینے کے لیے تیار ہیں، دوسری طرف وہ لوگ جن پر مذہب اور دین کے معاملے میں آپ کی نظریں پڑ سکتی تھیں ان میں سے اکثر جانتے ہی نہیں کہ موجودہ حالات میں اللہ کے دین سے کس طرح ہدایت لی جائے۔ ان کی نظروں میں دین کا تصوّر یا تو غلط ہے یا محدود، وہ بے چارے اس لادینی طوفانوں کے سامنے بالکل بے بس ہیں۔

ایسے نازک وقت میں آپ کو بہت زیادہ آنکھیں کھول کر راستہ چلنا پڑے گا۔ آپ اپنی عقل کو زیادہ سے زیادہ کام میں لائیں۔ دین کا مطالعہ خود کریں، اور اللہ کی کتاب اور اُس کے رسول کی سُنّت کی سند کے بغیر کسی بات کو تسلیم نہ کریں۔ اللہ سے برابر دعا مانگیں انشاءاللہ آپ جتنا مطالعہ کریں گے اور دین کو سمجھنے کی دل سے کوشش کریں گے اللہ تعالیٰ اتنا ہی اس مشکل کو آپ کے لیے آسان فرما دے گا ـــــ ایسے لوگوں کی صحبتیں جو دین کو سمجھ کر اُس کے مطابق اپنی زندگی کو ڈھال لینے کا فیصلہ کر چکے ہوں آپ کے لیے بہت مفید رہیں گی۔ ہمارا ایمان ہے کہ اگر آپ اللہ کی راہ پر چلنے کی دل سے کوشش کریں گے تو اللہ تعالےٰ ضرور آپ کی رہنمائی فرمائے گا ـــــ

آپ زیادہ سے زیادہ اسلامی تعلیمات کا مطالعہ خود کریں۔

فیصلہ

جناب مبین شوکت صاحب ظفر (متعلم درجہ ہشتم
از درسگاہ جماعت اسلامی (ہند) رامپور)

یَں دُنیا کو رحمت سے بھر کر رہوں گا
یَں قانون پر اُس کے چل کر رہوں گا

ہدایت کی شمعیں جلا کر رہوں گا
اندھیرا جہاں سے مٹا کر رہوں گا

یَں قرآں کے احکام جاری کروں گا
یَں اسلام کو لے کے آگے بڑھوں گا

وہ خالق جو پروردگارِ جہاں ہے
یَں اُس کی اطاعت ہمیشہ کروں گا

ظفر یہ اٹل فیصلہ کر چکا ہے
کہ دُنیا سے باطل مٹا کر رہوں گا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا

النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ○

بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَآ اَنَا

عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ○

(سورہ ہود۔ رکوع ۸)

اور اے برادرانِ قوم! ٹھیک ٹھیک انصاف کے ساتھ پورا ناپو اور تولو اور لوگوں کو اُن کی چیزوں میں گھاٹا نہ دیا کرو۔ اور زمین میں فساد نہ پھیلاتے پھرو۔ اللہ کی دی ہوئی بچت تمھارے لیے بہتر ہے اگر تم مومن ہو۔ اور بہر حال میں تمھارے اوپر کوئی نگرانِ کار نہیں ہوں۔

(تفہیم القرآن)

تشریح

(۱) ناپ تول میں کمی کرنا اور لوگوں کو لین دین کے وقت ایسی چیزیں دینا جن میں کچھ خرابی اور نقصان ہو اللہ کی نظر میں بہت بڑا جرم ہے۔ اوپر کی آیتوں کی تشریح میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ معاملات کی خرابی کی وجہ سے آپس کا اعتبار جاتا رہتا ہے اور اعتبار اُٹھ جانے کے بعد زندگی کس قدر دوبھر ہو جاتی ہے۔ یہاں ایک دوسری بُرائی کا ذکر کیا گیا ہے جو لین دین کی خرابی کی وجہ سے سماج میں پیدا ہو جاتی ہے۔

اگر کوئی شخص آپ کو کم تول کر یا کم ناپ کر دے یا آپ کو ایسی چیزیں

دے دے جن میں کوئی نقصان ہو۔ مثلاً گلے سڑے پھل، کٹا ہوا کپڑا، گھنا ہوا اناج، پانی ملا ہوا دُودھ، ملاوٹ کا گھی، کھوٹا سکّہ، جعلی نوٹ وغیرہ تو جب آپ کو اُس چیز کی خرابی کا پتہ چلے گا تو آپ کے دل میں لازماً اس دھوکہ دینے والے کے خلاف نفرت اور غصّہ پیدا ہوگا۔ اور ساتھ ہی ساتھ آپ کی اپنی نظر میں دیانت اور ایمان داری کی وقعت کم ہونے لگے گی کیونکہ فوری طور پر آپ پر نفسیاتی اثر اسی بات کا پڑے گا کہ بظاہر حالات دھوکہ دینے والا کچھ نفع میں رہا اور آپ کچھ نقصان میں رہے۔ اگر کسی شخص میں اتنی ایمانی قوت نہیں ہے کہ وہ اس عارضی اور وقتی نقصان کو نقصان نہ سمجھے اور باوجود اس نقصان کے دیانت داری کی راہ پر جما رہے تو رفتہ رفتہ یہ نوبت آسکتی ہے کہ وہ خود دھوکہ دینے اور دوسروں کو نقصان پہنچانے پر اُتر آئے ـــــ رفتہ رفتہ یہ مرض بڑھتا رہتا ہے اور کچھ عرصے کے بعد پُوری سوسائٹی میں دھوکہ دینے والوں اور دوسروں کو نقصان پہنچانے والوں کی کثرت ہوجاتی ہے اور پھر یہ چکر زیادہ تیزی سے چلنے لگتا ہے۔ دھوکہ دینے والا برابر دھوکہ کھایا بھی کرتا ہے اور ہر دھوکہ کھانے کے بعد خود دھوکہ دینے کا اونچے سے اونچا پروگرام تیار کرتا ہے۔ اس طرح پُورا سماج دھوکے اور جعل سازی کے طوفان میں گھر جاتا ہے ـــــ لوگوں میں غصّہ اور نفرت بڑھتا رہتا ہے اور پورا سماج فساد کی آگ میں جلنے لگتا ہے ـــــ معاشرتی زندگی میں دیانت داری اور ایمان داری امن کی ذمّے دار ہے۔ معاملات میں خرابی آجانے کے بعد آپس کے تعلقات زیادہ سے زیادہ کڑوے ہی ہوتے چلے جاتے ہیں اور یہی سب فسادوں کی جڑ ہے۔

(۲) حضرت شعیب علیہ السلام جس قوم کی طرف بھیجے گئے تھے وہ بگڑے ہوئے مسلمان ہی تھے۔ ان کا دعویٰ یہی تھا کہ وہ "مؤمن" ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ تمام دوسری بگڑی ہوئی قوموں کی طرح ان میں بھی اتنی خرابیاں پیدا ہوچکی تھیں کہ انھیں مسلمان کہنا بڑا مشکل تھا۔ لیکن جیسا کہ قرآن کی ان آیتوں سے پتہ چلتا ہے ان کو اپنے مؤمن ہونے کا دعوےٰ ضرور تھا۔ حضرت

شعیب علیہ السلام نے ان کے اس دعوے کو یاد دلا کر یہ بتایا کہ ایمان کا دعویٰ کرنے کے بعد آدمی کا رویہ ہونا کیا چاہیے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تم واقعی اپنے ایمان کے دعوے میں سچے ہو تو پھر تمھیں تو اسی بچت کو اپنے لیے بہتر اور کافی سمجھنا چاہیے جو اللہ نے تم کو دی ہے۔ جب جائز ذریعوں سے ملی ہوئی دولت تمھیں مطمئن نہیں کرسکتی اور تم ناجائز ذریعوں کو اختیار کرتے ہو تو اس سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ:

(۱) تم اللہ تعالیٰ کو روزی پہنچانے کا ذمے دار نہیں مانتے اور جائز اور ناجائز کی پرواہ کیے بغیر دولت جمع کرنا چاہتے ہو تاکہ وہ کل تمھارے کام آئے ـــــــ کیا اللہ کے رازق ہونے پر ایمان لانے کا مطلب یہی ہے؟

(۲) تمھیں اُس کا ڈر نہیں کہ وہی اللہ جس نے تمھیں دیا ہے آن کی آن میں سب کچھ تم سے چھین بھی سکتا ہے۔ دوسروں کا مال ہڑپ کرکے جو کچھ تم جمع کر رہے ہو وہ اس وقت تمھیں کچھ بھی کام نہ دے گا ـــــــ کیا اللہ تعالیٰ کے قادرِ مطلق ہونے پر ایمان لانے کا مطلب یہی ہے؟

(۳) تم کو اس کا خیال نہیں کہ ایک دن اُس مالک کے سامنے حاضر کیے جاؤ گے۔ وہاں تمھیں بتانا ہوگا کہ تم نے کتنے کام اُس کی مرضی کے موافق کیے اور کتنے مخالف ـــــــ اب جو تم اُس کے حکموں کے خلاف جائز اور ناجائز کا خیال کیے بغیر دوسروں کا حق مارتے ہو تو کیا آخرت میں نیکی اور بدی کا بدلہ پانے پر ایمان رکھنے کا مطلب یہی ہے؟

(۴) تم کو اس کا پکا یقین نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے اور اُسے ہر کھُلی اور چھپی چیز کا علم ہے۔ کیونکہ جب تم یہ کوشش کرتے ہو کہ چیزوں کی خرابیوں کو لوگوں کی آنکھوں سے چھپالو اور خراب اور بُری چیزیں ان کے سر مڑھ دو تو تم کو یہ یاد نہیں رہتا کہ کوئی چاہے دیکھے یا نہ دیکھے لیکن تمھارا خدا تو دیکھ رہا ہے کہ تم دوسرے شخص کے ساتھ کیا دھوکہ کر رہے ہو ـــــــ کیا اللہ تعالےٰ کے علیم و خبیر ہونے پر ایمان رکھنے کا مطلب یہی ہے؟

(۳) نبی کا کام یہی ہے کہ وہ اللہ کے احکام اور اس کی ہدایت کھول کھول کر لوگوں تک پہنچا دے۔ وہ زبردستی لوگوں کو سیدھے راستے پر لگا دینے کا ذمے دار نہیں ہے ماننا یا نہ ماننا لوگوں کے اپنے اختیار میں ہے۔ چنانچہ حضرت شعیب علیہ السلام نے ساری ہدایتوں کے بعد اپنی قوم کو یہ یاد دلا دیا کہ ان کا کام بات کو ٹھیک ٹھیک پہنچا دینا ہے وہ اس کے ذمے دار نہیں ہیں کہ ان کو نیک راستے پر لگا ہی دیں۔

(۴) حضرت شعیب علیہ السلام کی دعوت کو غور سے دیکھیے ایک بات اور آپ کے سامنے آئے گی۔ ایمان کا دعویٰ رکھنے والوں کی اصلاح اور ہدایت کے لیے بھی وہی بات سب سے پہلے کہی گئی جو عام طور پر مشرکوں اور کافروں سے کہی جاتی ہے۔ یعنی یہ کہ "اے قوم کے لوگو اللہ تعالیٰ کو اپنا الٰہ تسلیم کرو" جیسا کہ بار بار تشریح ہو چکی ہے۔ سارے فسادوں کی بنیاد عقیدۂ توحید میں بگاڑ ہے۔ جب کوئی پورے تقاضوں کے ساتھ موحد بن جائے گا تو باقی زندگی میں اصلاح آپ سے آپ ہو جائے گی۔

اس لیے یہ خیال ٹھیک نہیں ہے کہ مسلمانوں کی اصلاح کے لیے پہلے ان کی رسوم، اعمال، اور اخلاق کی اصلاح کی طرف توجہ کرنا چاہیے۔ بلکہ ایسا اندازہ ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی اصلاح کے لیے بھی سب سے پہلے اس کی ضرورت ہے کہ ان کے ایمانوں کی اصلاح کی جائے، ان کے عقائد درست کیے جائیں اور انھیں یہ بتایا جائے کہ صرف اللہ تعالیٰ کو الٰہ اور رب تسلیم کر لینے کے بعد انھیں اپنی زندگیوں کو کس طرح تبدیل کرنا پڑے گا۔ یہ پہلو اتنا اہم ہے کہ جب تک پوری قوت کے ساتھ اس کی اصلاح نہ کر لی جائے دوسری اصلاحوں کی طرف بڑھنے سے کام نہیں چلے گا۔

محمد عزیز صاحب۔بی۔اے۔

مسلمان کی ضرورت

ہمارے رفیق" جناب محمد عزیز صاحب کبھی کبھی کم عمر طالب علموں کو کچھ کام کی باتیں بتاتے رہتے ہیں۔آپ نے ایسے طالب علموں کا ایک حلقہ بنا لیا ہے اور آپ کی کوشش ہے کہ ان کی دینی اور اخلاقی تربیت کریں یہ مضمون آپ نے اُن طالب علموں کے سامنے تقریر کی شکل میں بیان کیا تھا۔اس کے بعد بھی آپ کا یہ سلسلہ جاری رہا ہے۔اس میں سے کچھ مُفید مضامین حسناتی بھائیوں اور بہنوں کے لیے وہ انشاء اللہ برابر بھیجتے رہیں گے ——— "اڈیٹر"

دُنیا میں ہمیں طرح طرح کی چیزیں دکھائی دیتی ہیں کچھ ایسی ہیں جو بالکل ایک ہی حالت پر رہتی ہیں ان میں کچھ تبدیلی اور بڑھاؤ گھٹاؤ نہیں ہوتا' جیسے پتھر' پہاڑ' چٹان وغیرہ ان میں اگرچہ تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں' لیکن بہت کم اور آہستہ' ان سے بڑھ کر کچھ چیزیں ایسی ہیں جو بڑھتی گھٹتی رہتی ہیں اور موسم وغیرہ کا اثر ان پر خاصا ہوتا ہے' جیسے درخت' گھاس' پودے وغیرہ' انھیں ہم نباتات بھی کہتے ہیں۔ان کے بھی اوپر ایسی مخلوق ہیں جو بولتی اور سُنتی بھی ہیں اور بڑھتی گھٹتی رہتی ہیں' یہ ہیں حیوانات ——— لیکن ان سب مخلوقات سے بڑھ کر ایک اور مخلوق بھی ہے اور وہ ہے حضرتِ انسان ـــ یہ بے چارے انسان عجب چیز ہیں۔باقی مخلوقات سے زیادہ قوتیں اور خوبیاں رکھتے ہیں' کام بھی وہ وہ کر دکھاتے ہیں کہ کمزور ہوتے ہوئے سب پر بھاری ہی رہتے ہیں۔دُنیا کی باقی مخلوقات میں کوئی ان سے زیادہ قوی اور مضبوط نہیں' نہ کوئی ان سے جیت پاتا ہے نہ کوئی ان کی قوّت سے باہر جا سکتا ہے۔یہ حضرتِ انسان سچ مچ سب سے بڑھ کر

بنائے ہی گئے ہیں۔ آپ نے سُنا ہوگا کہ حضرت اشرف المخلوقات کہلاتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ نے جتنی مخلوقات بنائی ہیں ان میں سب سے بڑی حیثیت انھیں کو حاصل ہے۔ لیکن اب سوال یہ ہے کہ ایسا کیوں کیا گیا؟۔ اللہ تعالیٰ نے خود ہی اس سوال کا جواب بھی دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ جو کہ اس ساری دُنیا کا بادشاہ ہے اُس نے ان بھانت بھانت کے جانوروں کے اوپر نگرانی کرنے کے لیے انھیں بھیجا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ ہر اُستاد اپنے درجہ کا ایک مانیٹر بناتا ہے، تاکہ درجے میں طرح طرح کے لڑکوں پر وہ نگرانی کرے اور اُستاد کی جو ہدایتیں ہیں ان پر سب سے عمل کرائے۔

ہم نے اوپر دیکھا کہ انسان کی دُنیا میں کیا حیثیت ہے۔ اللہ نے انسان کو باقی مخلوقات پر جو قابو دیا ہے وہ اس لیے نہیں دیا ہے کہ جس طرح چاہے اپنی قوّت کو استعمال کرے۔ کوئی اُستاد ایسا نہیں کرسکتا کہ مانیٹر کو چُن لے اور اس کے بعد اُسے کچھ نہ بتائے کہ اسے کیا کیا کرنا ہے اور کیا کیا طریقے اختیار کرنے ہیں اور پھر اسے یوں ہی چھوڑ دے کہ چاہے تو لڑکوں کو چپت لگانا شروع کر دے یا خود اُن کے ساتھ شور مچانا اور کھیلنا شروع کردے۔ جب کوئی اُستاد ایسا نہیں کرسکتا تو پھر اس دُنیا کا بادشاہ جس نے سارے اُستادوں کو علم دیا ہے، ایسا کیسے کرسکتا ہے۔ اور سچ مچ اُس نے ایسا نہیں کیا ہے۔ پہلا انسان (حضرت آدم علیہ السلام) جب پیدا کیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے فرما دیا کہ یہ میرا خلیفہ یا مانیٹر ہوگا۔ اور اس کے ساتھ ہی اس پہلے انسان کو نبی بھی بنایا یعنی اسے بتایا کہ انسان دُنیا میں کیا کیا کرے اپنی قوّتوں کو کیسے استعمال کرے، باقی مخلوقات کو کس طرح اپنے کام میں لاوے اور اپنے ساتھی انسانوں کے ساتھ کیا سلوک کرے اور خود اپنے مالک کے ساتھ کیا رویّہ اختیار کرے۔ یہ سب اُس نے کیوں بتایا، کیا صرف حکومت جمانے کے شوق میں؟ نہیں، چونکہ وہی مالک ہے۔ سب سے زیادہ عقل مند ہے اس لیے وہی ٹھیک بتا سکتا ہے اُس کے بتلائے ہوئے ڈھنگ کے علاوہ اگر یہ مانیٹر صاحب کوئی اور طریقہ اختیار کریں تو یا تو لڑکے انھیں کو ٹھیک کرکے رکھ دیں گے یا پھر اپنی مانیٹری سے بھی ہاتھ

رہونیں گے۔ اسی لیے نہ صرف پہلا انسان اللہ تعالیٰ نے نبی بنا کر بھیجا بلکہ
جیسے جیسے دُنیا بڑھتی گئی اسی قسم کے انسان اکثر آتے رہے اور لوگوں کو
وہ طریقے بتاتے رہے جو انھیں اللہؐ نے بتائے۔ اسی طرح ہمارے آخری نبیؐ
بھی تشریف لائے۔ انھوں نے اس طرح ہمیں اللہ کے بتائے ہوئے قاعدے بتادیے
۔ اب آئندہ کسی ایسے آدمی کی ضرورت نہیں ہوگی جو کوئی بات اللہ کے پاس
سے لاکر بتائے۔ ان قاعدوں اور طریقوں میں اس کی گنجائش ہے کہ ہر جگہ اور ہر
زمانے میں لوگ ان کی مدد سے، اور ہاں کچھ عقل کی مدد سے زندگی گزار
سکتے ہیں۔ آپ کو یاد ہوگا کہ اللہ کو صرف اس کی تمنا ہی نہیں ہے کہ اپنی
حکومت منوائے، اُس کی حکومت تو قایم ہے ہی اور رہے گی اس میں
ر اصل خود حضرتِ انسان کا اور باقی مخلوقات کا فائدہ ہے ورنہ
ان کی زندگی چین سے بسر ہوگی اور نہ ہی باقی دُنیا میں سکون اور
امن ممکن ہے۔

اب نبی تو آنے سے رہے پھر لوگوں کو یاد دلانے اور سمجھانے
کام کون کرے؟ اللہ تعالیٰ نے حضرتِ انسان کو تو باقی تمام مخلوقات کی
رانی کے لیے مقرر کیا اور انسان کی رہنمائی کے لیے ایک نہ ایک نبی بھیجا
ور اب نبیوں کے بعد آخری نبی کی اُمت اب اس کی ذمے دار ہے کہ دُنیا
ں ساری انسانیت کو صحیح طریقہ بتائے، یہ مسلمان گویا دُنیا کے لیے
ک ضرورت ہے کیونکہ انسان کو ہر حال اس کی ضرورت ہے کہ اسے
لہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے قانون اور قاعدے معلوم ہوتے رہیں۔ خود
سان کی خیر اور فلاح بھی اسی میں ہے اور ساری دُنیا کی بھلائی بھی اسی
ں ہے۔ انسان کو ایک طرف تو یہ معلوم ہونا ضروری ہے کہ باقی مخلوقات
ساتھ اس کا کیا طریقہ ہو اور ایک طرف یہ معلوم ہونا بھی ضروری ہے
اپنے ساتھ، انسانوں کے ساتھ اس کا رویّہ کیا ہو؟ دُنیا میں پہلے انسان کے
د جو کام کیا گیا تھا وہ اب ایک گروہ کو کرنا ہے۔ کیونکہ اب وہ خاص انسان
نی نبی دُنیا میں نہیں پیدا ہوں گے۔ صحیح انسان تو دراصل مسلمان ہی ہوسکتا ہے

کیوں کہ اسی کو یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ انسان کی کیا حیثیت ہے، کس طریقے سے وہ دُنیا کی مخلوقات کو کام میں لائے اور وہ کون سی روش اپنے ساتھیوں کے ساتھ اختیار کرے۔ پہلے انسان کا جو کام تھا یعنی اپنے ساتھیوں کو صحیح طریقۂ زندگی بتانا، یہ کام بھی اب اسی گروہ کو کرنا ہے۔ اس طرح ہم نے دیکھا کہ انسان کو انسان رکھنے کے لیے اور ساری دنیا کی بھلائی کے لیے اس اصلی صحیح انسان یعنی مسلمان کی ضرورت ہے۔

اب یہ سوال بھی پیدا ہو سکتا ہے کہ دُنیا کے انسان اور دُنیا کی دوسری چیزوں کی بھلائی کے لیے کوئی اَور طریقہ، اور کوئی اور گروہ، کچھ مفید ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اس کا جواب یوں سمجھیے کہ یہ گروہ چونکہ اُسی پہلے انسان کے سارے کام کرے گا اور اس کو جو باتیں لوگوں کے سامنے پیش کرنی ہیں وہ نری اپنی عقل کی باتیں ہی نہیں ہیں بلکہ اس دُنیا کے اصلی مالک نے جو کچھ بتایا ہے جو حکم اُس نے اپنے ان خاص بندوں اور نبیوں کے ذریعے سے بھیجے ہیں اور خاص طور سے جو قانون اُس نے سب سے آخری نبی کے ذریعے بھیجے ہیں وہی چیزیں یہ گروہ دُنیا کے سامنے رکھے گا، ان پر عمل کر کے دُنیا اور سوسائٹی کو اسی ڈھنگ پر چلائے گا جو کہ اُس بادشاہ نے، اُس مالک نے، اس عقل مند اور دانا ہستی نے پسند کیا ہے، اور جس ڈھنگ کے بغیر نہ انسان اپنی حیثیت پر قایم رہ کے اشرف المخلوقات کا درجہ پا سکتا ہے اور نہ دُنیا ہی امن اور سکون سے زندگی بسر کر سکتی ہے۔ دوسرے گروہ جو دوسرے طریقوں پر کام کرنا چاہتے ہیں، وہ چونکہ اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے ڈھنگ پر دُنیا اور سوسائٹی کو چلانے اور بنانے کا ارادہ نہیں رکھتے بلکہ تھوڑے سے لوگوں کے فائدے کے لیے ہی سب کچھ کرتے ہیں، کچھ لوگ صرف اپنی مادرِ وطن کی خاطر سب کچھ کرنا چاہتے ہیں، کوئی اپنی قوم کے لیے دیوانہ ہے کوئی مزدوروں کے لیے گلا پھاڑتا ہے۔ لیکن یہ سب صرف ایک حصّے کی بھلائی چاہتے ہیں۔ وہ صحیح مسلمان ہی ہے جو کسی خاص گروہ یا حصّے کے لیے نہیں کام کرتا بلکہ ساری دُنیا اور سارے انسانوں کی بھلائی کرتا اور چاہتا ہے

ں کہ وہ اُس ڈھنگ کو اختیار کرتا ہے اور وہ ڈھنگ لوگوں کو سکھاتا ہے
ساری دُنیا اور سارے انسانوں کے مالک اور بادشاہ اور سب سے
دہ عقل مند اور دانا ہستی نے ہمیں سکھیا ہے۔ اسی گروہ کی دُنیا میں
ورت ہے اور وہی گروہ دُنیا کو شانتی دے سکتا ہے۔ دُنیا کے باقی گروہ
اپنے ڈھنگ پر اور صرف اپنی عقل سے دُنیا کو چلانا اور سوسائٹی کو
ا چاہتے ہیں وہ اپنے ڈھنگ کی حکومت بھی بنانا چاہتے ہیں۔ لیکن مسلمان جانتا
کہ کوئی انسان بادشاہ نہیں، اصلی مالک اور بادشاہ اللہ ہی ہے۔ سب سے
دہ عقل مند ہستی ہے۔ اللہ کی حکومت ساری دُنیا میں قائم ہے اور اس نے
انوں کو، پہلے انسان کو اور اب اس گروہ کو صرف اسی لیے پیدا کیا
ہے کہ وہ اُس کی حکومت میں اپنی مَن مانی نہ کریں اور خود نہ حکومت کرنے
یں، بلکہ اللہ کی حکومت میں ایک وفادار نوکر کی طرح ساری دُنیا کی نگرانی
یں۔ اُس کی حکومت کی چیزوں کو اسی طرح کام میں لائیں جس طرح وہ پسند
تا ہے، اپنے ساتھیوں سے وہی ڈھنگ اختیار کریں جو اس نے بتایا ہے
ں کہ اس کے بغیر نہ انسان کی خیر ہے اور نہ دُنیا کے کام آسانی سے
ل سکتے ہیں۔

دوستو، یہ ہے وہ بات جو ہمیں یہ کہنے پر مجبور کرتی، اور جلد ہی
یا یہ کہنے پر مجبور ہوگی کہ دُنیا کو مسلمان کی ضرورت ہے۔ کیوں کہ
دیکھ رہے ہیں کہ صحیح قسم کے مسلمان کے نہ ہونے کی وجہ سے
خود انسان بھی پریشان ہے اور دُنیا بھی اس قدر تکلیف دہ نظر
ی ہے +

رسالت نمبر

الحسنات کا آئندہ خاص نمبر رسالت نمبر ہوگا۔
جیسا کہ اس سے پہلے مفصل اعلان کیا جاچکا ہے۔
مضمون نگار حضرات جلد اپنے اپنے مضامین بھجوائیں۔

تاریخ اشاعت کا اعلان عنقریب کیا جائے گا

"منیجر"

جنابِ شباب ظریفی صاحب بریلوی ۔

توحید کا ترانہ

وہ ہے سب کا پالنے والا پالنے والا اور رکھوالا
اُس سے ہم فریاد کریں گے اس کو ہر دم یاد کریں گے
وہ ہے سب کا پالنے والا
پالنے والا اور رکھوالا

بندگی اُس کی کرنا بچّو جس نے بنائی دُنیا بچو
سورج اور یہ چاندستارے ہیں کتنے یہ پیارے پیارے
وہ ہے سب کا پالنے والا
پالنے والا اور رکھوالا

عزّت دینا ذلّت دینا دولت دینا غربت دینا
کام ہے اُس کا۔ دیتا وہ ہے جو وہ چاہے ہوتا وہ ہے
وہ ہے سب کا پالنے والا
پالنے والا اور رکھوالا

سوکھے میں سبزے کو اُگادے آگ کو وہ گلزار بنادے
دریاؤں میں راہ بنادے ڈوبی کشتی پار لگادے
وہ ہے سب کا پالنے والا
پالنے والا اور رکھوالا

ہر جا سب ہیں ماجا وہ ہے ظاہر باطن ہر جا وہ ہے
حاکم وہ ہے خالق وہ ہے عالم وہ ہے رازق وہ ہے
وہ ہے سب کا پالنے والا
پالنے والا اور رکھوالا

جناب مزمل کریم صاحب

!!!

انگلستان ایک مہذب ملک ہے، اگر آپ وہاں جاکر بس جائیں اور وہاں کے باشندے ہوجائیں تب بھی آپ کو تاریخ میں رابرٹ کلائیو کی کامیابیوں کا حال پڑھ کر وہ خوشی حاصل نہ ہوگی جو ایک انگریز بچے کو حاصل ہوتی ہے —— حالانکہ آپ انگلستان کے باشندے بن چکے ہیں۔

فرانس بھی ایک مہذب ملک ہے اگر آپ وہاں رہ بس جائیں اور وہاں کے ہی باشندے ہوجائیں تب بھی نپولین کا حال پڑھ کر آپ کو وہ خوشی نہ ہوگی جو ایک فرانسیسی کو ہوتی ہے —— حالانکہ آپ فرانس کے شہری ہیں۔

آپ امریکہ چلے جائیے اور وہاں کے شہری بن جائیے۔ لیکن یہ جان کر کہ واشنگٹن نے امریکہ کی آزادی کے لیے کیسی قربانیاں پیش کی ہیں۔ ایک امریکن کو جتنی خوشی ہوتی ہے اتنی خوشی آپ کو ہرگز نہ ہوگی چاہے آپ وہاں کے کتنے ہی پرانے شہری کیوں نہ بن گئے ہوں۔

ہوسکتا ہے کہ آپ افریقہ کے حبشی ہوں، یا امریکہ کے نیگرو، یا بھارت ورش کے چمار ——

—— لیکن اگر یہ بات آپ کے دل میں بیٹھ جائے کہ اللہ کے سوا کوئی آقا اور معبود نہیں ہے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اُس کے سچے رسول ہیں تو اسلام اُسی وقت اپنی پوری تاریخ آپ کو سونپ دیتا ہے۔

سارے فرشتے ایک جگہ اکٹھے ہیں۔ سب کو حکم ملتا ہے "آدم کو سجدہ کرو" سب سجدے میں گر پڑتے ہیں۔ یہ سن کر آپ کو خوشی ہوتی ہے کہ آپ کے باپ حضرت آدمؑ کو فرشتوں نے سجدہ کیا۔ اللہ نے ان کو عزت بخشی ——

آپ چاہے افریقی ہوں یا امریکی کالے ہوں یا گورے، آپ اس خوشی میں

ابر کے شریک ہیں —— حضرت آدمؑ تو سب کے باپ تھے، ان کی سب اولادوں کو اس بات پر خوشی کا حق حاصل ہے۔

یہ دیکھیے، ابلیس تو کھڑا کا کھڑا رہ گیا! بڑا گھمنڈی نکلا۔ "جا نکل میری رحمت سے دُور ہو" اس کے حق میں فیصلہ ہوگیا۔ ایسوں کی سزا یہی ہے۔ یہ تو ہمارا پُرانا دُشمن۔ مسلمان ہوتے ہوئے آپ بھی شیطان کو اپنا دُشمن ہی جانتے ہیں، چاہے آپ کسی جگہ پیدا ہوئے ہوں اور کسی ملک میں رہتے ہوں ——

"ابا جان! آپ کیجیے جو کچھ آپ کو اللہ نے حکم دیا ہے۔ اللہ نے چاہا تو آپ مجھے صبر کرنے والا پائیں گے ——" بیٹے کو چِت لٹا کر باپ نے چاہا کہ اللہ کی خوشی کے لیے ذبح کر دیں ——

کیسے اچھے بیٹے! اور کیسے اچھے باپ!! آپ کے دل میں ان باپ اور بیٹے کی محبت کیسے نہ پیدا ہوگی، انھوں نے جو کچھ کیا اللہ کی خوشنودی کے لیے کیا۔ کسی ملک اور کسی قوم کے لیے نہیں کیا —— آپ مجبور ہیں کہ اسلام قبول کرتے ہی ان کی عزت اور ان کی محبت سے آپ کا دل بھر جائے۔ چاہے آپ کا وطن عرب ہو یا عجم۔

بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بھاگے چلے آ رہے ہیں۔ فرعون اور اُس کی فوج پیچھے ہے —— اب پکڑا اور اب پکڑا —— سامنے بحر قلزم ہے۔ ان کی حالت پر آپ کا دل بھی دَھک دَھک کر رہا ہے۔ آپ کی ساری ہمدردیاں ان کے ساتھ ہیں۔ حالانکہ آپ نہ بنی اسرائیل ہیں اور نہ قبطیوں سے آپ کی کوئی دُشمنی ہے —— آپ تو بس مسلمان ہیں، پھر ایسا کیوں ہے؟ اسی لیے نا کہ حضرتِ موسیٰؑ کے ساتھی بھی اُسی اللہ کی غلامی قبول کر چکے تھے جس کو آپ نے اپنا آقا مانا ہے!

حضرت موسیٰؑ نے پانی پر اللہ کے حکم سے اپنی لاٹھی ماری۔ پانی میں راستہ بن گیا۔ بنی اسرائیل پار اُتر گئے۔ لیکن فرعونی بھی اسی راستے پر دوڑ پڑے —— مگر —— یہ لو —— اللہ کا حکم آگیا۔ پانی پھر مل گیا۔ راستہ غائب۔

۱؎ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام۔ ۲؎ حضرت ابراہیم علیہ السلام۔

سارے فرعونی ڈوبنے لگے ـــــ آپ نے یہ سُن کر اطمینان کا سانس لیا ـــــ اللہ کے باغی ڈوبے اللہ کے فرماں بردار بچا لیے گئے۔ آپ کو بھی خوشی ہے آپ خود بھی تو اللہ کی فرماں برداری کا اقرار کرچکے ہیں نا!

یثرب میں آج چہل پہل ہے، لڑکے اور لڑکیاں گھروں سے نکل آئی ہیں۔ سب گاتے ہیں۔

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاعِ
وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا مَا دَعَا لِلّٰهِ دَاعِ
اَيُّهَا الْمَبْعُوثُ فِيْنَا جِئْتَ بِالْاَمْرِ الْمُطَاعِ[۱]

آپ کا دل بے چین ہو رہا ہے ـــــ "کاش میں بھی ان بچوں میں ہوتا اور سب کے ساتھ مل کر گاتا ہوتا ـــــ" ایسا کیوں؟ آپ تو عرب نہیں ہیں۔ آپ تو قریش نہیں ہیں! ـــــ مگر آپ مسلمان تو ہیں۔

حضرت عمرؓ کا زمانہ ہے۔ جنگ ہو رہی ہے۔ ایرانی فوج کا ٹڈی دل دریا کے کنارے کھڑا ہے۔ انھوں نے سارے پُل توڑ دیئے ہیں اور ساری کشتیاں اپنی طرف گھسیٹ لی ہیں ـــــ مسلمان حیران ہیں کیا کریں؟ دریا کیسے پار ہو ـــــ سپہ سالار حکم دیتا ہے، گھوڑوں کو دریا میں ڈال دو۔ شانے سے شانہ ملا کر بڑھو۔ صف نہ ٹوٹنے پائے ـــــ ایرانیوں نے دیکھا اور چلا کر بھاگے "دیواں آمدند! دیواں آمدند!!"[۲] ـــــ آپ کو مسلمان سپہ سالار پر ویسا ہی ناز ہے جیسا کسی عرب کو ہو سکتا ہے۔ حالانکہ ہوسکتا ہے کہ آپ کچھ دن پہلے تک بھارت ورش کے جیار ہوں ـــ مگر اس سے کیا ہوتا ہے اب تو آپ مسلم برادری کے ایک بھائی ہیں، اسلام کی ساری تاریخ آپ کی اپنی تاریخ ہے۔

شہنشاہ جہاں گیر کا دربار جما ہوا ہے۔ جو آتا ہے سر جھکاتا ہے۔

---

[۱] آج ان وادیوں سے ہم پر چاند طلوع ہوا ہے جن سے ہم لوگوں کو رخصت کیا کرتے ہیں۔ ہم پر واجب ہے کہ ہم اس چیز کے لیے اللہ کا شکریہ ادا کریں جس کی طرف بلانے والا ہمیں بلا رہا ہے۔ اے وہ ذاتِ گرامی جس کو اللہ تعالیٰ نے ہماری طرف بھیجا ہے آپ ایک ایسا حکم لے کر آئے ہیں جس کی اطاعت ضروری ہے۔

[۲] دیو آگئے! دیو آگئے!!

سرہند کا ایک فقیر[1] داخل ہوتا ہے' کیسا سر جھکانا اور کس کا ماتھا ٹیکنا؟ سلام بھی ندارد۔ جہانگیر گرجتا ہے "آداب شاہی ندارد! یہ کیا حرکت ہے؟" جواب ملتا ہے "یہ سر اللہ کے سوائے کسی اور کے آگے نہیں جھک سکتا۔" یہ حال سُن کر آپ کا سر بھی اونچا ہوجاتا ہے۔ آپ کا دل بھی چاہتا ہے کہ اپنے وقت کے "جہانگیروں" کے سامنے آپ بھی اسی طرح جائیں۔ ایسا کس لیے؟ آپ نہ تو شیخ سرہندی کے مرید ہیں اور نہ مغلوں سے آپ کی کوئی عداوت ہی ہے۔

ایک گاؤں میں ہندو مسلمان سب رہتے ہیں۔ بہت بھیڑ اکٹھی ہوگئی چاہتے ہیں کہ ہندوؤں کا صفایا کردیں' الطاف میاں سمجھاتے ہیں۔ لیکن کون سنتا ہے' ان کے سر پر تو شیطان سوار ہے۔ الطاف میاں کہتے ہیں جب تک میرے دم میں دم ہے تم ان بے قصوروں کا بال بیکا نہیں کرسکتے۔ ایک درندہ بڑھ کر پیچھے کا وار کرتا ہے۔ الطاف میاں کلمہ پڑھتے ہوئے گرتے ہیں اور تڑپ تڑپ کر ٹھنڈے ہوجاتے ہیں۔ ان کے گرتے ہی فسادیوں پر عجیب دہشت کا خوف [illegible]
ہے۔ سب بھاگ کھڑے ہوئے۔ بھیڑ چھٹ گئی' بہت سی عورتیں اور بچے [illegible]
منھ سے بچ گئے۔ الطاف میاں کو سب دعائیں دے رہے [illegible]
نہیں دیتا تھا ——— آپ کو بھی الطاف میاں [illegible]
جان نہ پہچان —

آپ
او
بگا
پُوا
[illegible]
آم

اسلام اپنی پوری تاریخ [illegible]
از آدم تا ایں دم [illegible]

پ	(۱) ایک چیز ایسی جسے ہندو مسلم
ہ	سکھ عیسائی سب کھاتے ہیں۔ مگر ذرا اس [illegible]
ے	سرکاٹ کر تو کھا [illegible]
ل	کھاتے ہی مرنا پڑے گا!!!
ی	(آصفہ [illegible])

ین
گھر

[1] حضرت شیخ احمد سرہندی' مجدد الف ثانی

(۱) اُردو ڈرامہ نویسی کی ابتدا اُنیسویں صدی کے وسط میں ہوئی۔

(۲) اونٹ کی عمر ۴۰ سال ہوتی ہے۔

(۳) ۱۸۶۳ء میں ملک جاپان میں ریل گاڑی کا پتہ تک نہ تھا۔ ۱۸۷۲ء میں پہلی ریلوے لائن پڑی۔

(۴) ایمزن دُنیا کا سب سے بڑا دریا ہے جو کہ جنوبی امریکہ میں (۲۷،۰۰،۰۰۰) مربع میل کا رقبہ سیراب کرتا ہے۔

(۵) ایک معمولی صحت مند انسان کا دل دن بھر میں ایک لاکھ مرتبہ حرکت کرتا ہے۔

(۶) ۱۸۹۲ء میں پہلا عربی جریدہ "کواکب امریکہ" کے نام سے اربلی نے نیویارک (امریکہ) سے شائع کیا

(۷) ۱۸۷۶ء میں "ڈالٹہ" نے پہلا لاسلکی ٹیلیفون [illegible] کیا۔

(۸) انگلستان میں پہلی نشرگاہ "جیمس فرڈ" [illegible] میں کھولی گئی۔

(۹) [illegible] میں سب سے پہلے پلیٹ گلاس کی تیاری کے لیے [illegible] میں "پریسکاٹ" کے قریب کارخانہ قائم ہوا۔

(۱۰) الٰہ آباد یونیورسٹی ۱۸۸۷ء میں قائم ہوئی۔

(۱۱) لائچی خالص ہندوستانی پھل ہے یہ راس [illegible] کے علاقہ میں پائی جاتی ہے۔ یہ علاقہ کارومنڈل اور مالابار کے درمیان واقع ہے

(۱۲) ایک پتنگے کے جسم میں (۱۴۱۲) اعصاب (رگ پٹھے) ہوتے ہیں۔

(۱۳) اندازہ لگایا گیا ہے کہ ہر روز دُنیا میں نو لاکھ آدمی مرجاتے ہیں۔

(۱۴) آسمان سے جب تارہ ٹوٹتا ہے تو وہ (۲۰) میل فی سکنڈ کی تیز رفتار سے زمین پر گرتا ہے۔

(۱۵) انسان نے مسدس شکل کا سبق مکڑی سے حاصل کیا مکڑی مسدس [illegible] ایک ایسا مکمل [illegible] تیار [illegible] ضلع نصف قطر کے [illegible]

(۱۶) [illegible] اور "محراب" کے [illegible]

(۱۷) آفتاب کی روشنی کا [illegible] (۲،۰۰،۰۰۰) [illegible]

انتظار کیجیے! رسالت نمبر کی تاریخ اشاعت کا!

ایمان کی طاقت

محمد حمید الدین محمود راجوری

"ایمان کبھی مجبور نہیں وہ اپنے اثر و عمل کے لیے خود ہی راہیں پیدا کرلیتا ہے" اس کی شہادت مشہور مسلمان سیاح "ابنِ بطوطہ" کے سفر نامے کے ایک واقعہ سے ہو سکتی ہے۔" جب ابنِ بطوطہ" سیر و سیاحت کرتے جاوا گئے تو آپ کو وہاں یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ پوری آبادی مسلمان ہے۔ آپ نے اس کی وجہ دریافت کی تو بڑے بوڑھوں نے ان کو یہ واقعہ سُنایا:

"ایک دفعہ عربوں کا تجارتی جہاز اس سمندر سے گذر رہا تھا کہ زبردست طوفان سمندر میں اُمنڈ آیا۔ جہاز کسی چٹان سے ٹکراکر پاش پاش ہوگیا اور مسافر ڈوب گئے۔ لیکن ایک مسلمان عرب کے ہاتھ جہاز کا ایک تختہ لگا جس کی مدد سے وہ اس ساحل پر اُتر گئے۔ اور وہیں ایک بوڑھیا کی جھونپڑی میں رہنے لگے۔ اس بوڑھیا کی اکلوتی بیٹی بھی تھی۔ یہ عرب روز جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لاتے اور فروخت کرتے۔ اس طرح یہ تینوں اپنی زندگی گذار رہے تھے۔ ایک دن جب وہ جنگل سے واپس ہوئے تو اُنھوں نے دیکھا کہ اُن کی محسن بڑھیا زار زار رو رہی ہے۔ اُنھوں نے رونے کی وجہ پوچھی۔ بوڑھیا نے جواب دیا "ہمارے ملک میں ہر سال ایک بلا سمندر کی جانب سے آتی ہے۔ جب تک کسی دوشیزہ کو اس مندر میں جو سمندر کے کنارے بنا ہوا ہے اس کے حوالے نہ کیا جائے ٹلتی نہیں۔ ہر سال قُرعہ کے ذریعے فیصلہ ہوتا ہے کہ کس کو بھیجا جائے۔ اس کے بعد لڑکی کو مندر میں سرِ شام رکھ دیتے ہیں۔ اور دوسرے دن صبح وہ لڑکی مُردہ پائی جاتی ہے۔ اس دفعہ میری اکلوتی لڑکی کا نام قرعہ میں نکلا ہے۔" یہ کہہ کر وہ بے حد روئی۔ بڑھیا کے عرب مہمان سے یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ وہ اپنے محسن کی مدد نہ کرے اور اُس کی لڑکی کو اس طرح موت کے مُنھ میں جانے دے اس عرب نوجوان نے سوچا یہ سمندری بلا کیا چیز ہے! نفع نقصان کا مالک تو صرف اللہ ہے۔ ہو نہ ہو یہ یہاں کے مذہبی لوگوں کا کوئی گورکھ دھندا ہے۔ اب وہ عرب

تھے انھوں نے کہا "مائی تمھیں رونے کی ضرورت نہیں۔ میں تمھاری لڑکی کے بجائے مندر میں جاؤں گا۔ تم نے مجھ پر احسان کیا ہے۔ اس لیے میں اللہ کا نام لے کر کوشش کروں گا کہ تمھاری لڑکی کو اس مصیبت سے نجات دلاؤں۔

آپ کو یہ سُن کر حیرت ہوگی کہ یہ عرب نوجوان ابھی اتنے کم عمر تھے کہ ان کی داڑھی بھی نہیں نکلی تھی۔ چنانچہ یہ لڑکی کا لباس پہن کر مندر جانے کے لیے تیار ہوگئے اور جب حکومت کے سپاہی لڑکی کو لینے آئے تو وہ اُن کے ساتھ ہولیے شام ہوتے ہوتے لوگ انھیں اس مندر میں اکیلا چھوڑ آئے جہاں یہ جاہل قوم ہر سال اپنی ایک کنواری لڑکی کی قربانی پیش کیا کرتے تھے۔

اس عرب بہادر نے جو اللہ کے سوائے کسی اور سے ڈرنا جانتا ہی نہ تھا وضو کیا اور مغرب کی نماز ادا کی اس کے بعد رات بھر عبادت میں مصروف رہنے کے ارادے سے نماز شروع کردی۔ یہ حافظ قرآن تھے انھوں نے آواز سے اللہ کا کلام نماز میں پڑھنا شروع کردیا۔

کچھ رات گئے انھیں کچھ آہٹ معلوم ہوئی لیکن یہ بدستور تلاوت میں مصروف رہے۔ کچھ دیر بعد جب انھوں نے سلام پھیرا تو ادھر اُدھر دیکھا وہاں کچھ بھی نہ تھا۔ سمندر کا کنارا تھا، پُرفضا مقام چھٹکی ہوئی چاندنی اور ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا۔ یہ پھر نماز میں مصروف ہوگئے اور اس طرح رات بھر اسی "سمندری بلا" کے منتظر رہے۔ اس تنہائی میں قوم کی ایک کنواری لڑکی کی قربانی قبول کرنے ہر سال آیا کرتی تھی اور جس کے نتیجے میں صبح کو اس کی قوم کے لوگ لڑکی کی مردہ لاش مندر میں پایا کرتے تھے۔ اسی انتظار میں رات بھر نماز اور تلاوت میں بسر ہوگئی مگر کوئی بلا نہ آئی ——— جب صبح ہوگئی تو وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ شاید اس جزیرے کے مذہبی پیشواؤں نے اپنی قوم کو بے وقوف بنانے اور اپنی ناپاک خواہشات پورا کرنے کے لیے یہ سارا ڈھونگ رچا رکھا تھا۔ لیکن جب رات کو وہ آئے اور انھوں نے اللہ کے سپاہی کو تلاوت اور نماز میں مصروف پایا تو اُن کے مجرم دلوں کو اتنی جرأت نہ ہوئی کہ وہ نوجوان سے کچھ بولتے ممکن ہے کہ انھیں اپنا بھانڈا پھوٹ جانے کا بھی ڈر ہوا اور اس لیے وہ چپکے ہی سے اُلٹے پاؤں لوٹ گئے۔

جب صبح کو حسب دستور سپاہی لڑکی کی مُردہ لاش کو لینے آئے تو اُنھیں یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ لڑکی صحیح سلامت ہے۔ چنانچہ وہ اس کو اپنے بادشاہ کے پاس لے گئے۔ بادشاہ نے طرح طرح کے سوالات کیے۔ بالآخر اُن کو حقیقت واضح کرنی پڑی چنانچہ آپ نے فرمایا کہ "اس بڑھیا نے مجھ پر احسان کیا تھا اور میں مجبور تھا کہ اس احسان کا بدلہ دوں"۔ بادشاہ نے کہا: "کیا تم کو ایسی خطرناک جگہ جاتے ہوئے ڈر نہیں معلوم ہوا؟" اُنھوں نے جواب دیا: "میں اپنے مذہب کی تعلیم کے بموجب سوائے خدائے لاشریک کے اور کسی سے نہیں ڈرتا۔ نفع نقصان اُسی کے ہاتھ میں ہے اُس کے حکم کے بغیر موت نہیں آسکتی۔ اور یہ سب کچھ مجھے آپ کے مذہبی پیشواؤں کی شرارت معلوم ہوتی ہے، اُنھوں نے ہی سارے لوگوں کو بے وقوف بنا رکھا ہے"۔

عرب کی اس تقریر میں ایسا اثر تھا کہ اس تقریر نے سارے دربار کو حیرت میں ڈال دیا۔ بادشاہ نے متاثرانہ لہجے میں کہا: "اگر تم اسی طرح آئندہ سال بھی جاکر صحیح و سلامت آجاؤ تو میں عہد کرتا ہوں کہ اپنے خاندان و رعایا سمیت اُس اللہ پر ایمان لے آؤں گا جس کو تم مانتے ہو"۔

دوسرے سال بھی اُس تاریخ پر وہ مسلمان عرب دوبارہ مندر میں جاکر بفضلِ خدا صحیح و سلامت واپس لوٹے۔ بادشاہ اپنے وعدے کے مطابق مع خاندان و رعایا ایمان لے آیا۔

سچ ہے اسلام کو دُنیا نے ایسے ہی لوگوں کی بدولت پہچانا ہے جو اپنے ایمان اور اللہ پر بھروسے کی وجہ سے دوسرے انسانوں کے مقابلے میں بہت اونچا درجہ رکھتے تھے۔

الحسنات کے پاکستانی خریداران اور ایجنٹ صاحبان

اپنی رقوم دفتر کوثر۔ گوال منڈی۔ لاہور روانہ فرماکر ہمیں مطلع کریں۔ انشاءاللہ تعالےٰ رسالہ اُن کی خدمت میں پابندی سے روانہ ہوتا رہے گا

"منیجر"

آپ کی زندگی کو سنوارنے کے لیے چند مفید کتابیں

۱- دینیات مجلد مع گرد پوش ... ۱/۱۰
۲- تنقیحات ... ۲/۸
۳- تفہیمات ... ۲/۸
۴- تجدید و احیائے دین ... ۱/۴
۵- قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں مجلد ۲/۸
۶- اسلامی عبادات پر ایک تحقیقی نظر ... ۱/۴
۷- حقیقت توحید ... ۱۲/
۸- حقیقت تقویٰ ... ۱۲/
۹- سلامتی کا راستہ ... ۶/
۱۰- شہادت حق ... ۶/
۱۱- دین حق ... ۶/
۱۲- اسلام اور جاہلیت ... ۶/
۱۳- خطبات، پانچ حصوں میں ... ۸/
۱۴- اسلام کا نظام حیات ... ۸/
۱۵- سرور عالم ... ۱/
۱۶- معراج کی رات ... ۱/
۱۷- میلاد النبی ... ۱/
۱۸- رحمت عالم (اردو) ... ۱/۴
۱۹- زندگی بعد موت ... ۱/
۲۰- مسلم خواتین سے اسلام کے مطالبات ... ۴/
۲۱- مذہب کا انقلابی تصور ... ۴/
۲۲- اسلامی قانون ... ۱۰/

سیاسیات

۲۳- مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش حصہ سوم ۱/۴
۲۴- مسئلہ قومیت ...
۲۵- اسلام کا نظریہ سیاسی ... ۶/
۲۶- ہندوستان کے فسادات اور ان کا علاج ۴/
۲۷- ہندوستان میں تحریک اسلامی کا لائحہ عمل
۲۸- نشان راہ ... ۶/
۲۹- کمیونزم اور اسلام ...
۳۰- اشتراکیت اور اسلام ...
۳۱- سرمایہ داری اور اشتراکیت ... ۱۲/

معاشرت

۳۲- پردہ ... ۲/۸
۳۳- اسلام اور ضبط ولادت ...
۳۴- حقوق الزوجین ...
۳۵- پردہ و قرآن مجید ... ۶/
۳۶- انسان کا معاشی مسئلہ ... ۶/
۳۷- اخلاقی نقطۂ نظر ... ۶/
۳۸- سود ... ۲/۸
۳۹- تحریک اسلامی کی اخلاقی بنیادیں ... ۶/
۴۰- دعوت اسلامی کیا ہے ... ۴/
۴۱- جماعت اسلامی کی دعوت ... ۶/
۴۲- ایک اہم استفسار ... ۲/
۴۳- بناؤ بگاڑ (اردو) ... ۶/
۴۴- دعوت دین (امین احسن اصلاحی) ۱۲/

دستور اور رودادیں

۴۵- دستور جماعت اسلامی ہند ... ۵/
۴۶- روداد جماعت اسلامی حصہ اول ...
۴۷- " " حصہ دوم ۱۲/
۴۸- " " حصہ سوم ۲/
۴۹- " " حصہ پنجم ۲/
۵۰- " " حلقہ خواتین ۱۲/

مطبوعات ہندی

۱- دنیو پچھ پورش (سرور عالم ہندی) ... ۵
۲- ست دھرم (دین حق ہندی) ... ۵
۳- شانتی مارگ (سلامتی کا راستہ ہندی) ...
۴- بناؤ بگاڑ (ہندی) ... ۵
۵- جیون مرتیو کے پشچات (زندگی بعد موت ہندی) ۳/
۶- نماز (ہندی) ... ۸/
۷- رحمت عالم (ہندی) ...
۸- رحمۃ للعالمین (ہندی) ...

خوش خبری

۱- قرآن مبارک کا ہندی زبان میں ترجمہ اس وقت جس قدر اہم اور ضروری ہے اسی قدر اہتمام کے ساتھ ہم نے اس کام کو شروع کر دیا ہے۔ زبان نہایت با محاورہ اور ادبی ہوگی۔ ترجمانی اور تشریح مولانا صدر الدین صاحب اصلاحی کی ہوگی انتظار فرمائیے۔

۲- ہندی تعلیم کا اسلامی نصاب تیار ہو رہا ہے۔ نصاب پانچ کتابوں پر مشتمل ہوگا۔ پہلی کتاب حروف تہجی سے شروع ہوگی اور پانچویں کتاب رسالہ دینیات پر ختم ہوگی۔ اس کے لیے انشاءاللہ آپ کو زیادہ انتظار نہ کرنا پڑے گا۔

ملنے کا پتہ

ناظم مکتبہ جماعت اسلامی ہند رامپور۔ یو۔پی

نماز
نماز کا پورا پورا فائدہ اُس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتا جب تک اسے سمجھ کر
نہ پڑھا جائے۔ نماز میں جو کچھ پڑھا جاتا ہے اُس کا مطلب اور نماز کی اصل روح اس کتاب میں
بتائی گئی ہے۔ زبان بہت سادہ اور آسان جسے نو عمر اور معمولی پڑھے لکھے بھی سمجھ سکتے ہیں
کتابت، طباعت اور کاغذ عمدہ، ٹائٹیل دیدہ زیب ــــ قیمت ۸/
اسی کتاب کا ہندی اڈیشن بھی تیار ہے
جس کا صرف رسم الخط دیوناگری ہے۔ عربی عبارت عربی اور ہندی رسم الخط دونوں میں لکھی گئی ہے۔ اسکول کے طالب علموں
کے لیے، اُن مسلمانوں کے لیے جو اردو نہیں جانتے ہیں اور ان غیر مسلموں کے لیے جو اسلام کی اس اہم عبادت کے بارے میں
کچھ جاننا چاہتے ہیں یہ کتاب بے حد مفید پائی گئی ہے ــــ دوسرا اڈیشن تیار ہو چکا ہے جس میں
سفید کاغذ لگایا گیا ہے۔ ٹائٹیل دیدہ زیب ہے۔ قیمت ۸/ (تاجروں کے لیے معقول کمیشن)
مکتبہ الحسنات رام پور۔ یو۔ پی
ہندی رسالہ اُجالا نمبر (۱)
اُجالا کا سب سے پہلا نمبر ــــ
ضخامت ۴۸ صفحات ــــ کاغذ سفید
ٹائٹیل دیدہ زیب
اس نمبر میں سورۂ فاتحہ کی تفسیر، فساد کی جڑ، جیل کی باتیں (حضرت یوسف علیہ السلام کا توحید کا وعظ) مسلم، قرآنی حکومت، مولانا آزاد کا ایک مضمون ایک دھرم، سید ابوالاعلیٰ کا مضمون "زندگی
بعد موت"، ہندوستان کے فسادات اور اُن کا علاج وغیرہ جیسے اہم مضامین
شامل ہیں جو آج کل خصوصیت سے قابلِ مطالعہ ہیں ــــ یہ نمبر بہ حیثیت مجموعی اسلام کی دعوت کے
تعارف کے لیے بہت کار آمد ہے ــــ اس نمبر کی کچھ کاپیاں ابھی دفتر میں باقی ہیں جو صاحب
کم از کم پانچ کاپیاں مفت تقسیم کرنے اور پڑھوانے کے لیے
منگانا چاہیں وہ بجائے ایک روپیے کے (جو اس کی اصلی قیمت ہے) صرف چار آنے فی کاپی طلب فرما سکتے ہیں
منیجر رسالہ اُجالا۔ رام پور۔ یو۔ پی
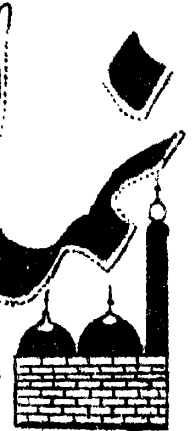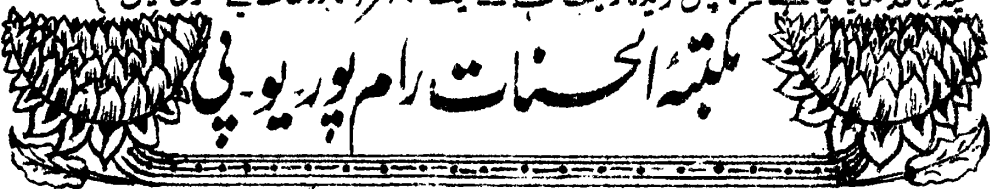
اکثر یہ سمجھا جاتا ہے کہ بڑی عمر کے لوگوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دینے کا نام "تعلیم بالغاں" ہے لیکن ہمارے نزدیک تعلیم بالغاں کا یہ نہایت ناقص مفہوم ہے۔ پڑھنا لکھنا دراصل تعلیم نہیں ہے بلکہ حاصل کرنے کا ایک ذریعہ ہے —— علم کیا ہے؟ ہمارے نزدیک اس سوال کا جواب یہ ہے کہ انسان کو کم از کم یہ معلوم ہو جائے کہ دنیا میں اس کے وجود کا مقصد کیا ہے اس سارے عالم اور خود اس کے پیدا کرنے والے سے اس کا کیا تعلق ہے۔ وہ اپنے کاموں کے لیے کس کے سامنے جوابدہ ہے اور یہ کہ ان کی ہدایت کا سرچشمہ کیا ہے اللہ کے بندوں تک ان سوالات کے صحیح جوابات پہنچا دینا اور اسی بنیاد پر اُن کی زندگیوں میں تبدیلی پیدا کر دینا ہی دراصل "تعلیم دینا ہے" اس تعلیم کے حاصل کرنے کے لیے لکھنا پڑھنا بھی ایک ذریعہ ہے۔ اس نقطہ نظر کو سامنے رکھ کر تعلیم بالغاں کے کام کو سہل کرنے کے لیے حسب ذیل کتابیں لکھی گئی ہیں جو بحمد اللہ بہت مقبول اور مفید ثابت ہوئی ہیں:۔

قاعدہ ۲ — **پہلی کتاب** ۲ — **دوسری کتاب** ۳ — **تیسری کتاب** ۳

ان سب کتابوں میں اُستاد کو وہ تمام موضوعات مل جاتے ہیں جن پر گفتگو کرنے کے بعد اپنے شاگردوں کو اسلام کی بنیادی تعلیم اور عقائد اچھی طرح بتائے جا سکتے ہیں۔ اس کے بعد

عبادت — ایک دلچسپ مکالمہ ہے جس میں تعلیم بالغاں کی صحیح اہمیت واضح کرنے کے ساتھ ساتھ عبادت کا صحیح مفہوم نہایت سادہ انداز میں دلنشین کرانے کی کوشش کی گئی ہے قیمت ۸/

نماز — اس سلسلے کی آخری کڑی ہے جس میں نماز میں پڑھی جانے والی دعاؤں کا مفصل ترجمہ بتانے کے ساتھ ساتھ نماز کی اصل روح سمجھائی گئی ہے —— قیمت ۸/ اس کتاب کے بعد طالب علم میں اتنی استعداد پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ دینی معلومات پر لکھی ہوئی آسان کتابیں خود پڑھ سکے، اس سٹ کی مدد سے آپ بھی کچھ بندگانِ خدا کی خدمت کرنے کا موقعہ تلاش کریں۔

منیجر مکتبہ الحسنات رامپور۔ یو۔ پی

نوٹ: پاکستان میں مکتبہ الحسنات کی جملہ کتابیں (۱) دفتر چراغ راہ ۹۔ لوٹیا بلڈنگ آرام باغ کراچی یا (۲) دفتر کوثر گوالمنڈی لاہور سے طلب فرمائیں۔ منیجر

کہانیوں کی کتابیں

کیوں بھئی تم نے کوئی بچہ ایسا بھی دیکھا ہے جس کو کہانیوں کا شوق نہ ہو؟ ہمیں تو کوئی ایسا بچہ ملا نہیں۔ ہمیں امید ہے کہ تم کو بھی کہانیوں سے شوق ہوگا۔ لیکن بھئی دیکھو کھانے کا شوق کسے نہیں مگر گندگی تو کوئی نہیں کھاتا۔ کھانے سے پہلے یہ دیکھو کہ کیا کھا رہے ہو۔ اسی طرح پڑھنے سے پہلے یہ دیکھو کہ کیا پڑھ رہے ہو۔ ہمیشہ اچھی کتابیں پڑھو اچھی کتابیں تمھیں اچھا انسان بنا دیں گی۔ اچھی کہانیوں کی کتابیں یہ ہیں:

۱۔ **انسان کی کہانی** } اس زمین پر انسانی اخلاق اور تہذیب تمدن کے آثار چڑھاؤ کا ایک نہایت دلچسپ خاکہ جس کو پڑھ کر تم یہ فیصلہ کر سکو گے کہ انسان جانوروں کی نسل سے ہے یا دنیا کا پہلا انسان نہ صرف یہ کہ نبی بلکہ خدا کا خلیفہ تھا۔ قیمت ۱۲؍

۲۔ **غار والے** } اصحاب کہف کا قصہ اور حضرت یونس علیہ السلام کا واقعہ تم کو ان سے کیا نصیحت ملتی ہے قیمت ۵؍

۳۔ **گاؤں والے** } اصحاب القریہ کا واقعہ تمہارے لیے ایک سبق اور نصیحت قیمت ۵؍

۴۔ **سنیچر والے** } "اصحاب السبت" کا واقعہ موجودہ زمانے میں مسلمان رہنے کے لیے ایک مفید نصیحت۔ قیمت ۵؍

۵۔ **کون ہے راجہ؟** دو دلچسپ اور سبق آموز کہانیوں کا مجموعہ قیمت ۵؍

۶۔ **سدھار کی سبیل** بچوں کے لیے مفید اور کارآمد مشورے قیمت ۴؍

۷۔ **ہاضمے کا چورن** } ایک دلچسپ اور سبق آموز تمثیل قیمت ۵؍

۸۔ **شاہین** ۔ ایک سبق آموز کہانی ۔ قیمت ۴؍

ان کتابوں کے ٹائٹل بڑے خوبصورت ہیں تم انھیں دیکھ کر ضرور پسند کرو گے

منیجر مکتبہ الحسنات رام پور یو۔ پی

نوٹ: پاکستانی بچے ان کتابوں کو (۱) مکتبہ فلاح انسانیت۔ ۹۔ یوٹیا بلڈنگ آرام باغ کراچی یا (۲) دفتر کوثر گوال منڈی لاہور سے منگائیں۔

الحسنات میں اشتہار دینا آپ کی تجارت کے لیے مفید ہوگا۔ الحسنات ہر مہینے میں دو بار ہندوستان اور پاکستان کے ہزاروں گھرانوں میں پڑھا جاتا ہے آپ بھی آزمائش کریں۔ الحسنات کے ذریعے آپ اپنی بات ہر پندرھویں دن کم از کم پندرہ ہزار افراد تک پہنچا سکتے ہیں۔

پورا صفحہ ایک بار	نصف صفحہ ایک بار	چوتھائی صفحہ ایک بار
چالیس روپے ۴۰	بیس روپے ۲۰	دس روپے ۱۰

۶ ماہ یا ۱۲ رسائل میں مسلسل اشتہار دینے پر پچیس ۲۵ فیصدی تخفیف بھی کی جا سکتی ہے۔

منیجر الحسنات رام پور یو۔ پی

Reged. No. A -306 "ALHASANAT" RAMPUR, U. P.

مسلمان بننے اور مسلمان رکھنے کی جد و جہد میں خواتین کی ذمے داریاں کیا ہیں؟

- اسلامی زندگی کو بر روئے کار لانے کیلئے خواتین کس طرح مردوں کی شریک کار بن سکتی ہیں؟
- مسلمان گھرانوں میں اسلامی روح کی بیداری کا کام خواتین کس حد تک اور کس طرح انجام دے سکتی ہیں؟

(۳) اس کتاب میں انہی باتوں کا جواب دینے کی کوشش کی گئی ہے توقع ہے کہ یہ کتاب خواتین میں احساس عمل اُبھارنے کے ساتھ ساتھ ان کے سامنے ان کے اپنے میدان عمل کا ایک واضح نقشہ بھی پیش کرے گی۔

ظاہری حسن کے لحاظ سے بھی کتاب دیدہ زیب ہے۔ قیمت ۱۲؍

ملنے کا پتہ: مکتبہ الحسنات رامپور۔ یو۔پی

سنہ ۱۹۵۰ء
ان الحسنات یذھبن السیئات
بلاشبہ نیکیاں برائیوں کو دور کرتی ہیں
الحسنات
رام پور

جلد — نمبر ۳

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مہینے میں دو بار شائع ہونے والا

رسالۂ

الحسنات

رام پور

جو مسلمان گھرانوں کی اصلاح کے لیے بہت مفید ثابت ہوا ہے

اگست ۱۹۵۰ء

مدیر: ابو سلیم محمد عبد الحی

چندہ
سال بھر کے لیے ۲۴ رسالے ــــ پانچ روپے آٹھ آنے
چھ ماہ کے لیے ۱۲ رسالے ــــ تین روپے
فی کاپی ــــ چار آنے

فہرست مضامین

محمد عبد الحی طابع و ناشر نے مرتضیٰ برقی پریس رام پور سے چھپوا کر دفتر الحسنات رام پور (یو۔پی) سے شائع کیا

احساسات

آپ جانتے ہیں "امام" کسے کہتے ہیں؟ کم از کم نماز کے امام کو تو جانتے ہی ہوں گے وہ شخص جو سب سے آگے کھڑا ہو کر لوگوں کو نماز پڑھاتا ہے اُسے امام کہتے ہیں۔ دراصل ہر وہ شخص جو پیشوائی کرے اور لوگوں کو کسی خاص طریقے یا راستے پر چلائے۔ اُسے امام ہی کہتے ہیں۔ اگر کوئی شخص اچھے طریقے اور سیدھے راستے پر لوگوں کو چلاتا ہے تو وہ اچھا امام ہے اور اگر وہ بُرائی کی طرف لے جاتا ہے اور غلط راستوں پر لوگوں کو چلاتا ہے تو وہ بُرا امام ہے۔

دُنیا میں زندگی بسر کرنے کے جتنے طریقے بھی لوگوں نے اختیار کر رکھے ہیں اُن کا کوئی نہ کوئی امام ہے۔ جس شخص نے پہلی بار کوئی طریقہ نکالا اور لوگوں کو اُس پر چلنے کے لیے تیار کیا وہی اس طریقے کا امام کہا جائے گا۔ اور جو لوگ اس طریقے پر چلیں گے وہ اس کے پیرو کہلائیں گے۔

انسان اس زمین پر زندگی کیسے گذارے؟ کیا کام کرے؟ اور کیا نہ کرے؟ کن باتوں کو اختیار کرے اور کن کو چھوڑ دے؟ ان سب سوالوں کا جواب دینا اُس ذات کے ذمّے ہے جس نے انسان کو اور اس دُنیا کو بنایا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے انسان حضرت آدم علیہ السلام کو اپنا نبی بنایا۔ انھیں صاف صاف بتایا کہ انھیں دُنیا میں کس طرح رہنا ہے۔ کیا کام کرنا ان کے لیے اچھا ہے اور کیا بُرا۔ اس کے بعد جب بھی لوگ زندگی گزارنے کا صحیح طریقہ بھول گئے اور غلط طریقوں پر چلنے لگے اللہ تعالیٰ نے پھر اپنا کوئی نبی بھیجا اور لوگوں کو زندگی کا صحیح راستہ بتایا۔

اللہ کے بھیجے ہوئے سب نبی اور رسول لوگوں کو ٹھیک ٹھیک باتیں بتاتے تھے اور انھیں زندگی بسر کرنے کا صحیح راستہ دکھاتے تھے۔ جو لوگ ان کا طریقہ قبول کر لیتے تھے اور اُن کی بتائی ہوئی راہ پر چلتے تھے وہ نبی ان سب کے امام ہوتے

تھے اس دُنیا میں صرف یہی امام ایسے ہیں جو سیدھی راہ پر چلانے والے ہیں۔ ان کے راستے سے ہٹ کر اور ان کی بتائی ہوئی باتوں سے مُنہ موڑ کر جو کوئی بھی کسی راستہ کی طرف لوگوں کو بُلاتا ہے وہ غلط راستے کا امام ہے۔

سب سے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایسے امام ہیں جن کی پیروی قیامت تک ضروری ہے۔ آپ کے بعد صرف وہی لوگ سچے امام کہلائے جاسکتے ہیں جو لوگوں کو آپ کے ہی بتائے ہوئے طریقے کی طرف بلائیں۔ اس کے سوا جو کوئی بھی لوگوں کو کسی اور راستے کی طرف بلاتا ہے وہ صحیح نہیں ہے۔

آج دُنیا میں زندگی بسر کرنے کے لیے بے شمار طریقے ہیں اور ہر طریقے کا کوئی نہ کوئی امام ہے۔ رہن سہن کے طریقوں کے امام الگ ہیں، سیاست کے امام علیحدہ ہیں، دولت کمانے اور صرف کرنے کے طریقوں کے امام جُدا ہیں غرض یہ کہ بے شمار طریقے ہیں اور بے شمار امام ــــــ مسلمان کے لیے یہ سوال بہت اہم ہے کہ وہ ان اماموں میں سے کس کی پیروی کرے۔

بعض کم سمجھوں نے انسان کی زندگی کو مختلف حصّوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ اور ہر حصّے کے لیے وہ علیحدہ امام کی پیروی کی دعوت دیتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ مذہبی زندگی انسان کی دُنیاوی زندگی سے کچھ علیحدہ ہے۔ اس لیے مذہبی زندگی کا امام جسے چاہے بنا لو لیکن رہن سہن کے طریقوں میں، سیاست میں اور روپیہ کمانے اور صرف کرنے کے طریقوں میں دوسروں کو "امام" بناؤ ــــــ یہ لوگ مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ تم اپنی نماز روزے کے طریقوں میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اگر امام بناتے ہو تو بنالو لیکن باقی زندگی اور اُس کے طریقوں میں دوسرے لوگ امامت کے لیے موجود ہیں۔ ان میں کوئی اسٹالین کا نام لیتا ہے تو کوئی گاندھی کی طرف بُلاتا ہے کسی کو چرچل اور ٹرومین کی سیاست پسند ہے تو کوئی قائدِ اعظم اور پنڈت جواہر لال کا لوہا ماننے ہوئے ہے۔

اسلام کی نظر میں زندگی کی یہ تقسیم غلط ہے۔ آپ جانتے ہی ہیں کہ اسلام کے معنی ہیں سونپ دینا اور اطاعت قبول کرلینا۔ اسلام انسان کی پوری زندگی کو اللہ کی اطاعت میں دے دینے کا نام ہے اس کا مطالبہ یہ ہے

کہ انسان اپنے آپ کو پورا کا پورا اللہ تعالیٰ کو سونپ دے ـــــــ اس لیے مسلمان کا کسی معاملے میں بھی دوسروں کو امام بنانا ٹھیک نہیں۔ اس کی پوری زندگی کے 'امام' حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، یا وہ لوگ ہیں جو آپ کے لائے ہوئے طریقے کی طرف لوگوں کو بلائیں ـــــــ جو شخص اپنی زندگی کے جتنے حصے میں دوسروں کو امام بنائے گا وہ اتنا ہی اسلام سے باہر سمجھا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ قیامت کے دن بھی لوگ اپنے اپنے 'اماموں' کے اعتبار سے ہی الگ الگ گروہوں میں تقسیم ہو جائیں گے ـ ہر ہر شخص کو اپنے 'امام' کے ساتھ حاضر کیا جائے گا۔ اب ظاہر ہے کہ جس شخص نے اپنی زندگی کے لیے کئی امام بنا رکھے ہوں گے اُس کو معلوم نہیں وہاں کیسی مشکل درپیش ہوگی۔

جن لوگوں کو یہ یقین ہے کہ وہ ایک دن اپنے مالک کے حضور پیش کیے جائیں گے اُنھیں یہ کوشش کرنا چاہیے کہ اُن کی پیشی ایسے امام کے ساتھ ہو جس کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہو ـــــــ اور ایسا جب ہی ہو سکتا ہے کہ جب وہ سوچ سمجھ کر اپنی پوری زندگی کو اللہ کے بھیجے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے طریقے پر گذاریں۔ اور انھیں لوگوں کو اپنی پوری زندگی کا 'امام' بنائیں جو آپ کے ہی لائے ہوئے طریقوں پر چلنے کے لیے لوگوں کو بلاتے ہوں۔

جو لوگ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے طریقوں کی پرواہ نہیں کرتے اور لوگوں کو اس کے علاوہ کسی اور طرف بُلاتے ہیں وہ ہرگز اس قابل نہیں کہ کوئی مسلمان اُن کے بنائے ہوئے اصولوں پر اپنی زندگی گذارے چاہے دُنیا اُنھیں کیسا ہی بڑا مہاتما اور کتنا ہی بڑا انسان کیوں نہ مانتی ہو۔ مسلمان کو ڈرنا چاہیے کہ کہیں قیامت کے دن اس کی پیشی اُن غلط 'اماموں' میں سے کسی امام کے ساتھ نہ ہو جائے ـــــــ

آپ کو یہ سُن کر خوشی ہوگی کہ بچّوں کے لیے آسان زبان اور ہندی رسم الخط میں جو رسالہ ادارۂ الحسنات کی جانب سے شائع ہونے والا تھا وہ شائع ہونا شروع ہوگیا ہے۔ عام طور پر اس رسالے کو مُفید پایا گیا ہے اور اسکولوں میں پڑھنے

لے لڑکے اور لڑکیاں اسے بہت پسند کر رہی ہیں۔ اس رسالے کا نام اب
جالا ہی ہے کمل نہیں۔ لبعض مجبوریوں کی وجہ سے اس کا یہی نام رکھا گیا ہے۔
اب ہندوستان میں رہنے والے حسناتی بہنوں اور بھائیوں کا فرض ہے
وہ اُجالا پھیلانے میں ہمارا ہاتھ بٹائیں۔ جس حلقے میں الحسنات پڑھا جاتا ہے
ں تو ہندی کے رسالے اُجالا کے پڑھے بغیر بھی کام چل سکتا ہے۔ دین کی
ت سی باتیں انھیں الحسنات سے معلوم ہوتی رہتی ہیں۔ لیکن وہ بچے جو الحسنات
یں پڑھتے ہیں اور اسکولوں میں تعلیم پا رہے ہیں اُن کے لیے اُجالا بہت
روری ہے۔ آپ کو معلوم ہی ہے کہ اسکولوں کی تعلیم کو اسلامی تعلیم سے
ی واسطہ نہیں۔ صرف اسکول میں پڑھ کر کسی مسلمان بچے کو اپنے دین اور مذہب
بارے میں کچھ بھی معلوم نہ ہوگا۔ بلکہ اُلٹا یہ ڈر ہے کہ اسلامی تعلیم کے
اف بہت سی باتیں اس کے سامنے آئیں گی اور وہ بے چارہ بے جانے بوجھے
سلام سے دور ہوتا چلا جائے گا۔ ایسے لڑکوں تک اُجالا پہنچانا بہت ضروری
ہے۔ آپ جہاں تک ممکن ہو ایسے لڑکوں کے والدین کو اور خود اُن لڑکوں کو
ں پر آمادہ کریں کہ وہ مسلسل اُجالا پڑھا کریں۔ اُجالا پڑھنے والوں میں ان شاء اللہ
سلام کو جاننے اور اللہ کے دین پر قایم رہنے کی آرزو ضرور پیدا ہوگی اور
ں طرح ہمیں امید ہے کہ ہماری آنے والی نسلیں اللہ کی سب سے بڑی نعمت
سلام سے محروم نہ ہونے پائیں گی۔
اللہ تعالیٰ ہماری کوششوں میں خلوص عطا فرمائے اور انھیں قبول فرمائے۔

آپ کے لیے دوسری خوشی کی بات یہ ہے کہ اللہ کے فضل و کرم سے
ب رسالت نمبر کی تیاری زوروں سے ہورہی ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ
د ہی ہم اس کی اشاعت کی تاریخ کا اعلان کردیں گے۔ بس صرف اچھے
مضامین جمع ہو جانے کا انتظار ہے۔

ـالت نمبر کی تاریخ اشاعت کے اعلان کا انتظار کیجیے۔ "اڈیٹر"

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قَالُوْا يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ؕ اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ ○

(سورۂ ہود۔ رکوع ۸)

اُنھوں نے جواب دیا۔" اے شعیب! کیا تیری نماز تجھے یہ سکھاتی ہے کہ ہم ان سارے معبودوں کو چھوڑ دیں جن کی پرستش ہمارے باپ دادا کیا کرتے تھے؟ یا یہ کہ ہم کو اپنے مال میں اپنے منشاء کے مطابق تصرف کرنے کا اختیار نہ ہو؟ بس تو ہی تو ایک عالی ظرف اور راست باز آدمی رہ گیا ہے!" (تفہیم القرآن)

تشریح

(۱) دین دُنیا کے کاموں کو الگ الگ سمجھنا کوئی آج کی نئی بات نہیں ہے۔ آج سے ساڑھے تین ہزار برس پہلے حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم بھی اسی مرض میں مبتلا تھی۔ ان کا خیال بھی یہی تھا کہ دین داری ایک علیحدہ چیز ہے اور دُنیا کے معاملات اس سے بالکل جُدا ہیں۔

ان لوگوں نے جب شعیب علیہ السلام کی یہ نصیحت سُنی کہ انھیں اپنے لین دین کے معاملات کو ٹھیک کرنا چاہیے تو انھیں یہ بڑی عجیب بات معلوم ہوئی اُنھوں نے کہا کہ کیا نماز پڑھنے کا مطلب تمھارے نزدیک یہ ہے کہ ہم اُن سب طریقوں کو چھوڑ بیٹھیں جو ہمارے باپ دادا سے ہوتے چلے آئے ہیں۔ نماز پڑھنا دین داری ہے، یہ ایک علیحدہ چیز ہے اور باپ دادا کے طور طریقوں کو باقی رکھنا بالکل دوسری چیز ہے۔ اس کا تعلق

دُنیا داری سے ہے۔ آخر کسی شخص کے دین دار ہونے کا مطلب یہ کیوں ہو کہ اس کی پوری زندگی کے کاموں پر اس کے دین کا قبضہ ہو جائے۔ نماز پڑھنا ہے تو پڑھ لی جائے مگر اپنے اپنے رسم و رواج کو چھوڑنا کیا ضروری ہے۔
پھر یہ کہ یہ مال و اسباب ہمارا ہے۔ تجارت ہماری ہے، لین دین کے معاملات ہمارے ہیں، ہمیں پورا اختیار حاصل ہونا چاہیے کہ جس طرح جی چاہے کریں نماز پڑھنے کا نتیجہ یہ کیوں ہونا چاہیے کہ ہم اپنے مال و اسباب میں بھی اپنی خواہش کے مطابق تصرف نہ کر سکیں۔ دین کا حکم بس دین داری کی باتوں میں (مثلاً نماز، روزہ، وغیرہ) ماننا کافی ہے۔ رہ گئے ہمارے معاملات ان میں ہمیں آزادی ہونا چاہیے کہ جو جی چاہے کریں۔
(۲) آپ نے دیکھا بگڑی ہوئی قوموں کا مزاج کس قدر یکساں ہوتا ہے حضرت شعیب علیہ السلام کی بگڑی ہوئی قوم کی باتیں ایسی معلوم ہوتی ہیں جیسے آج کل کے لوگوں کی باتیں ہوں۔ اسلام کا مطالبہ یہ ہے کہ اللہ کی غلامی اور بندگی کے سوا جو طریقہ بھی ہے وہ غلط ہے اس کی پیروی نہ کرنا چاہیے۔ لیکن اس کے خلاف لوگوں کا مطالبہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اس طریقے کی پیروی کریں گے جو ان کے بڑے بوڑھوں سے ہوتا چلا آیا ہے، چاہے اس کے لیے کوئی دلیل اور سند ہو یا نہ ہو۔ اسی طرح اسلام یہ چاہتا ہے کہ زندگی کے سارے معاملات اللہ کی ہدایت اور اُس کے قانون کے ماتحت ہونا چاہییں۔ لیکن اس کے برخلاف لوگ یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کی بندگی بس صرف ایک محدود مذہبی دائرے میں ہونا کافی ہے۔ اس کے سوا آپس کے تعلقات، روزی کمانے کے طریقے، حکومت کرنے کے ڈھنگ اور زندگی کے دوسرے معاملات میں مذہب کو کوئی دخل نہ ہونا چاہیے۔
(۳) جو لوگ خدا سے غافل ہوتے ہیں اور گناہوں اور بُرے کاموں میں پھنسے رہتے ہیں اُن کے سامنے جب کوئی شخص نماز پڑھنے لگتا ہے تو وہ اُسے ایک خطرہ جانتے ہیں۔ ان لوگوں کی نظر میں دین داری ایک خطرناک مرض ہے وہ جانتے ہیں کہ دین داری کے آتے ہی وہ آزادی ختم ہو جاتی ہے جو ایک

خدا سے غافل اور گناہ گار آدمی کو اپنے روزانہ کے کاموں میں حائل ہو رہے۔ یہاں حلال و حرام اور جائز و ناجائز کی قیدیں ہوتی ہیں بالکل من مانی کا کوئی موقع باقی نہیں رہتا۔ اس لیے یہ لوگ جب کسی کو نماز اور عبادات کا پابند دیکھتے ہیں تو تاڑ لیتے ہیں کہ اب یہ شخص دین دار ہو رہا ہے اور اس کے بعد یہ ہمارے تمام بُرے کاموں پر تنقید کرے گا اور ہمیں اُن سے روکے گا۔ اس لیے یہ لوگ دین داری کی تمام باتوں کا خوب مذاق اُڑاتے ہیں۔ خاص طور پر نمازی پر خوب طعنوں کی بوچھار کرتے ہیں ـــــــ یہی انداز حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کا بھی معلوم ہوتا ہے۔ وہ ایک طرف تو آپ کو نماز پڑھنے کا طعنہ دیتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ بس ایک آپ ہی تو پارسا اور نیک بن کر آئے ہیں۔ اس طعنہ دینے سے ان کا مطلب یہی ہے کہ وہ اپنے بد اخلاقی کے کاموں اور معاملات کی خرابی پر کسی تنقید سے پہلے ہی تنقید کرنے والے کا مُنھ بند کرنا چاہتے ہیں۔

ایسے موقع پر ایک سچے مسلمان کا طریقہ کیا ہونا چاہیے؟ یہ بات آپ کو حضرت شعیب علیہ السلام کے جواب سے معلوم ہوگی جو آپ انشاء اللہ تعالےٰ آئندہ رسالے میں پڑھیں گے +

جناب سعیدہ اقبال صاحبہ

گردوپیش

"بھئی شکیل تمہارے منہ میں خاک، آج تو زینت بیگم نے کمال ہی کر دیا۔ کیا ظالم گلا پایا ہے۔ میں کہتا ہوں اگر اسے کوئی اچھا اُستاد مل جائے تو ہندوستان کی بہترین گانے والیاں اس کی خاک کو بھی نہ پہنچ سکیں۔"

یہ بھائی جان کی آواز تھی اور شمال کی طرف سے آرہی تھی۔ مخاطب بھی کوئی غیر نہ تھے بلکہ بھائی جان کے چچیرے، میرے اور بھیپھیرے بھائی تھے۔ میں مضمون لکھتے لکھتے چونکی۔ اس مانوس آواز نے میرے خیالات منتشر کر دیے۔ یہ کوئی نیا واقعہ نہ تھا۔ میں جب بھی کام کرنے لگتی ہوں، ان بے فکروں کے قہقہے اور بے معنی باتیں مجھے اکثر ڈسٹرب کرتی رہتی ہیں۔ بہتیری کوشش کرتی ہوں کہ اپنے کام میں دھیان رکھوں، آخر مجھے ان کی گفتگو سے کیا واسطہ؟ مگر اتنے شور و غل میں میرے لیے کام جاری رکھنا مشکل ہو جاتا ہے۔

ہمارا گھر ایسی جگہ واقع ہے جہاں چاروں طرف شور و غل کی کمی نہیں۔ مغربی سمت میں ایک انگریز صاحب بہادر تشریف فرما ہیں۔ اس لیے جو شخص مغرب کی طرف کے کسی کمرے میں رہے گا وہ لکھنے پڑھنے میں تو نہیں ہاں کتوں کی بولی سمجھنے میں خوب ماہر ہو جائے گا۔

مشرق میں ایک صاحب ہیں جو آج تک یہی سمجھتے ہیں کہ انھیں اللہ تعالیٰ نے صرف ریڈیو سننے کے لیے پیدا کیا ہے۔ آپ کچھ اتنے فراخ دل واقع ہوئے ہیں کہ چوبیس گھنٹے فل سپیڈ پر ریڈیو بجاتے ہیں تاکہ نہ صرف ہمسائے بلکہ محلے والے بھی اس سے فائدہ اُٹھائیں اور علیحدہ علیحدہ ریڈیو لگا کر اپنا خرچ نہ بڑھائیں۔ کون کہتا ہے کہ مسلمانوں میں اجتماعی شعور کی کمی ہے؟۔ جنوب کی طرف کوئی مہاجر ہیں جن کے ماشاءاللہ چھ سات بچے ہیں۔ یہ گھرانہ بھی خاص قسم کا ہے۔ بچے صبح صبح اُٹھ کر ایک دوسرے کو نہایت سلیس اور منجھی ہوئی گالیاں دے کر دن کا افتتاح کرتے ہیں۔ شروع شروع

میں تو میرا خیال تھا کہ بچے ماں باپ کے کہے میں نہیں اس لیے گالیوں کے عادی ہوگئے ہیں۔ مگر ایک روز یہ غلط فہمی بھی دور ہوگئی۔ ہوا یوں کہ ایک دن میں وہاں ملنے کے بہانے گئی، خیال تھا، موقعہ ملا تو بچوں کی گالیوں کا بھی ذکر کرکے بتاؤں گی کہ یہ بُری عادت ہوتی ہے۔ مجھے وہاں بیٹھے چند منٹ بھی نہ گزرے تھے کہ ایک چھوٹا سا، مُنا سا، گول مٹول لڑکا نمودار ہوا، اور نہایت بے تکلفی سے اپنی والدہ ماجدہ کی خدمتِ اقدس میں ایک بڑی سی گالی پیش کی، جو اُنھوں نے نہایت خندہ پیشانی سے قبول کی۔ میں تو دانتوں میں اُنگلی داب کر رہ گئی۔ مگر ماں نے بھاگ کر بچے کو پکڑ لیا اور مُنھ چُوم کر بولیں: "تبا میرے لال ابا کو بھی یہی گالی دے آ پھر میں تجھے پھیار والا پیسہ دوں گی۔" بچہ پاؤں کے نیچے جنت رکھنے والی ماں کا حکم بجا لانے کے لیے فوراً تیار ہوگیا۔ اور دو تین سیکنڈ کے بعد بچے نے اونچی آواز میں پھر اُسی گالی کو دُہرایا، اور ماں باپ نے ایک ساتھ قہقہہ بلند کیا۔ میں بس دنگ ہی تو رہ گئی۔ گھر سے تھوڑی دیر کے لیے اجازت لے کر آئی تھی اس لیے جلد ہی واپس چلی گئی۔ شمال کی جانب ہماری ایک دور کی خالہ اور اُن کے میاں رہتے ہیں، اُن کے دو لڑکے ہیں اور بس۔ وہاں چونکہ کسی قسم کی روک ٹوک نہیں اس لیے وہ گھر بے فکروں کی بیٹھک بن کر رہ گیا ہے اس منڈلی کے بیشتر ممبروں کی عمریں بیس اور ستائیس کے درمیان ہیں۔ یہاں ہر قسم کی تازہ خبریں، گانے مذہب و حکومت پر گرما گرم بحثیں اور حالاتِ حاضرہ پر تبصرہ سُنا جا سکتا ہے۔ بدقسمتی سے میرا کمرہ اسی طرف ہے۔ ان کے شور و غل سے میرے کام میں بڑا ہرج ہوتا ہے۔ میں نے بھائی جان کو کئی دفعہ سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ مگر انھیں اس بات پر پختہ یقین ہوچکا ہے کہ خدا نے دو کان صرف اس لیے دیے ہیں کہ ایک سے سُنا جائے اور دوسرے سے نکال دیا جائے۔ تاش کھیلنا تو بس ان پر ختم ہے۔ کئی دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ ہفتہ کی رات کو تاش شروع ہو کر اور پیر کی صبح تک لگاتار کھیلا جاتا رہا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا، ان کے پاس اتنا وقت کہاں سے نکل آتا ہے! ہر تیسرے دن تاش کی ایک ڈبیا باہر پھینکی جاتی ہے۔ جس کے پتے بار بار کھیلنے سے خراب ہوچکے ہوتے ہیں۔ ایک دن میں اخباروں کو ترتیب دیتے دیتے

کسی کام کے لیے باہر گئی آکر دیکھا تو کمرے میں کسی اخبار کا کوئی نشان نہ پایا۔ سخت گھبرائی کیونکہ ان میں سے کئی مضمون میں نے ابھی تک پڑھے بھی نہ تھے۔ کمرے کا کونہ کونہ چھان مارا گر اخبار ہوں تو ملیں۔ اتنے میں شمالی مکان سے قہقہوں کی آواز بلند ہوئی۔ کوئی کہہ رہا تھا "آج تو خدا کی قسم سخت دھوکہ کھا گئے ہم"۔ کچھ دیر بعد بھائی جان ہنستے ہنستے اندر داخل ہوئے۔ میں نے گھبرا کر اخباروں کا پوچھا تو نہایت اطمینان سے بولے، "وہ تو ہم نے بیچ ڈالے ہیں"۔ "بیچ ڈالے ہیں؟" میں نے تعجب سے دہرایا۔ "وہ کیوں؟" فرمانے لگے: "آج ہمارے پاس پھوٹی کوڑی بھی نہ تھی۔ تاش تنگ ہو چکا تھا۔ سوچا چلو ردی بیچ کر ہم تاش خرید لائیں ——" "کاش ان کی جگہ آپ کوئی اور کام کی بات سوچتے"۔ میرے منھ سے بے اختیار نکل گیا۔ سلام نے اور اس نے ہنستے ہوئے کہا: "ردی بیچ کر ہم نے دو آدمیوں کو تاش لینے بھیجا۔ مگر وہ ٹانگ اور سارنگی دیکھنے چلے گئے"۔ بھائی جان اس حرکت پر بہت خوش تھے اور ہنس ہنس کر لوٹن کبوتر بنے جا رہے تھے۔ میں کچھ کہنا چاہتی تھی مگر وہ کوئی بات سننے سے پہلے ہی کمرے سے جا چکے تھے تاکہ اور لوگوں کو بھی اپنے کرتوت کا مفصل حال سنا سکیں۔ تاش کھیلنا ہی نہیں بلکہ گھڑا بجانا بھی ان کا محبوب مشغلہ ہے۔ رات کے جس وقت کسی کی آنکھ کھلے گھڑے کی آواز سن سکتا ہے۔ اگر کوئی سمجھانا چاہے کہ اس طرح صحت پر بھی برا اثر پڑتا ہے اور محلے والے بھی بے آرام ہوتے ہیں۔ تو جواب ملتا ہے۔ "خوشی سے ہی تو صحت ہوتی ہے۔ ہم خوش رہنا چاہتے ہیں اور رہتے ہیں اس لیے مہربانی کر کے ہماری صحت کی فکر کرنا آپ چھوڑ دیں۔ کہیں اس فکر سے آپ کی صحت خطرے میں نہ پڑ جائے۔ باقی رہا محلے والوں کا تو انھیں ہمارا ممنون ہونا چاہیے کہ بغیر تنخواہ کے تمام رات پہرہ دیتے ہیں"۔ اور پھر ایک بلند قہقہہ —— ایک دن خالہ کہہ رہی تھیں کہ تم سب مجھے میراثی معلوم ہوتے ہو۔ سب نے یک زبان ہو کر جواب دیا: "خدا نہ کرے ہم میراثی ہوں۔ ہم تو مجاہد ہیں مجاہد"۔ خالہ بولیں: "خدا سے ڈرو، مجاہد تم جیسے ہوتے ہیں، جنھیں نہ خدا کا پتہ ہے نہ رسول کا، صبح نگوڑا تاش شروع ہوا تو رات نے آن لیا۔ اور رات کو گھڑا بجنے لگا تو صبح ہو گئی۔ خود کو مجاہد کہتے شرم بھی نہیں آتی۔ سچ کہو

کبھی نماز بھی پڑھی ہے۔" ایک صاحب فرمانے لگے: "لو اور سنو! ابھی تو کل ہی کا واقعہ ہے شام کو پانچ بجے تک گھڑا بجایا' اور صرف نو بجے سے ایک بجے تک تاش کھیلا۔ صرف نو بجے سے ایک بجے تک بھر جو وضو کرکے بیٹھے ہیں تو ایک بج کر ایک منٹ تک مسلسل نماز پڑھتے رہے ہیں۔ اور کشمیر کے لیے صدق دل سے دعائیں مانگتے رہے ہیں۔" بھائی جان کو سمجھانے کی میں نے بہت کوشش کی کہ کم از کم وہ منڈلی سے نکل آئیں۔ مگر یہاں تو چکنے گھڑے پر بوند پڑی اور پھسل گئی۔ جتنی دیر میری باتیں سنتے اتنی دیر اثر لیتے جوں ہی اُٹھ کر ریڈیو لگاتے سب نصیحت خاک میں مل جاتی اور آپ پھر ویسے کے ویسے۔ آج بھی جب بھائی جان نے دُور سے زینت بیگم کے گانے کی تعریف کی تو سب بے فکروں نے ٹھنڈی آہیں بھریں کہ ہم اس نعمت سے محروم رہ گئے۔ میں تلملا اُٹھی اور یہ سب لوگ اسی قسم کی باتیں کرتے کرتے اپنی قیام گاہ میں پہنچ گئے۔ میں نے مضمون کا تسلسل قایم کرنے کی لاکھ کوشش کی مگر سب بے فائدہ' آخر قلم دوات پھینک کر چارپائی پر پڑ رہی۔ ان کی آوازیں صاف سنائی دے رہی تھیں۔ اس وقت آپ کشمیر کے مسئلے پر بحث فرما رہے تھے۔

نمبر ۱۔ میں کہتا ہوں یہ فیصلہ تلوار کرے گی ہم لوگ اپنی حکومت کی طرف دیکھتے ہیں۔ حکومت انگریزوں کی طرف یہ کم بخت انگریز ــــ..............

نمبر ۲ ــ ان ہندوؤں نے ہمیں سمجھ کیا رکھا ہے۔ ہماری پچھلی تاریخیں بہادری کے کارناموں سے اٹی پڑی ہیں۔" نمبر ۳۔ بھئی سنا ہے اُنھوں نے ایک گیس بنائی ہے جس سے بیماری کے جراثیم پھیل جاتے ہیں۔" نمبر ۴۔ خدا کی قسم اگر اُنھوں نے ایسی گیس استعمال کی تو میں سیدھا مشرقی پنجاب میں گھس جاؤں گا۔ اپنے علاقے میں تو وہ ایسی گیس استعمال نہیں کرسکتے نا! پھر ادھر قتلِ عام شروع کردوں گا

نمبر ۵۔ میں تو کہتا ہوں' خدایا مجھے بستر پر موت نہ دیجیو......شہادت کی موت...... تازہ تازہ خون.........نشہ آجاتا ہے واللہ اس کے متعلق سوچتے ہی ـــ

میں خوش ہو رہی تھی' آخر ان پر کچھ تو اثر ہو ہی گیا۔ خدا کرے کہ وہ ایسے ہی ہو جائیں' اور زینت بیگم کے گانے کی تعریف کرنے کی جگہ کوئی نماز

کی باتیں کریں، گھڑا بجانے کی جگہ قرآنِ پاک کی تلاوت کریں، تاش کھیلنے میں وقت ضائع کرنے کی جگہ اسلام کو سربلند کرنے کی جدو جہد کریں! تم چند منٹوں کے لیے ان کی پرانی باتیں بھول گئی —— نمبر۶- ہمارا برسرِاقتدار طبقہ بہت ہی نا اہل ہے۔ ہمیں قابل، لائق اور باعمل لوگوں کو اوپر لانا چاہیے نمبر۷- (ہنس کر) جس طرح ہم لوگ ہیں۔ اور فضا قہقہوں سے بھر گئی۔ ایک طرف سے آواز آئی: "چلو بھئی پھر گھڑا ہو جائے" سب نے ہاں میں ہاں ملائی اور اسی جگہ جہاں شہادت کی موت اور باعملی لوگوں کی ضرورت کی باتیں ہو رہی تھیں، گھڑا بجنے کی آواز آئی، اور ساتھ ہی "یار لگا دے گھریا دے"۔

میں گھبرا کر اُٹھ بیٹھی۔ اتنے میں خالہ کی آواز آئی: "اے بھئی نماز کا وقت ہے۔ لوگ نماز پڑھ رہے ہوں گے تم کیوں اس وقت اس شیطانی کام کو لے بیٹھے ہو۔ عورتوں کی طرح گھروں میں بیٹھنا چھوڑو۔ جاؤ باہر نماز پڑھو اور کوئی کام کرو۔" مگر ان کی آواز گھڑے کی تھاپ میں گم ہو کر رہ گئی۔ کچھ دیر بعد گھڑا بجنا تو بند ہو گیا مگر ایک نوجوان کہہ رہا تھا: "امی تم تو بس ہر وقت پیچھے ہی پڑی رہتی ہو ہمارا تو ہنسنا بھی تمہیں بُرا معلوم ہوتا ہے۔ تم تو چاہتی ہو کہ ہم رویا کریں۔ اور کمرہ پھر قہقہوں سے گونجنے لگا۔ خالہ جان گھبرا کر چلی گئیں اور اُنھوں نے پھر گھڑے پر ہاتھ مارا: شمشیر و سناں اول، طاؤس و رباب آخر۔

اور میں نے سوچا مگر یہاں تو طاؤس و رباب اوّل —— ہے۔

یہ ہے وہ گرد و پیش جو انگریز نے اپنے جانے کے بعد ہر گھر کے چاروں طرف چھوڑا ہے۔ اور یہ ہے وہ غلاظت جو وہ اپنے غلاموں کے اخلاق میں پُوری طرح گھول کر گیا ہے۔ اور جسے برقرار رکھنے اور فروغ دینے کی جد وجہد ہمارا حکمران طبقہ کر رہا ہے۔ کیا اس ماحول کو برقرار رکھتے ہوئے بھی اسلام کا ضابطۂ اخلاق پنپ سکتا ہے۔ یہ سوال ہر اُس شخص کے ذہن میں آتا ہے جو یہاں اسلام چاہتا ہے۔

(جہانِ نو)

الحسنات کا آئندہ خاص نمبر "رسالت" ہوگا

پہلے زمانے میں نہ تو کاغذ کے نوٹ چلتے تھے اور نہ بنک ہوتے تھے اس لیے لوگ اپنی دولت سونے کی شکل میں جمع کیا کرتے تھے۔ جو رقم ضرورت سے زیادہ ہوئی اُس کا سونا خرید کر رکھ لیا۔ سونے کے زیور بھی بنواتے تھے۔ اور یوں ہی ڈلیوں اور اینٹوں کی شکل میں زمین کے اندر دفن کر دیتے تھے —— ہر شخص کو اپنی اپنی دولت کی حفاظت خود کرنا پڑتی تھی اور اس صورت میں کبھی کبھی نقصان بھی اٹھانا پڑجاتا تھا۔

مغربی ملکوں میں لوگ اپنے اپنے سونے کو سُناروں کے پاس رکھوا دیتے تھے۔ یہ سُنار ہر امانت رکھنے والے کو اُس کے سونے کی رسید لکھ کر دے دیتے تھے اور ان امانت رکھنے والوں سے حفاظت کرنے کے بدلے کچھ معاوضہ بھی وصول کیا کرتے تھے۔

سُناروں کی دی ہوئی رسید میں یہ لکھا ہوتا تھا کہ کس سُنار کے پاس کتنا سونا جمع ہے اور اُس سونے کو ہر وہ شخص وصول کرسکتا ہے جس کے پاس اس سُنار کی دی ہوئی رسید موجود ہو۔ مثلاً اگر آپ نے سنار الف کے پاس ایک ہزار روپے کا سونا جمع کیا تو وہ آپ کو ایک ہزار روپے کے سونے کی ایک رسید یا چھوٹی چھوٹی کئی رسیدیں دے دے گا اور ہر رسید میں یہ لکھا ہوگا کہ اس رسید کو دکھانے پر سُنار الف اتنے روپے کا سونا واپس کر دے گا۔

فرض کیجیے آپ نے کسی شخص سے ایک ہزار روپے کا کوئی مال خریدا۔ آپ کے پاس جو رقم تھی وہ سُنار الف کے پاس سونے کی شکل میں جمع ہے۔ اب آپ کے لیے ضروری ہے کہ آپ سُنار سے اپنا سونا واپس لائیں اور جس شخص سے مال خریدا ہے اُس کو اُس کی رقم ادا کردیں۔ لیکن اگر مال بیچنے والا

اس بات پر راضی ہو جاتے کہ وہ رقم کے بدلے آپ سے ایک ہزار روپے کے
سونے کی رسید لے لیں اور اس طرح جو سونا الف کے پاس رکھا ہے وہ اب
آپ کی ملکیت ہو جائے تو آپ اس بات کو خوشی سے منظور کر لیں گے۔ آپ
اس تکلیف سے بچ گئے کہ سنار کے پاس جاتے اپنا سونا لاتے اور مال والے کو
ادا کرتے۔ مال والا اس دشواری سے بچ گیا کہ وہ آپ سے سونا لے کر کسی
سنار کے پاس پھر حفاظت کی خاطر جمع کرنے کے لیے جاتا ——— اس طرح یہ سناروں
کی رسیدیں لین دین میں روپے کی جگہ کام کرنے لگیں۔ یہ رسیدیں ایک ہاتھ سے
دوسرے ہاتھ میں اور دوسرے سے تیسرے ہاتھ میں جانے لگیں، لوگوں کے کام
چلنے لگے۔ اور سونا بدستور سنار الف کی تجوری رکھا رہا لوگوں کی سہولت کی وجہ
سے یہ رواج ترقی کرتا چلا گیا۔ سناروں کی رسیدیں سونے کا کام کرنے لگیں۔
اور لوگوں کی دولت رفتہ رفتہ سمٹ سمٹ کر سناروں کی تجوریوں میں پہنچنے
لگی، بازار میں روپے کے بدلے رسیدیں کام کرنے لگیں اور سونا سناروں کے
پاس جمع ہوتا گیا ——— بہت کم لوگ ایسے ہوتے تھے جن کو سونے کی ہی ضرورت
پڑتی اور وہ اپنا سونا واپس لیتے نہیں تو لین دین کے کام ان رسیدوں سے
ہی ہونے لگے۔

سناروں کو یہ تجربہ ہوا کہ ان کے پاس جو سونا امانت رکھا جاتا ہے لوگ
مشکل سے اس کا دسواں حصہ واپس لیتے ہیں باقی نو حصے سونا یوں ہی بے کار رکھا
رہتا ہے۔ کیوں کہ جب لوگوں کے کام رسیدوں سے چلتے رہتے ہیں تو وہ سونا کس لیے
واپس لیں۔ سناروں نے سوچا کہ وہ اس سونے سے کیوں کام نہ لیں۔ انھوں
نے چپکے چپکے اس سونے کو دوسرے ضرورت مندوں کو ادھار دینا شروع
کر دیا اور ان سے سود وصول کرنے لگے ——— ان لوگوں کے سامنے کوئی ایسا
اخلاقی قانون تو تھا نہیں جو انھیں دوسروں کی امانت میں خیانت کرنے سے
روکتا اور نہ ان کے لیے سود وصول کرنے میں ہی کوئی رکاوٹ تھی بس
انھوں نے لوگوں کی امانتوں کو دل کھول کر سود پر ادھار دینا شروع کر دیا اور
آہستے اس طرح کام میں لانے لگے جیسے یہ ان کی اپنی چیز ہو۔ ان سناروں کے

اس طرح بیٹھے بٹھائے مزے ہوگئے ادھر تو وہ امانت رکھنے والوں سے معاوضہ وصول کرتے تھے اُدھر وہ اُسی امانت کو سود پر چلا کر سُود وصول کرنے لگے۔ ان لوگوں کو کچھ کرنا دھرنا تو پڑتا نہیں تھا مگر پھر بھی ان کی آمدنی بے حد بڑھ گئی۔ ان کو کسی نقصان کا ڈر ہی نہیں تھا۔ لوگوں کو تجارت میں نفع ہو یا نقصان انھیں امانت رکھنے کا کرایہ اور روپیہ قرض دینے کا سُود ہر حال میں ملے گا۔

جب ان سُناروں کو اس طرح روپیہ اینٹھنے کا مزا پڑگیا اور انھیں یہ معلوم ہوگیا کہ بازار میں ان کی رسید کی بڑی ساکھ ہے تو انھوں نے ایک چالاکی اور کی۔ ان دغا بازوں نے لوگوں کو سونا قرض دینے کے بدلے اپنی رسیدیں دے دیں۔ ان رسیدوں کو لے کر لوگ بازار میں جاتے اور مال بے دھڑک خرید لیتے۔ لوگوں کو اطمینان تھا کہ جب چاہیں گے اس رسید کا سُونا فلاں سُنار سے لے لیں گے۔ حالانکہ جب ان کا کام ان رسیدوں سے ہی چلتا رہتا تھا تو انھیں سُونا واپس لینے کا کبھی موقع ہی نہ آتا تھا۔ اس طرح ان لٹیروں نے لوگوں کی مجبوریوں سے فائدہ اُٹھا کر محض کاغذ کے پرزوں پر خوب من مانا سود وصول کیا ——— آپ خود ہی سوچیے رفتہ رفتہ ان لوگوں کے پاس کس قدر دولت جمع ہوگئی ہوگی۔ اب یہ لوگ امانت رکھنے والے سُنار نہیں رہ گئے تھے بلکہ یہ لوگوں کا خون چوسنے والی جونکیں تھیں، جن کا پیٹ روز پھولتا جاتا تھا اور لوگوں کی گاڑھی محنت کی کمائی خواہ مخواہ ان کے پاس کھنچ کھنچ کر چلی آتی تھی۔

ان لوگوں نے فرضی رسیدیں جاری کرکے جھوٹ موٹ اپنی دولت کو بڑھا لیا اور اس جھوٹی دولت کو قرض کی صورت میں لوگوں کے سروں پر لاد دیا ——— حالانکہ نہ تو انھوں نے اس دولت کو کمایا تھا اور نہ وہ اس کے مالک تھے اور نہ سچ مچ وہ دولت کہیں موجود ہی تھی ——— دیکھا آپ نے یہ کتنا بڑا جال تھا اور کیسا فریب — آپ سوچ رہے ہوں گے کہ آخر کبھی نہ کبھی تو ان کی اس دغا بازی کا راز فاش ہوا ہی ہوگا۔ اور اس وقت انھیں اس دھوکے بازی کی پوری پوری سزا ملی ہوگی

اپنی جعل سازی کے بدلے جیل کی ہوا کھانا پڑی ہوگی ـــ مگر آپ کو سن کر تعجب ہوگا کہ ایسا نہیں ہوا۔ یہ لوگ رفتہ رفتہ سارے ملک کی ۹۰ فیصدی دولت یا اس سے بھی زیادہ کے مالک بن بیٹھے تھے۔ بادشاہ، امیر اور بڑے بڑے رئیس سب ان کے قرض دار تھے۔ ان لوگوں نے خود حکومت کو بڑے بھاری بھاری قرضے دے دیے تھے، اب کس کی مجال تھی کہ ان کے خلاف کوئی آواز نکال سکے، سب ان کے جال میں جکڑے ہوئے تھے۔ اب یہ سُنار سُنار نہیں رہے تھے۔ اب یہ بڑے بنکر اور ملک کے چوٹی کے سرمایہ دار بن گئے تھے۔ حکومت ان کے خلاف دھوکہ دہی کا مقدمہ تو کیا چلاتی اُس نے اُلٹا ان کا یہ حق مان لیا کہ وہ باقاعدہ نوٹ چلا سکتے ہیں اور ان کا چلایا ہوا نوٹ بازار میں وہی کام کرے گا جو تبادلے کے لیے چاندی اور سونے کا سکہ کرتا ہے۔

آپ نے اپنے ہاں کے نوٹ دیکھے ہوں گے۔ یہ سب ریزرو بنک آف انڈیا کے جاری کیے ہوتے ہیں۔ اربوں روپے کا لین دین ان کاغذ کے ٹکڑوں پر ہو رہا ہے اور آپ کی دولت یہی کاغذ کے پُرزے ہیں۔

کسی ملک کی دولت اگر کسی طرح سمٹ سمٹ کر کسی ایک جگہ جمع ہونے لگے تو اس ملک کو بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ وہاں غریبوں کی تعداد بڑھنے لگتی ہے۔ بے روزگاری عام ہوجاتی ہے۔ اور پھر وہ ساری خرابیاں پیدا ہونے لگتی ہیں جو مفلسی اور بے روزگاری سے پیدا ہوتی ہیں۔ اس کی تفصیل کہ یہ سب کس طرح ہوتا ہے انشاء اللہ کبھی آئندہ آپ کو بتائیں گے۔ اب تو آپ ایک بات پر غور کریں کہ ان سُناروں کی دغا بازی اور چالاکی نے ملک کے لیے جو پریشانیاں پیدا کردیں اور جس طرح یہ لوگوں کا مال ہڑپ کر کر کے سرمایہ دار بنتے چلے گئے اس کی وجہ ایک ہی ہے۔ اور وہ ہے **سُود** پر قرض لینا اور دینا۔ اگر ان لٹیروں کو یہ اجازت نہ دی جاتی کہ وہ لوگوں کو سُود پر قرض دے کر ان کا خون چوسیں تو اس بُرائی کی ابتدا بھی نہ ہوتی اور آج یہ نوبت نہ آتی کہ ملک کے تمام لوگوں

کی گردنیں چند بڑے بڑے سرمایہ داروں کے ہاتھ میں ہیں وہ جو چاہیں کریں کوئی اُن سے ٹکر لینے کی ہمت نہیں کرسکتا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی نظام میں سود کی ہر صورت قطعاً حرام ہے اور اسلامی قانون میں اسے بڑا سنگین جرم قرار دیا گیا ہے +
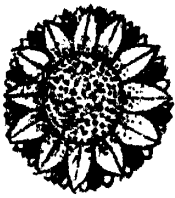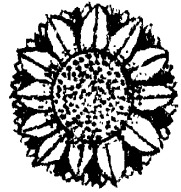
یوں تو اب الحسنات پڑھنے والے الحسنات کے لیے کثرت سے مضامین بھیج رہے ہیں، جن میں سے اکثر شائع بھی ہوتے رہتے ہیں۔ مگر ہم چاہتے ہیں کہ مضمون لکھنے کے اس شوق کی صحیح تربیت کی جائے۔ چنانچہ ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ مضامین کا عنوان ہم طے کریں گے اور ان پر جو لوگ بہترین مضمون بھیجیں گے ان کی ہمت افزائی کی جائے گی۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے آپ ایک عام معلوماتی مضمون لکھیں۔ جس میں سائنس کے مشاہدات اور مطالعۂ فطرت کے کسی موضوع پر آپ ایک مختصر مضمون لکھیں جو ۲ ہزار الفاظ سے زائد کا نہ ہو اور جس میں اسلام کی تعلیمات یا اسلام اور غیر اسلام کی تمیز، خالقِ کائنات کے تصور جیسے اہم پہلو کو نہایت مناسب اور فطری طور پر ظاہر کیا گیا ہو۔

منتخب مضامین شائع بھی کیے جائیں گے اور محض ہمت افزائی کے لیے صاحبِ مضمون کو دس روپے سے لے کر تیس روپے تک ہدیہ بھی پیش کیا کیا جائے گا۔ ہدیہ پیش کرنے اور مضامین کے انتخاب میں اڈیٹر کی رائے کو ہی معیار مانا جائے گا۔

مضامین الحسنات کے معیار اور ذوق کے مطابق ہونا چاہیے

کاغذ کے صرف ایک طرف صاف خط میں مضمون تحریر فرمائیے۔

اڈیٹر رسالۂ الحسنات۔ رامپور

جناب کپتان حیدر علی صاحب حیدر

بچوں کا مشاعرہ

صدر: اشعار سننے والو - خاموش بیٹھ جاؤ
اصغر حسین خالد اب شعر تم سناؤ

اصغر حسین خالد: اے خالقِ دو عالم اے رازق دو عالم
سوئی ہوئی ہے دُنیا بھٹکی ہوئی ہے دُنیا
تو اب اسے جگا دے اور راہِ حق دکھا دے
امن و اماں کے چشمے ہر سمت میں بہا دے
آہ و فغاں و نالے زائل جہاں سے کر دے
ایمان کے دیئے سے پھر دہر جگمگا دے
اللہ میاں ہمارے
اس التجا کو سُن لے

صدر: خیبر شکن قریشی اپنی جگہ سے آؤ
بانگِ جہاد اپنا اسٹیج پہ سناؤ

خیبر شکن قریشی: اسلام کے سپوتو کچھ کام کر دکھاؤ
باطل اُبھر رہا ہے باطل کا سر کچل دو
اللہ کے باغیوں کا نام و نشاں مٹا دو
بدبختگی کے چمن کو تم دفن کر کے رکھ دو
جور و جفا کے ایواں مٹی میں تم ملا دو
انصاف و عدل کو پھر دُنیا میں لا کے چھوڑو
کہتا ہے یہ قریشی
اُٹھو جہاں کو بدلو

صدر: احمد شریف طارق تشریف آپ لاؤ
اسلام کے سپاہی اونچے سروں میں گاؤ

احمد شریف طارق: توحید کے ترانے گاتا ہوا چلا چل
ارض و سما پہ بڑھکر چھاتا ہوا چلا چل
اسلام کے سپاہی
اسلام کے فدائی

طوفاں کی راہ پر تو اُڑتا ہوا چلا چل
بھوتوں سے تو اجل کے لڑتا ہوا چلا چل
اسلام کے سپاہی
اسلام کے فدائی

تیروں کی بوچھاڑ میں ہنستا ہوا چلا چل
منزل کی سمت اپنی بڑھتا ہوا چلا چل
اسلام کے سپاہی
اسلام کے فدائی

صدر: اسلام ہو درخشاں اس نظم کا ہے عنواں
یہ وقت کا ہے فرماں انسانیت ہو خنداں
گلشنِ ستم ہو ویراں شیطانیت ہو گریاں
نابود ہوں جہاں سے فرعون اور ہاماں
آرام اور راحت امن و سکوں ہو رقصاں
شیدائے دینِ حق ہوں بھٹکے ہوئے یہ انساں
بزمِ جہاں میں قرآں ہو شمع ساں فروزاں
پیدا ہوں پھر جہاں میں بوبکرؓ و عمرؓ و عثماںؓ
زردار ہوں کہ بے زر آپس میں سب ہوں یکساں
اسلام ہو درخشاں
ایماں ہو پھر سے تاباں
تب ہی تو ہے یہ ممکن ہر درد کا ہو درماں
انساں چھڑک رہا ہو انسانیت پہ افشاں

محمد عبدالکریم صاحب سمان حیدرآبادی

اچھّا حمید

"بی بی نمک ختم ہو چکا ہے" ماما نے کہا۔ حمید کی ماں ساجدہ نے کہا: "ابھی منگاتی ہوں" یہ کہہ کر وہ اپنے کمرے میں گئی صندوق کھولا اور چار آنے لا کر خواجہ حسین کو آواز دی، خواجہ حسین حمید کا پُرانا اور بوڑھا نوکر تھا، وہ کبھی کبھی بیمار ہو جایا کرتا۔ اتفاق سے آج اُس کی کمر میں درد ہو رہا تھا۔ جب اُس نے ساجدہ کی آواز کو سُنا تو گھبرا کر آیا اور کہا: "کیا حکم ہے بیگم صاحبہ" ساجدہ نے جب اُس کے ہاتھوں اور پیروں کو کانپتا ہوا اور اُس کے چہرے کو اُترا ہوا دیکھا تو کہا: "کچھ نہیں، تم جاؤ آرام کرو۔"

دن کے کوئی ایک بجے کا وقت ہوگا۔ ساجدہ حمید کے کمرے میں داخل ہوئی۔ حمید اپنی کتابوں کو نکال کر اُن پر اخبار چڑھا رہا تھا۔ ماں کو آتا دیکھ کر اُٹھ کھڑا ہوا اور کہا: "اماں کیا کام ہے۔ آج آپ یہاں کیسے آگئیں؟"

"ہاں بیٹا ایک ضروری کام ہے تو سنو! نمک ختم ہو چکا ہے، کھانا پک رہا ہے۔ جاؤ چار آنے کا نمک پاس کی دُکان سے خرید لاؤ۔ خواجہ حسین کی کمر میں آج درد ہو رہا ہے۔"

حمید آگ بگولا ہو گیا، اور کہنے لگا: "کم بخت ہر وقت کسی نہ کسی بیماری میں مبتلا رہتا ہے۔ مر کیوں نہیں جاتا۔ دو دن سے میں ہی سودا لا رہا ہوں۔ آخر نوکر کس مرض کی دوا ہے۔ میں کام سے نہیں گھبراتا۔ گھبراتا تو صرف دوستوں کے طعنوں اور تشنعوں سے ہوں، کوئی نہ کوئی دوست بازار میں مل ہی جاتا ہے کل ہی کی بات ہے میں رامو کی دُکان سے چائے خرید رہا تھا کہ خورشید آ دھمکا اور سائیکل سے اُتر کر کہنے لگا: "ارے میاں! کب سے یہ کام شروع کیا، کیا کوئی نوکر چاکر نہیں ہے۔ کیا تم ہی اپنے گھر کے نوکر بن گئے ہو۔ اللہ کی قسم

آج تک حالانکہ میری عمر تیرہ سال ہونے کو آئی ہے نہ اپنے گھر کا کوئی کا
کیا ہے اور نہ کروں گا۔ یہ تو نوکروں کا کام ہے۔ اس سے تو عزت :
فرق پڑ جاتا ہے۔"
یہ سُن کر میں شرم کے مارے پانی پانی ہوگیا۔ مجھے شرماتا ہوا دیکھ
وہ کِھل کِھلا کر ہنستا ہوا چلا گیا۔ اتنا کہہ کر حمید خاموش ہوگیا۔ اس کے بعد
ساجدہ نے کہا،" دیکھو حمید تم کو لوگوں کی لعنت ملامت کی کوئی فکر نہ کر
چاہیے، تم کو اگر معلوم نہیں ہے تو لو سُن لو: ہمارے رسولؐ اپنے گھر کا کام
اپنے مبارک ہاتھوں سے کیا کرتے تھے۔
آپ جانوروں کو چارہ ڈالتے، گھر میں جھاڑو دیتے، اگر جوتا پھٹ جا
تو ٹانک لیتے، اپنے کپڑوں کو خود اپنے ہاتھوں سے سی لیا کرتے تھے، بستر
بچھاتے اور اُٹھاتے تھے۔ بازار سے سودا جاکر لاتے، نہ صرف اپنے گھر کا، بلکہ اپ
پڑوسیوں، یتیموں، بیواؤں کے گھروں کا بھی کام کرکے دیتے تھے۔ بیٹا! اپنے
کے کام میں شرم کی کونسی بات ہے۔ جب ہمارے رسولؐ نے اپنے اور اپنے پڑو
یتیموں اور بیواؤں کے گھر کا کام کیا ہے تو ہم کو بھی چاہیے کہ ہم بھی اپ
پیارے رسولؐ کی طرح اپنا کام اپنے ہاتھ سے کرلیا کریں اور دوسروں کا کا
بھی کردیا کریں۔
کسی کی باتوں پر کان نہ دھرنا چاہیے۔ اچھے کاموں میں شرم کی کو
بات نہیں ہے اور نہ ان کے کرنے سے عزت کم ہوتی ہے۔ ہاں اگر بُرا کام کر ر
ہیں تو اُس سے فوراً رُک جانا چاہیے اور اُس پر شرمانا بھی ضروری ہے۔" تھ
دیر رُک کر ساجدہ نے کہا:" دیکھو بیٹا! آج تم نے ایک نہیں دو قصو
ایک تو یہ قصور ہے کہ تم نے اپنے رسولؐ کے طریقے پر چلنے میں شرم
دوسرا یہ کہ تم نے میری نافرمانی کی ہے۔ دیکھو حمید! اگر میں تم کو [illegible]
تو تم کو چاہیے کہ تم میری ہر بات کو ٹھکرا دو، لیکن اگر میں تم کو
کاموں کا حکم دوں تو تم کو چاہیے کہ تم اُن کی تعمیل کے لیے [illegible]
ان کی ہر اچھی بات کو سُن کر اُس پر عمل کرنا چاہیے۔ ہمارے

، اللہ اُس سے ناراض ہوتا ہے جو اپنے ماں باپ کی نافرمانی کرتا ہے۔ اور مرنے
کے بعد اُس کو بڑی سخت سزا ملے گی۔" حمید ماں کی نصیحت سن کر رونے لگا
اور اپنی گردن کو ماں کی گود میں ڈال کر کہنے لگا: "مجھے معاف کرو امی، مجھے
معاف کرو، تمہارا بیٹا آئندہ سے ہرگز ایسا نہیں کرے گا۔" حمید کی
ماں اپنے پلو سے حمید کے آنسو پونچھ رہی تھی اور کہہ رہی تھی "بیٹا خدا معاف
کرنے والا ہے وہ ضرور تمہارے قصور معاف کر دے گا۔" اس کے بعد حمید فوراً
بازار گیا اور نمک لایا +

جناب محمد انصار اللہ صاحب خورجوی

امتحان

آج نتیجہ نکلا ہے: حامد، محمود، احمد اور نثار۔ چاروں کو نتیجے مل گئے ہیں۔ حامد
اور محمود فیل ہو گئے ہیں۔ احمد سوم درجے سے کامیاب ہے، مگر نثار اول درجے سے
پاس ہوا ہے۔ نثار تو بڑا خوش ہے، مگر احمد کچھ غمگین ہے اس لیے کہ وہ سوچتا ہے
سوسے بُرا تو ایک سے بہتر بنا دیا" مگر حامد اور محمود زار و قطار رو رہے ہیں۔
حامد اور محمود نے فیصلہ کیا کہ چلو ماسٹر صاحب سے کہیں کہ آخر کیوں ہم کو
فیل کر دیا۔ احمد نے کہا چلو ہم بھی نمبر بڑھوا کے دوم ہو جائیں گے۔ نثار نے بھی سوچا
چلیں دیکھیں کیا ہوتا ہے۔ چنانچہ چاروں دوست ماسٹر صاحب کے پاس جاتے
ہیں۔ ماسٹر صاحب باہر ہی بیٹھے ہیں۔ چاروں نے سلام کیا۔ ماسٹر صاحب نے
جواب دیا۔

ماسٹر صاحب: (مسکرا کر) "کہیے کیسے آنا ہوا۔"
حامد: "امتحان میں ہم فیل ہو گئے ہیں۔"
ماسٹر: "تو۔"
حامد: "ذرا کچھ نمبر بڑھا دیجیے تو ہم بھی کامیاب ہو جائیں۔"
ماسٹر: "جی ہاں ضرور، سال بھر آپ نے بجائے پڑھنے کے خوب شرارتیں

گئیں اور امتحان میں کاپی سادی رکھ کر چلے آئے، اگر کچھ لکھ دیتا تو ممکن ہے کہ کچھ نمبر پا جاتا مگر اب کیا ہو سکتا ہے۔

محمود: "(آگے بڑھ کر جلدی سے) ماسٹر صاحب میں نے تو دو کاپیاں بھر دی تھیں، پھر بھی فیل ہوں۔

ماسٹر: "مگر جو پوچھا گیا تھا کیا وہی تم نے لکھا تھا۔ یہ مانتا ہوں کہ تم نے دکھانے کے لیے بڑی محنت کی مگر پڑھا کچھ بھی نہیں، آپ کی محنت کا بدلا مل گیا لوگوں نے آپ کو محنتی کہہ لیا اپنے پاس ہونے کی اُمید آپ کو غلط تھی۔ آپ اُس محنت سے اپنا خود ہی نقصان کرتے تھے، وقت ضائع کیا اور روپیہ پھینکا۔"

احمد: "اور ماسٹر صاحب میں؟"

ماسٹر: "تم نے محض اتنا کام کیا کہ پاس ہو جاؤ، سو تم پاس ہو گئے، تم نے اچھے نمبر لانے کی کوشش ہی نہ کی (تھوڑی دیر کے بعد نثار سے) اور نثار تمھارا کیسے آنا ہوا۔

نثار: "یہ لوگ آ رہے تھے، میں نے کہا کہ دیکھیں کیا ہوتا ہے، اور ان لوگوں کے ساتھ چلا آیا۔"

ماسٹر (سب سے) دیکھو اس نے ہمارا کام کیا، ہمارا کہنا مانا تھا، دل سے محنت کی تھی تم لوگوں کی طرح ریا نہیں کی تھی اس لیے ہم نے اسے اپنی طرف سے بھی نمبر دے دیے ہیں۔ تم لوگوں نے نافرمانی کی، اس نے فرماں برداری کی پس اس کو اس کا نتیجہ ملا، تم کو تمھارا نتیجہ ملا۔

دیکھو، خدا کے تمام بندے دُنیا میں امتحان دے رہے ہیں، اس کا نتیجہ قیامت کے دن معلوم ہوگا۔ اُس میں غیر مسلم حامد کی طرح فیل ہو جائیں گے۔ مگر جو لوگ خود کو مسلمان کہتے ہیں، متقی اور پرہیزگار بنتے ہیں اُن میں ایک طبقہ ریاکاروں کا ہے جو محمود کی طرح ناکام ہوگا، پھر تیسرا طبقہ وہ ہے جو اپنے فرائض کسی طرح ادا کرلیتا ہے، لیکن اس کے علاوہ وہ نتیجہ بہتر بنانے کی فکر نہیں کرتا وہ احمد کی طرح ہے۔ اور وہ لوگ جو تمام فرائض بخوبی ادا کرنے کے بعد اور ثواب کے کام بھی کرتے ہیں وہ نثار کی طرح ہیں۔ وہ لوگ بہت خوش ہوں گے۔

بچو تم نثار بننے کی کوشش کرو، اور خدا کے تابع اور مطیع بنو، خوب نیکیاں جمع کرلو +

نمبر ۳
الحسنات
۲۵
رسالت نمبر
الحسنات کے دو خاص نمبر توحید نمبر اور آخرت نمبر شائع ہو چکے ہیں، اللہ کا بڑا فضل ہے
کہ یہ دونوں نمبر ہماری اُمید سے کہیں زیادہ مقبول اور مُفید ثابت ہوئے ـــــ اب الحسنات کا
تیسرا خاص نمبر ـــــ رسالت نمبر
عنقریب شائع ہوگا ہماری کوشش ہے کہ اس نمبر کو ہم پہلے دونوں نمبروں سے زیادہ بہتر بنا سکیں،
اللہ تعالیٰ ہماری کوششوں کو قبول فرمائے
الحسنات کے مستقل لکھنے والوں کے علاوہ اس نمبر کے لیے چند مزید متوقع لکھنے والوں کے نام سن لیجیے:
مولانا سید ابوالحسن علی صاحب ندوی، مولانا جلیل احسن صاحب ندوی، مولانا ابواللیث صاحب اصلاحی ندوی۔ مولانا صدرالدین صاحب اصلاحی ـ مولانا سید حامد علی صاحب، مولانا سید مسعود عالم صاحب ندوی ..
رسالت نمبر کے عنوانات بھی دیکھ لیجیے:
(۱) رسالت کی حقیقت ـــ رسالت کسے کہتے ہیں (۲) رسالت کا مقصد ـ انسانیت کی فلاح کے لیے رسالت کی ضرورت (۳) رسالت پر ایمان لانا کیوں ضروری؟ (۴) رسالت ہمیشہ انسانیت کے لیے رحمت رہی ہے (۵) رسولوں کی دعوت کیا ہوتی ہے (۶) رسولوں کی دعوت کی مخالفت کا انجام؟ (۷) کیا سب رسولوں کا ماننا ضروری ہے؟ اور کیوں کس انداز سے؟ (۸) رسولوں کی تفصیل اور تاریخ اور غلط عقیدے (۹) رسولوں کے بعد اُن کے ماننے والوں کی ذمے داریاں کیا ہوتی ہیں (۱۰) رسولوں کی اُمتوں میں بگاڑ کس طرح پیدا ہوتا ہے (۱۱) رسالت کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے کیوں اور کس طرح؟ وغیرہ وغیرہ
رسالت نمبر کافی ضخیم اور قیمتی ہوگا ضخامت اور قیمت کا اعلان بعد کو ہوگا ـــ لیکن مستقل خریداران کو یہ نمبر بلا کچھ مزید دام لیے ہوئے ہی ملے گا ـ اپنے احباب کو متوجہ کیجیے کہ وہ الحسنات کے مستقل خریدار جلد بن جائیں ـ
تاریخ اشاعت کے اعلان کا انتظار کیجیے ـ منیجر الحسنات رامپور یو۔پی

عورت کی آغوشِ محبت میں

مرد نے پہلی بار دنیا کو دیکھا لیکن قدرت کے اس عنصرِ لطیفے کو مرد نے اپنے بنائے ہوئے قانون سے مسل ڈالا اور عورت اس کی باندی بن کر رہ گئی

یونین بک ڈپو سول لائینز رامپور کا سہ ماہی سلسلۂ اشاعتِ کتب

حسنِ انسانیت

عورتوں کو انسان کے اپنے بنائے ہوئے ظالمانہ قانون کے جال سے نجات دلانے والا اور قدرت کے عطا کردہ اس دستورِ حیات سے روشناس کرانے والا ہے جس پر چل کر نہ صرف عورت ہی اپنی زندگی میں بھی خوشی حاصل کر سکتی ہے بلکہ تمام معمورۂ انسانی یک گونہ مسرت حاصل کر سکتا ہے۔

حیاتِ نو کا خاص نمبر

بھڑکتے شعلوں جیسے نغموں اور اُبلتے سمندر جیسے ادب کے ذریعے خیال و فکر کی ہم آہنگی مقصد کی بلندی اور کردار کی عظمت سے موجودہ دور کے خدا شناس حیالے فنکاروں کا آہنی کارواں بجھی بجھی سی زندگیوں اور تھکے ماندے نصب العین کے لیے "حیاتِ نو" عطا کر رہا ہے۔

زمانے کی تعمیر کا مضبوط عزم لیے ہوئے جوشیلا خون اگر آگے بڑھنا چاہتا ہے تو ہر قدم پر بچھے ہوئے ہر باطل کا باغی "حیاتِ نو" آپ کا ایک بہترین ہمراہی ثابت ہوگا۔

خدا پرست حیات کا نقیب وقت کی ساری قدروں کو بدل کر رکھ دینے کے لیے اپنی عمر کے چوتھے سال میں داخل ہوتے ہوئے اپنی ایک خصوصی اشاعت **خاص نمبر** کے عنوان سے پیش کر رہا ہے جس میں آپ کو خلوص بھرے دل کی گہرائیوں اور انقلابی دماغوں سے نکلے ہوئے نغمے افسانے تنقیدی مضامین ہیروں آف الشرق اور دیدہ ریزی کے خصوصی کالم ملیں گے۔

یہ خاص نمبر خوبصورت کتابت بہترین ترتیب طباعت اضافی صفحات اور دیدہ زیب سرورق و ٹائیٹل کے ساتھ شائع ہو رہا ہے۔ تمام محبت صاحبان اپنے آرڈر جلد از جلد روانہ فرمائیں۔

اس کی اشاعت سے قبل بننے والے خریدار حضرات کی خدمت میں یہ مفت پیش کیا جائے گا۔ سالانہ چندہ ۹ روپے ششماہی ۵ روپے

تفصیلات حسبِ ذیل پتہ سے طلب کیجیے:

حیاتِ نو ہفتہ وار حیدرآباد دکن

نماز
نماز کا پورا پورا فائدہ اُس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتا جب تک اسے سمجھ کر
نہ پڑھا جائے نماز میں جو کچھ پڑھا جاتا ہے اُس کا مطلب و رنماز اصل روح اس کتاب میں
بتائی گئی ہے زبان بہت سادہ و آسان ہے نو عمر او رمعمولی پڑھے لکھے بھی سمجھ سکتے ہیں
کتابت طباعت اور کاغذ عمدہ ٹائٹیل دیدہ زیب ـــــ قیمت ۸
اسی کتاب کا ہندی اڈیشن بھی تیار ہے
جس کا صرف رسم الخط دیوناگری ہے۔ عربی عبارت عربی اور ہندی رسم الخط دونوں میں لکھی گئی ہے۔ اسکول کے طالب علموں کے
لیے اُن مسلمانوں کے لیے جو اُردو نہیں جانتے ہیں اور اُن غیر مسلموں کے لیے جو اسلام کی اس اہم عبادت کے بارے میں کچھ جاننا
چاہتے ہیں یہ کتاب بے حد مفید پائی گئی ہے ـــــ دوسرا اڈیشن تیار ہو چکا ہے جس میں سفید کاغذ لگایا گیا ہے
ٹائٹیل دیدہ زیب ہے ـــــ قیمت ۸ (تاجروں کے لیے معقول کمیشن)
مکتبۂ الحسنات رام پور یو۔پی
مارکس اور اس کے معتقدات
مارکس کے معتقدات پر جو دبیز و خوشنما پردے پڑے ہوئے ہیں انھیں اُلٹ کر کمیونزم کو اصلی
روپ میں دیکھنے کے لیے اس کا مختلف پہلوؤں سے مطالعہ ضروری ہے۔
اس کوشش میں تعمیر پسند ادیبوں کا ممتاز قلم کار عبدالکریم عابد کس قدر کامیاب ہوا ہے اس کا فیصلہ آپ اس کی تحقیقی
مضامین مارکس کا نفسیاتی تجزیہ کمیونزم کا تاریخی تجزیہ کمیونزم کا علمی تجزیہ پڑھ کر کر سکتے ہیں۔
اس کتاب کو پڑھ کر آپ یوں کہہ اٹھیں گے: "اب مارکس کے کارواں کو رُک جانا چاہیے"
ملنے کے پتے
مکتبۂ فکر نو معرفت حیات نو ہفتہ وار۔ نظام شاہی روڈ حیدرآباد دکن۔
مکتبۂ نشاۃ ثانیہ معظم جاہی مارکٹ حیدرآباد دکن۔
قیمت (عـہ
محصول ڈاک بجز اخراجات وی۔پی بذمہ مکتبۂ فکر نو ہوگا ـــــ
ایجنٹوں کو پانچ سے زائد نسخے منگوانے پر ۲۵ فیصدی کمیشن دیا جائے گا۔

الحسنات
۳۰
دیارِ عرب میں .... چند ماہ
(از مولانا مسعود عالم ندوی)
مکتبہ الحسنات رامپور۔ یو۔ پی
ملنے کا پتہ
آپ کے لیے کچھ اور کتابیں
اسلام کی بنیادی تعلیمات
رسولؐ کی تعلیم
نظامِ اطاعت کی تین کڑیاں
تدریس القرآن
پارۂ عم و ایک تا پانچ پارہ۔ فی پارہ ۱۲؍
انتخابِ زاد راہ۔ اسرار احمد صاحب آزاد۔ قیمت ۸؍
مسلمانوں کی پہچان
ابوالاعلیٰ صاحب مودودی
امین احسن صاحب اصلاحی
ملا نصر اللہ خاں عزیز
الحسنات جلد ۶
مع توحید نمبر۔ مجلد
الحسنات جلد ۷
مع آخرت نمبر مجلد
عرب کا چاند حصہ اول (سوانح حیات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم)
مصنف سوامی لکشمی جی مہاراج۔ قیمت مجلد
تعمیرِ انسانیت۔ رقیہ بنت خلیل عرب قیمت ۸؍
منیجر مکتبہ الحسنات رام پور۔ یو۔ پی
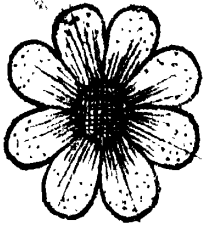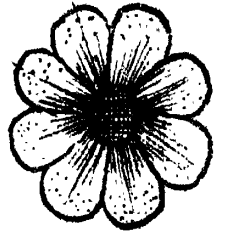
اکثر یہ سمجھا جاتا ہے کہ بڑی عمر کے لوگوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دینے کا نام "تعلیم بالغان" ہے۔ لیکن ہمارے نزدیک تعلیم بالغان کا یہ نہایت ناقص مفہوم ہے۔ پڑھنا لکھنا دراصل تعلیم نہیں ہے بلکہ تعلیم حاصل کرنے کا ایک ذریعہ ہے ——

علم کیا ہے؟ ہمارے نزدیک اس سوال کا جواب یہ ہے کہ انسان کو کم از کم یہ معلوم ہو جائے کہ دنیا میں اس کے وجود کا مقصد کیا ہے اس عالم اور خود اس کے پیدا کرنے والے سے اس کا کیا تعلق ہے۔ وہ اپنے کاموں کے لیے کس کے سامنے جواب دہ ہے۔ اور یہ کہ انسان کی ہدایت کا سرچشمہ کیا ہے۔

اللہ کے بندوں تک ان سوالات کے صحیح جوابات پہنچا دینا اور اسی بنیاد پر ان کی زندگیوں میں تبدیلی پیدا کر دینا ہی دراصل "تعلیم" ہے۔ اس تعلیم کے حاصل کرنے کے لیے لکھنا پڑھنا بھی ایک ذریعہ ہے۔ اس نقطۂ نظر کو سامنے رکھ کر تعلیم بالغان کے کام کو مکمل کرنے کے لیے حسب ذیل کتابیں لکھی گئی ہیں جو بحمد اللہ بہت مقبول اور مفید ثابت ہوئی ہیں:

قاعدہ	پہلی کتاب	دوسری کتاب	تیسری کتاب
۲ر	۳ر	۳ر	۳ر

ان سب کتابوں میں استاد کو وہ تمام موضوعات مل جاتے ہیں جن پر گفتگو کرنے کے بعد اپنے شاگردوں کو اسلام کی بنیادی تعلیم اور عقائد اچھی طرح بتائے جا سکتے ہیں ——— اس کے بعد

عبادت — ایک دلچسپ مکالمہ ہے جس میں تعلیم بالغان کی صحیح اہمیت واضح کرنے کے ساتھ ساتھ عبادت کا صحیح مفہوم نہایت سادہ انداز میں دل نشین کرانے کی کوشش کی گئی ہے۔ قیمت ——— ۸ر

نماز — اس سلسلے کی آخری کڑی ہے جس میں نماز میں پڑھی جانے والی دعاؤں کا مفصل ترجمہ بتانے کے ساتھ ساتھ نماز کی اصل روح سمجھائی گئی ہے ——— قیمت ۸ر اس کتاب کے بعد طالب علم میں اتنی استعداد پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ دینی معلومات پر لکھی ہوئی آسان کتابیں خود پڑھ سکے، اس سٹ کی مدد سے آپ بھی کچھ بندگان خدا کی خدمت کرنے کا موقعہ تلاش کریں۔

منیجر مکتبہ الحسنات رامپور۔ یو۔ پی

نوٹ: پاکستان میں مکتبۂ الحسنات کی جملہ کتابیں (۱) دفتر چراغ راہ۔ ۹۔ لوشیا بلڈنگ آرام باغ کراچی، یا (۲) دفتر کوثر گوال منڈی لاہور سے طلب فرمائیں ——— "منیجر"

Regd. No. A-306 "ALHASANAT" RAMPUR, U. P.

آپ کیا کریں؟

مسلم خواتین کیلئے راہِ عمل!

مسلمان بننے اور مسلمان رکھنے کی جدوجہد میں خواتین کی ذمے داریاں کیا ہیں؟

- اسلامی زندگی کو بروئے کار لانے کیلئے خواتین کس طرح مردوں کی شریک کار بن سکتی ہیں؟
- مسلمان گھرانوں میں اسلامی روح کی بیداری کا کام خواتین کس حد تک اور کس طرح انجام دے سکتی ہیں؟
- اس کتاب میں انہی باتوں کا جواب دینے کی کوشش کی گئی ہے

توقع ہے کہ یہ کتاب خواتین میں احساسِ عمل اُبھارنے کے ساتھ ساتھ ان کے سامنے ان کے اپنے میدانِ عمل کا ایک واضح نقشہ بھی پیش کرے گی۔

ظاہری حسن کے لحاظ سے بھی کتاب دیدہ زیب ہے۔ قیمت ۱۲؍

ملنے کا پتہ: مکتبہ "الحسنات" رامپور - یو۔پی

اِنَّ الحسنٰتِ یُذهِبنَ السَّیِّئات

الحسنات رامپور

اردو

لڑکوں لڑکیوں کے

جامعہ ملیہ اسلامیہ

چار آنے

جلد — نمبر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مہینے میں دوبار شائع ہونے والا

رسالہ

الحسنات

رام پور

جو مسلمان گھرانوں کی اصلاح کے لیے بہت مفید ثابت ہوا ہے

مدیر: الحکیم محمد عبدالحی

چندہ: سال بھر کے لیے ۲۴ رسالے — پانچ روپے آٹھ آنے
چھ ماہ کے لیے ۱۲ رسالے — تین روپے
فی کاپی — چار آنے

فہرست مضامین

محمد عبدالحی طابع و ناشر نے مرتضیٰ برقی پریس رامپور میں چھپوا کر دفتر الحسنات رام پور (یو۔ پی) سے شائع کیا

احساسات

آئیے آج یوں دیکھنے تو بہت آسان، مگر ایک بہت مشکل سوال آپ سے پوچھیں ـــــــ زندگی کسے کہتے ہیں؟

یہ سوال کچھ ایسا ہے کہ اس کا جواب کوئی ایک نہیں ہو سکتا۔ آپ جس سے یہ سوال کریں گے وہ اپنے لحاظ سے ہی اس کا جواب دے گا۔ مگر ہم تو یہ سوال آپ سے کر رہے ہیں۔ یعنی ایک مسلمان سے اور مسلمان بھی ایسا جو الحسنات پڑھتے پڑھتے اسلام کو جاننے لگا ہو اور جسے کوئی اب محض نام کا مسلمان نہیں کہہ سکتے۔

آپ بتائیے زندگی کسے کہتے ہیں؟

ظاہر ہے کہ آپ اس کا جواب یہ نہیں دے سکتے کہ کھانے پینے چلنے پھرنے سونے اور سانس لینے کا نام زندگی ہے۔ یہ باتیں تو ہر جانور [illegible] جاتی ہیں اور ہر چھوٹے سے چھوٹا کیڑا ایسی ہی زندگی کا مالک ہے [illegible] انسان کو 'جانور' یا 'کیڑا' کہہ کر تو دیکھیے کیسا ناراض ہوگا ـــــــ معلوم ہوا کہ انسان کی زندگی کا مطلب اس سے کچھ آگے ہے۔

دیکھو بھئی 'باعزت' اور 'بامقصد' زندگی تو انسان کی زندگی ہے لیکن ایسی زندگی جس میں نہ عزت ہو اور نہ کوئی مقصد وہ انسان کے لیے [illegible] نہیں موت ہے۔ جو انسان دوسروں کے مقابلے میں ذلیل ہوکر [illegible] کھانے پینے کے لیے جیتے ہیں اُن کو انسان نہیں بلکہ دو ٹانگوں [illegible] ہی سمجھنا زیادہ ٹھیک ہے۔

'عزت' اور 'مقصد' کا مطلب مختلف لوگوں کے سامنے [illegible] ہو سکتا ہے۔ دوسری قومیں جن باتوں کو عزت [illegible] سب جانتی [illegible] مقصد کے لیے جینا چاہتی ہیں اس سے نہیں کوئی [illegible] نہیں

"حسناتیوں" کو اس بحث میں ڈالنا چاہتے ہیں ــــ اللہ کا شکر ہے کہ ہم مسلمان ہیں اور مسلمان ہی رہنا چاہتے ہیں۔ ہم سوچ سمجھ کر مسلمان ہوئے ہیں اور سوچ سمجھ کر ہی ہم نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ہمیں مسلمان رہنا ہے ــــ اب دیکھیے ایک مسلمان کی نظر میں 'عزت' اور 'مقصد' کا جو مطلب ہو سکتا ہے ہمیں اُس پر غور کرنا ہے۔

آپ کو معلوم ہے، انسان زمین پر اللہ کا خلیفہ ہے۔ اسی لیے وہ اس زمین پر سب سے زیادہ قابلِ تعظیم اور بزرگ ہے۔ لیکن اس کو یہ بزرگی اور عزت اُسی وقت تو مل سکتی ہے جب وہ سچ مچ اس طرح رہے جیسے اللہ کے خلیفہ کو رہنا چاہیے۔ لیکن اگر وہ اپنی حیثیت کو نہ پہچانے اور خود ذلیل ہونے لگے تو پھر عزت اور بزرگی کیسی؟

اللہ کا خلیفہ ہونے کا مطلب تو یہ ہے کہ انسان سوائے اللہ کے کسی کو اپنا آقا اور مالک نہ مانے، اُس کے علاوہ کسی دوسرے کے سامنے سر نہ جھکائے اور کسی دوسرے کے حکموں پر نہ چلے۔ اب اگر کوئی انسان پتھروں، پہاڑوں، دریاؤں، پیڑوں، جانوروں، سورج، چاند، تاروں، ہواؤں اور بادلوں کے سامنے سر جھکائے اور اُنھیں نفع یا نقصان کا مالک جان کر اُن سے ڈرے یا اُن کی پوجا کرے تو سوچیے تو سہی اُس نے اپنے آپ کو کیسا ذلیل کر دیا۔ جو چیزیں اُس کی خدمت کے لیے اُس کے اصلی مالک نے پیدا کی تھیں وہ بے وقوف اُنھیں کا غلام بن بیٹھا ــــ ہے نا سب سے بڑی ذلت کا کام؟

اسی طرح جو انسان دوسرے انسانوں کا غلام بن جائے، دوسرے انسانوں کے بتائے ہوئے راستوں پر آنکھیں بند کر کے چلنے لگے اور اللہ کی غلامی سے اور اُس کے بتائے ہوئے راستے سے مُنھ موڑے اُس سے بڑا ذلیل اور کون ہوگا۔ اس بے چارے کو یہ تمیز ہی نہ ہوئی کہ کوئی انسان کسی انسان کا آقا کیسے بن سکتا ہے؟ یہ سب تو ایک ہی آقا کے غلام ہیں۔ ان غلاموں میں سے نہ کسی کو یہ حق ہے اور نہ کسی میں اتنی قابلیت ہی ہے کہ وہ انسانوں کے لیے قانون بنا سکیں۔ یہ کام تو انسانوں کے اصلی آقا اور مالک کا ہے۔ ایک مسلمان کی نظر میں

اس سے بڑی ذلت اور کیا ہوگی کہ کوئی مسلمان اللہ کے بتائے ہوئے قانون کو چھوڑ کر دوسروں کے قانون کو صحیح سمجھ لے اور اسی کی پیروی کرنے لگے۔

اب آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ مسلمان کی نظر میں عزت یہ ہے کہ وہ:

۱۔ سوائے اللہ کے کسی دوسری ہستی کے سامنے سر نہ جھکائے چاہے وہ کوئی بے جان چیز ہو یا جان دار مخلوق، کوئی بڑے سے بڑا انسان ہو یا فرشتہ، یا جن یا کچھ اور ـــــــ زندہ ہو یا مردہ۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کی تابعداری اور غلامی نہ کرے چاہے وہ دوسرا اُس کا اپنا نفس ہو یا اپنے ہی جیسے دوسرے انسان۔

جو شخص ایسا ہے وہ عزت والا ہے چاہے اُس کے پاس مال و دولت نہ ہو اور لوگ اُسے بڑا آدمی نہ جانتے ہوں۔

اس زمین پر مسلمان کی زندگی کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ وہ یہاں جب تک رہے صرف اللہ تعالیٰ کی تابعداری اور اطاعت کرے اُس کے بتائے ہوئے طریقوں پر چل کر دُنیا کی ساری چیزوں سے اس طرح فائدہ اٹھائے کہ اُس کے مالک کی منشا پُوری ہوتی رہے ـــــــ دوسرے بھٹکے ہوئے انسانوں کو زندگی کا مقصد بتائے اور جس اصلی مالک کو اُنھوں نے بھلادیا ہے اُسے یاد دلائے۔ زمین پر امن و امان کا ایک ایسا نظام قایم کرے جس میں اللہ تعالیٰ کی منشا اور مرضی کے مطابق اُس کا قانون چلے اور دُنیا کو یہ معلوم ہوجائے کہ ان کی زندگی کی ساری مشکلوں کا علاج یہی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے قانون کے مطابق اپنے سارے معاملات کو ٹھیک کرلیں۔

جو لوگ عزت اور مقصد کا یہ مطلب جانتے ہیں اور اسی کے مطابق 'باعزت' اور 'بامقصد' زندگی گزارتے ہیں انھیں کی زندگی دراصل زندگی ہے اس کے علاوہ زندگی نہیں موت ہے۔

جو لوگ اس سچی عزت والی اور مقصد والی زندگی سے بے خبر ہیں

آنکھیں بند کر کے دوسرے راستوں پر چلے جا رہے ہیں وہ صرف یہی نہیں کہ خود جس اندھیرے میں بھٹک رہے ہیں اور جن غلط راستوں پر چل رہے ہیں اُن پر چلتے رہیں بلکہ وہ یہ کوشش کرتے ہیں کہ دوسروں کو بھی اسی اندھیرے میں گھسیٹ لے جائیں اور ان غلط راستوں میں لے جاکر گم کر دیں جن میں خود اپنا سر کھپا رہے ہیں ——— اسی لیے ایک مسلمان کے لیے 'باعزت' 'بامقصد' زندگی گذارنا آسان نہیں ہے۔ اسے ان لوگوں کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے جو اسے غلط راستوں پر گھسیٹنا چاہتے ہیں۔

آج کل ایسے مسلمان بہت تھوڑے ہیں جو 'باعزت' اور 'بامقصد' زندگی گزارنے کا فیصلہ کر چکے ہوں۔ اسی لیے ان بے چاروں کی مشکلیں بھی زیادہ ہیں۔ ہر ایک چاہتا ہے کہ انھیں اُچک لے جائے۔ ایسے وقت میں اپنی عزت باقی رکھنے کے لیے اور مقصد پر قایم رہنے کے لیے بہت مضبوط ایمان اور زبردست حوصلے کی ضرورت ہے۔ آپ کو قدم قدم پر یہ معلوم ہونا چاہیے کہ اسلامی زندگی اور غیر اسلامی زندگی کا فرق کیا ہے، کون سے کام ایسے ہیں جو آپ کے مقصد کے موافق ہیں اور کون سے کام ایسے ہیں جو آپ کے مقصد کے خلاف ہیں۔

اگر ہلکی ہلکی ہوا چل رہی ہو تو کمزور سے کمزور پودا بھی سر اُٹھائے کھڑا رہتا ہے لیکن جب آندھی چلتی ہے تو وہی پیڑ جمے رہتے ہیں جن کی جڑیں مضبوط ہوتی ہیں۔ کمزور جڑ والے اور نازک پودے اُکھڑ کر دُور جا پڑتے ہیں۔

ہلکی ہلکی لہروں میں تو کمل جیسے نازک پھول بھی پانی سے سر نکالے کھڑے رہتے ہیں لیکن جب طوفان آتا ہے تو بس مضبوط چٹانیں ہی باقی رہتی ہیں باقی سب کچھ موجوں کے تھپیڑوں کے ساتھ بہہ جاتا ہے۔

مسلمانوں کے لیے اور خاص طور سے اُن مسلمانوں کے لیے جو عزت اور مقصد کے ساتھ زندگی گزارنا چاہتے ہیں یہ زمانہ آندھیوں اور طوفان کا زمانہ ہے

جس زمانے میں اسلام کا طوطی بول رہا ہو مسلمان ہونا اور مسلمان رہنا نہیں آسان ہے۔ اس وقت تو کمزور سے کمزور مسلمان بھی بن سکتا ہے لیکن جب اسلام پر مخالفت کی آندھیاں چل رہی ہوں اور مسلمان مشکلوں کے طوفان سے گھرے ہوئے ہوں اُس وقت اسلام پر قایم رہنا آسان نہیں مشکل ہوتا ہے اُس وقت عزت کو باقی رکھنے اور مقصد پر قایم رہنے کے لیے بہت زیادہ مضبوط ایمان کی ضرورت ہے ——— آج کل مسلمان ایسی ہی آندھیوں ایسے ہی طوفانوں میں گھرے ہوئے ہیں۔ ہر طرف سے کوئی نہ کوئی بلا انھیں نگلنے کے لیے مُنھ کھولے بڑھ رہی ہے۔ کوئی چاہتا ہے کہ انھیں خدا، آخرت، دوزخ، رسالت، اور وحی سب سے پھیر کر صرف پیٹ کے چکر میں پھنسا دے اور اسے سوائے پیٹ کے اور کچھ یاد نہ رہے؛ کوئی چاہتا ہے کہ وہ اس رنگ میں رنگ جائیں جس میں ملک کے بہت سے انسان بے سوچے سمجھے اپنے باپ دادا کی تقلید میں رنگے ہوئے ہیں۔

یہ سب فتنے ہیں جن سے آج کل مسلمان کو لڑنا ہے۔ اب مسلمان ہونا اور مسلمان رہنا کوئی کھیل تماشہ نہیں ہے۔ ہمیں اپنے حساس بھائیوں اور بہنوں سے بڑی توقع ہے کہ وہ حالات کا اندازہ کرنے میں غلطی نہ کریں گے اور ایک مضبوط اور طاقت وَر ارادے کے ساتھ اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے باعزت اور بامقصد زندگی گزارنے کا فیصلہ کریں گے ——— اس فیصلے پر قایم رہنے میں مال و اسباب کے نقصان کے ساتھ ساتھ کبھی کبھی جان بھی دینی پڑتی ہے لیکن اس طرح جان دینا سب سے بڑی کامیابی ہے اور یہ دولت انھیں لوگوں کو نصیب ہوتی ہے جو بڑے خوش نصیب ہوتے ہیں۔

ہمارا مالک بے انصاف نہیں ہے۔ اُس سے زیادہ انصاف اور رحم و کرم والا کوئی دوسرا نہیں ——— جب اُس کے کچھ بندے اس کی رضا کی خاطر اس طرح "باعزت" اور "بامقصد" زندگی کا فیصلہ کر لیتے ہیں اور وہ ان امتحانوں میں پُورے اُتر جاتے ہیں جو ایسے لوگوں کو اکثر

...تے ہیں تو پھر اللہؐ کی مدد ان کے شاملِ حال ہوتی ہے۔ یہ لوگ پھر دُنیا ...ں بھی غالب ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسا کبھی نہیں کرتا کہ اگر اس کے کچھ ...ک بندے اُس کی زمین کا انتظام کر لینے کے قابل ہو جائیں تو وہ زمین ...ے خزانوں کی کنجیاں اپنے باغیوں کے ہاتھوں میں ہی رہنے دے۔ وہ ...ن کو زمین کا وارث بنا دیتا ہے ــــــ مگر یاد رکھیے زمین کا وارث ...جانا نہ ان کو مطلوب ہوتا ہے اور نہ ان کا مقصود۔ آخرت کی دائمی ...ندگی کی کامیابی اور اللہؐ کی رضا اُن کا مقصود ہوتا ہے جس کی خاطر وہ ...سب کچھ کرتے ہیں۔ اور اگر ضرورت پڑتی ہے تو اُس کی ہی خاطر وہ جان ...ی دے دیتے ہیں +

...ناب کپتان حیدر علی صاحب حیدر

سوتے رہوگے کب تک ؟

...ہ زوریاں ہیں ہر سو — خونریزیاں ہیں ہر سو
...د غرضیاں ہیں ہر سو — اُٹھو انھیں مٹا دو
سوتے رہوگے کب تک ؟

...ادیاں ہیں ہر سو — مستیاں ہیں ہر سو
...ربادیاں ہیں ہر سو — اُٹھو انھیں مٹا دو
سوتے رہوگے کب تک ؟

...اریاں ہیں ہر سو — عیاریاں ہیں ہر سو
...شواریاں ہیں ہر سو — اُٹھو انھیں مٹا دو
سوتے رہوگے کب تک ؟

...ٹھو جہاں ہلا دو — دُنیا نئی بسا دو
...ین ہمیں سے ہٹ کر — جو چیز ہو مٹا دو
سوتے رہوگے کب تک ؟
اُٹھو !!!

ـــــــــ

جناب وحید قیصر صاحب راولپنڈی

التجا

اے رحمتِ مجسم — پروردگارِ عالم
میری دعا بھی سُن لے — اک التجا بھی سُن لے

تیرے کرم کا سایا — مجھ پر رہے ہمیشہ
نیکی سدا کروں میں — نیکوں میں بس رہوں میں

عقل و خرد کا بستر — ہر باب وا ہو مجھ پر
خورشید میرے آگے — آتے ہی سر جھکا دے

میں علم کے فلک پر — چمکوں ستارہ بن کر
وہ شوق دے خدایا — وہ ذوق دے خدایا
کچھ کام کر سکوں میں — خوش تجھ کو کر سکوں میں

میرے کریم سُن لے
ربِّ رحیم سُن لے

ـــــــــ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

قَالَ يٰقَوۡمِ اَرَءَيۡتُمۡ اِنۡ كُنۡتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنۡ رَّبِّىۡ وَرَزَقَنِىۡ مِنۡهُ رِزۡقًا حَسَنًا ؕ وَمَاۤ اُرِيۡدُ اَنۡ اُخَالِفَكُمۡ اِلٰى مَاۤ اَنۡهٰٮكُمۡ عَنۡهُ ؕ اِنۡ اُرِيۡدُ اِلَّا الۡاِصۡلَاحَ مَا اسۡتَطَعۡتُ ؕ وَمَا تَوۡفِيۡقِىۡۤ اِلَّا بِاللّٰهِ ؕ عَلَيۡهِ تَوَكَّلۡتُ وَاِلَيۡهِ اُنِيۡبُ ۝

(سورۂ ہود رکوع ۸)

شعیب نے کہا: "بھائیو! تم خود ہی سوچو کہ اگر میں اپنے رب کی طرف سے ایک کھلی شہادت پر تھا اور پھر اس نے اپنے یہاں سے مجھ کو اچھا رزق بھی عطا کیا (تو اس کے بعد میں تمہاری گمراہیوں اور حرام خوریوں میں تمہارا شریکِ حال کیسے ہو سکتا ہوں؟) اور میں ہرگز یہ نہیں چاہتا کہ جن باتوں سے میں تم کو روکتا ہوں اُن کا خود ارتکاب کروں۔ میں تو اصلاح کرنا چاہتا ہوں جہاں تک میرا بس چلے اور یہ جو کچھ میں کرنا چاہتا ہوں اس کا سارا انحصار اللہ کی توفیق پر ہے، اس پر میرا بھروسہ ہے اور ہر معاملے میں اسی طرف میں رجوع کرتا ہوں ...."

(تفہیم القرآن)

تشریح

اس سے پہلے آپ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کے طعنے اور تکلیف دہ جواب پڑھ چکے ہیں۔ حق کی طرف لوگوں کو بلانے والے کے لیے یہ وقت بڑے امتحان کا ہوتا ہے۔ جن لوگوں کے فائدے کے لیے وہ دعوتِ حق لے کر

اُٹھتا ہے جب اُنھیں کی طرف سے شدید مخالفت ہوتی ہے تو یہ ڈر ہوتا ہے کہ کہیں اس کا دل نہ ٹوٹ جائے اور وہ مایوس نہ ہو جائے۔ یا رنج اور تکلیف میں کوئی ایسا کام نہ کر بیٹھے جو اُس کی شان کے خلاف ہو۔ ایسے وقت کے لیے حضرت شعیب علیہ السلام کے جواب میں بڑے کام کی باتیں نظر آتی ہیں۔ دیکھیے ان کے جواب پر غور کیجیے آپ کو کم سے کم حسب ذیل باتیں بہت اُبھری ہوئی دکھائی دیں گی۔ ان باتوں کو اگر سامنے رکھا جائے تو آپ کو یہ اندازہ کرنے میں آسانی ہوگی کہ بگڑے ہوئے حالات اور سخت مقابلے کی صورت میں ایک حق پرست انسان کا رویہ کیا ہونا چاہیے۔

۱۔ جب کوئی بات سمجھ میں آجائے اور اللہ کی بخشی ہوئی عقل اور صاف اور سادہ ضمیر کا یہ فیصلہ ہو جائے کہ حق کیا ہے تو پھر مصلحتوں کا خیال کرنا، وقت کے تقاضوں کے دباؤ کو قبول کرنا، ہوا کے رُخ پر اُڑنے اور طوفان کے ساتھ بہہ جانے کا فیصلہ کر لینا سخت غلطی ہے۔ بہت کم ایسا ہوتا ہے انسان کو یہ معلوم نہ ہوجائے کہ حق کیا ہے۔ لیکن ہوتا یہی ہے کہ یہ جانتے ہوئے کہ حق کیا ہے اکثر لوگ حق کا ساتھ نہیں دیتے۔ مصلحتِ وقت، رسم و رواج، لوگوں کی پسند اور ناپسند، زمانے کے چلن، رائے عامہ کے دباؤ، اغراض کے پھندے اور مادّی منافع کے لالچ اس کا راستہ روک لیتے ہیں۔

یہ بات بالکل غلط ہے۔ ایک حق پرست اور حق کے داعی میں یہ جرأت ہونا چاہیے کہ وہ ہر دباؤ کے باوجود حق کے تقاضوں کو قبول کرنے اور اُن کے مطابق عمل کرنے کے لیے ہمیشہ تیار رہے اگر وہ ایسا نہیں کر سکتا تو وہ بحیثیت داعی کے سخت ناکام ہوگا اور بڑا مشکل ہے کہ اُس کی بات سے اثر لے کر کوئی اپنے اندر تبدیلی پیدا کر سکے۔

حضرت شعیبؑ اپنی اس مضبوطی کا اعلان فرما رہے ہیں کہ بھائیو جب اللہ تعالیٰ نے مجھے حق کو پہچاننے والی سمجھ بوجھ عطا کی ہو اور میری بصیرت یعنی عقل کی آنکھیں ایسی کھلی ہوئی ہوں کہ میں صحیح اور غلط میں تمیز کر سکوں

تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ اس کے بعد بھی میں تمھاری ہاں میں ہاں ملاتا جاؤں اور اپنی عقل اور اپنے ضمیر کی آواز کو دبا دوں۔

۲۔ پاک روزی، کھانے پینے کی طرف سے بے غمی، معاش کی طرف سے بے فکری، زندگی بسر کرنے کے لیے ضروری اسباب و سامان کی فراہمی — اللہ تعالیٰ کی ایسی بڑی نعمتیں ہیں کہ اگر انسان ان کا ہی حق ادا کرنا چاہے تو پھر اس کے لیے کسی طرح یہ ممکن نہ ہوگا کہ وہ اللہ کے راستے کو چھوڑ کر کوئی دوسری راہ قبول کرسکے اور اپنی زندگی کا مقصد وہ نہ بنائے جو اس سچے مالک کو پسند ہے — پورا سامانِ رزق پالینے کے بعد تو آپ کے نزدیک آپ کے ملازم کو بھی یہ حق نہیں ہوتا کہ وہ آپ کی منشا اور مرضی کے خلاف کچھ کرسکے۔ تو پھر کسی مخلوق، بندے اور غلام کو جس کی زندگی کے سارے سہارے اللہ تعالیٰ کی بخشش پر منحصر ہوں یہ حق کیسے حاصل ہو سکتا ہے کہ وہ اس کی مرضی کو چھوڑ کر اپنی مرضی یا اپنے ہی جیسے دوسرے انسانوں کی مرضی پر چل سکے۔

صرف اتنی سی بات کہ اس نے ہمیں انسان بنایا، سوچنے سمجھنے کی صلاحیت دی، ہاتھ پیر ناک کان اور دل و دماغ عطا کیے، صحت بخشی اور زندگی کو باقی رکھنے کا سامان کیا اس بات کے لیے کافی ہے کہ ہم ایک لمحے کے لیے اس کی منشا کے خلاف کچھ سوچ بھی نہ سکیں۔

حضرت شعیب علیہ السلام یوں تو اپنی قوم کے سامنے اپنی یہ پوزیشن واضح کر رہے ہیں لیکن ظاہر ہے کہ یہی پوزیشن خود ان کی قوم کے ہر فرد کی بھی تھی۔ اس طرح وہ گویا بتا رہے ہیں کہ در اصل ان کا مقام کیا ہے۔

۳۔ داعیٔ حق کے لیے بے حد ضروری ہے کہ وہ جن باتوں کی طرف دوسروں کو بلائے پہلے خود اُن پر پُورا پُورا عمل کرے۔ وہ شخص اپنے دعوے میں جھوٹا سمجھا جائے گا جو دوسروں کو تو ایک بات قبول کرلینے کی دعوت دیتا ہو لیکن خود اس کے خلاف کرتا ہو۔ اگر وہ دوسروں کو اللہ تعالیٰ کے سوائے کسی اور کے سامنے سر جھکانے سے روکنا چاہتا ہے تو خود کسی آستانے کا مجاور بن کر نہیں بیٹھ سکتا۔ اگر وہ اوروں کو حرام کی کمائی سے بچانا چاہتا ہے تو وہ اپنا کاروبار بھی بے ایمانی سے نہیں چلا سکتا۔

۴۔ جب اصلاح کرنے اُٹھے تو اپنی وسعت بھر کوشش کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا

اگر آپ بگڑے ہوئے لوگوں کی حالت درست کرنا چاہتے ہیں تو پھر آپ کو اپنے بس بھر کام کرنا ہوگا، جو کچھ آپ کر سکتے ہیں وہ سب کچھ کرنا پڑے گا، یہ کام اتنا آسان نہیں ہے کہ آپ اپنی پوری قوتوں اور پوری صلاحیتوں کو کام میں لے آنے سے پہلے ہی کسی اچھے نتیجے کی اُمید کرنے لگیں

حضرت شعیب علیہ السلام نے یہی فرمایا کہ میں تو اصلاح کرنا چاہتا ہوں اور اُس حد تک اصلاح کروں گا جہاں تک میرا بس چلے گا۔

۵۔ اپنی جیسی سب کچھ کرنے کے باوجود یہ نہ سمجھے کہ جو کچھ کر رہا ہوں وہ میں کر رہا ہوں بلکہ یہ یقین رکھے کہ جو کچھ ہو رہا ہے وہ صرف اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہو رہا ہے اگر اُس کی مدد اور توفیق شاملِ حال نہ ہو تو میری اپنی کوشش یا کوئی دوسرا خارجی سبب ایسا نہیں جس سے کام بننے کی توقع ہو ـــــ ایمان کی یہی قوت داعیٔ حق کا سب سے بڑا سہارا ہے اور اسی قوت پر وہ سخت سے سخت حالات میں حق کی راہ پر قائم رہ سکتا

حضرت شعیب علیہ السلام نے اسی لیے فرمایا کہ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ

۶۔ اپنے سب کاموں میں صرف اللہ کی مدد پر بھروسہ رکھے اُس کے سوائے کسی دوسری قوت پر بھروسہ نہ کرے لیکن اس کے باوجود ہر طرح کے ظاہری اسباب اور ترکیبوں سے کام لے لیکن کسی وقت بھی ان اسباب یا ان ترکیبوں پر مطمئن نہ ہو جائے بلکہ ہر وقت اپنے دل کو صرف اللہ کے بھروسہ پر مضبوط رکھے۔ ظاہری اسباب چھن سکتے ہیں اور ترکیبیں اُلٹ سکتی ہیں ایسی حالت میں اگر خدا پر بھروسہ نہ ہو تو انسان کو میدان سے بھاگنا پڑتا ہے لیکن اللہ پر بھروسہ رکھنے والا سارے اسباب چھن جانے اور ساری ترکیبوں کے غلط ہو جانے کے بعد بھی نا امید نہیں ہوتا اس کا دل مضبوط رہتا ہے اور وہ نئے اسباب فراہم کرتا ہے۔ دوبارہ غور کی ہوئی ترکیبوں کو کام میں لاتا ہے اور میدان سے ہٹنے کے بجائے ڈٹ کر مقابلہ کرتا ہے۔

۷۔ اپنی ہر مشکل کے وقت اُسی کی طرف رجوع کرتا ہے، ہر آن اُسے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ ایک بہت بڑے محافظ اور بہت بڑے سرپرست کے زیر سایہ ہے اور یہ یقین اسے ایسی قوت بخشتا ہے کہ دُنیا اسے دیکھ کر دنگ رہ جاتی ہے۔ ایک داعیٔ حق میں حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے اس صفت کا ہونا بہت ضروری ہے۔ اس موقع پر حضرت شعیب علیہ السلام کا یہ فرمانا کہ "عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ" ایک بڑی زبردست قوتِ مقابلہ کا اعلان ہے۔

رسالہ نمبر } ضرور پڑھیے اور پڑھوائیے تاریخِ اشاعت کا انتظار کیجیے۔
"منیجر"

الحسنات

آپ کے لیے کچھ اور کتابیں

مسئلہ ملکیت زمین

- زمین کی شخصی ملکیت از روئے قرآن،
- زمین کی شخصی ملکیت از روئے حدیث،
- مزارعت کا مسئلہ،
- اصلاح کے حدود اور طریقے ـــــ از سید ابو الاعلیٰ مودودی ـ ایک روپیہ

اسلامی ریاست

الف: شہریت کے حقوق و فرائض ـــــ از مولانا امین احسن صاحب اصلاحی ـ ایک روپیہ

ب ـ کارکنوں کی ذمہ داریاں اور اُن کے اوصاف ـ ایضاً ایضاً چودہ آنے

ج ـ اطاعت کے شرائط اور حدود ـــــ " " " " دس آنے

دعوتِ دین

اس کی اہمیت و اس کے مراحل ـــــ از مولانا امین احسن صاحب اصلاحی ـــــ دو روپے بارہ آنے

سرمایہ داری اور اشتراکیت

ہر دو نظامہائے معیشت کا تجزیہ اور اسلامی نظامِ حیات کے پیش کردہ اصول ـ از سید ابو الاعلیٰ مودودی ـ بارہ آنے

تیر و نشتر

ـــــ از مولانا نصر اللہ خاں صاحب عزیز ـــــ دو روپے

عرب کا چاند

حصہ اول (سوانح حیات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) مصنفہ سوامی لکشمی جی مہاراج ـ مجلد تین روپے

اسلام کی بنیادی تعلیمات ـ رسول کی تعلیم ـ نظام اطاعت کی تین کڑیاں ـ اتباعِ رسول ـ مسلمانوں کی پہچان ـ اسلامی انسانیت ـ تدریس القرآن ـ پارہ عم و ایک تا پانچ پارہ ـ فی پارہ ـــــ ۱۴

درس گاہ جماعتِ اسلامی (ہند) کی طرف سے بچوں کے لیے درسی کتب

بالتوں کی کتاب ـ ہماری کتاب (قاعدہ) ہماری کتاب نمبر ۱ ـ ہماری کتاب نمبر ۲ ـ ہماری کتاب نمبر ۳

مکتبہ الحسنات رام پور ـ یو ـ پی

از امۃ الوحید ستیارہ صاحبہ

عبادت

"ننھی کی اماں، اے ننھی کی اماں۔ ابھی سے سوگئیں؟" بی ہمسائی نے دیوار پر سے جھانکتے ہوئے کہا۔

"نہیں تو، ابھی تو مجھے عشاء کی نماز پڑھنی ہے۔ ذرا ننھے کو سُلانے لیٹی تھی کہ نیند کا جھونکا آگیا۔" امی نے نیم خوابیدہ آواز میں کہا۔

عشاء کی اذان ہوچکی تھی۔ میں وضو کے لیے پانی کا لوٹا بھر رہی تھی، ننھی چارپائی پر بیٹھی بیٹھی سو رہی تھی اور اماں بھی تقریباً نیند کی آغوش میں جا چکی تھیں کہ بی ہمسائی نے دیوار پر سے جھانک کر سب کو بیدار کر دیا۔ گرمیوں کے دن تھے۔ ہم سب اوپر رہتے تھے۔ ہم دونوں گھروں کے کوٹھوں کو بس ایک قدِ آدم دیوار نے علیحدہ علیحدہ رکھا تھا۔ بی ہمسائی کی عادت تھی کہ جب کوئی خاص بات دیکھتیں تو اس دیوار پر سے جھانک کر ہمیں ضرور سُناتیں۔ اس وقت بھی وہ ایک خاص بات بتانے آئی تھیں۔ ہمارے گھروں کے سامنے ایک چھوٹا سا مکان تھا، جس میں آج ہی کچھ مہاجر کرایہ دار آئے تھے۔ بی ہمسائی ہمیں بتانے آئی تھیں کہ دیکھو یہ لوگ زمین پر سو رہے ہیں۔

میرا دل تڑپ اُٹھا۔ اتنی سخت گرمی پڑ رہی ہے، زمین ایسی تپ رہی ہے جیسے بخار چڑھا ہوا ہو اور اس حالت میں یہ لوگ ننھے ننھے بچوں کو لیے زمین پر سو رہے ہیں۔ بے اختیار اُٹھ کر سامنے دیوار کے پاس چلی گئی اور جھانک کر اُن لوگوں کی چھت پر دیکھنے لگی۔ خیال بھی آیا کہ یہ کیا بیہودگی ہے کہ دوسرے کے مکان میں جھانکا جائے مگر دیکھتی ہی چلی گئی۔ غریب میاں بیوی کوئی آدھی درجن بچے لیے زمین پر بیٹھے تھے۔ ٹوٹی ہوئی پنکھیاں ہاتھوں میں تھیں اور انھیں زور زور سے ہلا ہلا کر بچوں کی گرمی کم کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ مگر بچوں کو کسی طور چین نہیں آرہا تھا۔ ایک تو ویسے ہی شدت کی گرمی پڑ رہی تھی، دوسرے تپی ہوئی زمین، ماں بار بار انھیں زمین پر لٹاتی تھی اور وہ ہر بار تڑپ تڑپ کر اُٹھ بیٹھتے تھے۔

میری آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔ آہ ایسا دردناک منظر ہے۔ کیا یہ بے کس لوگ رات بھر اسی طرح تڑپتے رہیں گے۔

میں اپنے خیالوں میں گم تھی کہ امی اور بی ہمسائی بھی میرے پاس آ کھڑی ہوئیں۔ اور بڑے درد سے ہاتھ ملنے اور افسوس کرنے لگیں۔

میں نے منہ موڑ کر دیکھا تو ہماری چھت پر قطار در قطار کتنی ہی چار پائیاں بچھی تھیں۔ امی منے کو بھی علیحدہ چار پائی پر سلایا کرتی تھیں۔ نیچے صحن میں بھی چار پانچ چار پائیاں فالتو پڑی تھیں۔ یہی حال بی ہمسائی کے گھر تھا۔ میں نے بے اختیار ہو کر کہا:

"امی یہ نیچے والی تین چارپائیاں انھیں بھیج دیجیے۔ کم از کم بے چارے بچے تو آرام سے سو جائیں۔"

امی ٹھنڈی سانس بھر کر بولیں "ہائے بیٹی ہم بھلا کیا کسی کی مدد کرسکتے ہیں سارا پاکستان ہی مہاجروں سے بھرا ہوا ہے۔ اب کس کی مدد کی جائے کس کی نہ کی جائے۔ اللہ ہی انھیں دے تو دے ہم کیا دیں گے۔" اور امی پھر لگیں ٹھنڈی سانسیں بھرنے۔

بی ہمسائی نے بھی امی کی ہاں میں ہاں ملائی "روز کا دینے والا داتا دے تو دے ہم کیا دیں گے بیٹی۔" اور وہ پھر افسوس کرنے لگیں۔

میں جی ہی جی میں جل اٹھی، منہ سے تو اتنی ہمدردی کا اظہار ہو رہا ہے اور عمل سے کچھ بھی کرنے کو تیار نہیں۔ تھوڑی دیر بعد میں نے پھر جرأت کی:

"امی کم از کم ایک چار پائی ہی بھیج دیجیے دیکھیے تو بچے کس طرح بے چین ہو رہے ہیں۔"

امی پھر لگیں ٹھنڈی سانسیں بھرنے "ہائے بیٹی آخر دینے کا فائدہ کیا ہے کل پھر ان سے لینی ہوگی اور کل رات بھر انھیں زمین پہ سونا پڑے گا۔ ایک دن چار پائی پہ سو لیں گے تو اس سے کیا فرق پڑ جائے گا۔ اچھا ہے بے چارے آج بھی زمین ہی پہ سوئیں کہ عادت پڑ جائے۔"

میں نے ڈرتے ڈرتے کہا: "امی واپس کیوں لینی ہوگی؟ ہمارے پاس اتنی چارپائیاں ہیں ایک انھیں کو دے دیتے ہیں۔"

اس پر امی اور ہمسائی دونوں بول اٹھیں: "اے بچی کس کس کو دوگی یہ لوگ تو لاکھوں کی تعداد میں ہیں، خدا ہی انھیں دے تو دے ہم کیا دیں گے۔" اور وہ دیوار سے ہٹ کر دوسری باتوں میں مصروف ہوگئیں۔

دوسرے دن صبح امی نے ہمیں بتایا کہ آج رمضان المبارک کی ستائیسویں رات ہو گی اس رات عبادت کا بڑا ثواب ہے۔ تم دونوں بہنیں نہا دھو کر تیار ہو جاؤ۔ بی ہمسائی بھی آئیں گی۔ آج رات عبادت کریں گے۔ ہم دن بھر تیاریوں میں معروف رہے سارا دن مجھے سامنے والے مہاجروں کا خیال بھی نہ آیا۔ پرائی مصیبت تھی نا۔ اگر اپنی ہوتی تو کیسے بھول جاتی۔

شام ہوئی، ہم نے نئے کپڑے پہن رکھے تھے، عطر لگا رکھا تھا، چھت پر تخت پوش بچھا کر پاکیزہ بستر بچھایا گیا، اگر بتیاں سلگا کر پاس رکھ لیں، بی ہمسائی بھی بھڑک دار لباس پہن آگئیں۔ اور ہم نے عبادت شروع کر دی۔

نوافل پڑھتے پڑھتے نیند کے جھونکے آنے لگے اور میں نیند دُور کرنے کے لیے سامنے کی دیوار کے پاس ٹہلنے لگی۔

معًا نظر سامنے والی چھت پر جا پڑی۔ بوسیدہ چیتھڑے پہنے ہوئے وہ بے نوا اُسی طرح نیم عریاں بچوں کو لیے تپتی زمین پر پڑے تھے، بچے اُسی طرح تڑپ لوٹ رہے تھے اور ماں باپ اُسی طرح ٹوٹی پنکھیاں جھل جھل کر اُنہیں آرام پہنچانے کی ناکام کوششیں کر رہے تھے۔

اور رات بھر ایسے ہی ہوتا رہا۔ ایک چھت پر منعم عورتیں ریشمی کپڑے پہنے "عبادت" میں مصروف رہیں اور دوسری چھت پر کچھ فاقے کے مارے بھوکے تڑپتے لوٹتے رہے۔

سوچتی ہوں کہ جو کچھ اس رات ہم نے کیا، کیا وہ واقعی عبادت تھی؟ کیا اس سے سچ مچ وہ خدا خوش ہوگا جس کے نبیؐ نے غریب اور پڑوسی کی امداد کا ایسا سخت حکم دیا ہے کہ اگر کسی کے پڑوس میں کوئی تنگی اور فاقے میں مبتلا ہو اور وہ اُس سے بے پروائی برتے تو اس کا ایمان ہی خطرے میں پڑ جاتا ہے +

زیب صاحبہ

فرعون اور ایک مردِ مؤمن کی گفتگو

کچھ عرصے سے موسیٰ اور فرعون میں ٹھنڈی جنگ جاری تھی۔ فرعون اپنے آپ کو
رب الارباب سمجھتے ہوئے بھی عصائے موسوی اور یدِ بیضا کے سامنے عاجز و درماندہ تھا۔ لیکن
اس کے باوجود وہ ایک ایسی قوم کے فرد کا غلبہ ہرگز برداشت نہیں کرسکتا تھا جو عرصے
سے اس کے ملک میں ذلت کی زندگی بسر کر رہی تھی، اور غلامی کے اتھاہ سمندر میں گری
ہوئی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ اگر موسیٰ کی سرگرمیاں اسی طرح جاری رہیں تو صرف بنی اسرائیل ہی نہیں
اس ملک کے تمام باشندے اس کی ٹھوس اور مدلّل تعلیم سے متاثر ہوکر میری خدائی کا انکار کردیں گے۔

چنانچہ ایک دن اس نے یہ معاملہ اپنے ارکانِ سلطنت کے آگے رکھا اور ان سے مشورہ چاہا۔

فرعون (ارکانِ سلطنت سے) "موسیٰ کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ مجھے تو ایسا معلوم
ہوتا ہے کہ اگر اسے زندہ رہنے دیا گیا تو یہ ہماری اُن قومی روایات اور انتظامِ ملک کو تہ و بالا
کرکے رکھ دے گا جو صدیوں سے شاندار طریقے سے چل رہا ہے۔ اور دنیا میں فتنہ و فساد پھیلائے
گا۔ آج مصری تہذیب و تمدن دنیا میں مسلّم ہے۔ ملک فردوسِ بریں بنا ہوا ہے۔ اس کے باغات، خطے
یادگارِ عالم عمارتیں، کارخانے، صنعت گاہیں مرجعِ عالم ہیں۔ آخر کس چیز کی کمی ہے کہ ہم اس کی ساحرانہ
باتوں سے ڈر کر اس کے سامنے جھک جائیں۔ یہ تو ایک ایسی ہستی کو آلۂ کار بناکر ہم سے تاج و تخت
چھیننا چاہتا ہے جسے آج تک کسی نے نہیں دیکھا۔ وہ اپنی رسوائے عالم قوم کو برسرِ اقتدار لانا چاہتا
ہے جو عرصے سے ہمارے ملک میں ذلت اور غلامی کی زندگی بسر کر رہی ہے۔ بھلا ایسے لوگوں سے
انتظامِ مملکت کیسے چل سکتا ہے جن کا رہنما ایک نادیدہ ہستی کی خدائی کا اعلان کرتا ہے اور ملک
کو ترقی کی منزل تک پہنچانے والے تمام ذرائع کو غلط، ناجائز اور ظلم قرار دیتا ہے۔ ایسے کوردوق
اور دقیانوسی خیالات کے لوگوں کے ہاتھ میں اگر انتظامِ مملکت آگیا تو سلطنت کا نظام درہم برہم
ہوکر رہ جائے گا، میرا تو یہی مشورہ ہے کہ اسے قتل کردیا جائے۔"

[illegible] موسیٰ دربار میں موجود تھے اُنھوں نے کہا:

موسیٰؑ: "مَیں ہر اُس متکبر انسان سے جو یومِ جزا پر ایمان نہیں رکھتا خدا کی پناہ چاہتا ہوں — وہ خدا جو میرا اور تمہارا دونوں کا خدا ہے اور مجھے تمہارے مشوروں، فیصلوں اور دھمکیوں سے کچھ خطرہ نہیں کیونکہ میرے لیے اللہ تعالیٰ کی امداد اور نصرت کافی ہے۔"

فرعون کی قوم میں ایک مرد مومن تھا جو در پردہ موسیٰؑ کی تعلیم کو دل سے مان چکا تھا۔ وہ بولا:

مرد مومن: "کیا تم ایک شخص کو صرف اس قصور پر قتل کردوگے کہ وہ اللہ تعالیٰ ہی کو اپنا پروردگار تسلیم کرتا ہے؟ حالانکہ وہ تمہارے پاس اپنے پروردگار کی طرف سے روشن دلیلیں لے کر آیا ہے۔ ایسی زبردست دلیلیں جن کے مقابلے میں تم اپنی متفقہ کوششوں اور پورے ساز و سامان کے ساتھ شکست کھا چکے ہو، مغلوب ہو چکے ہو اور ہار مان چکے ہو۔ میرا مشورہ تو یہ ہے کہ اُسے اُس کے حال پر چھوڑ دیا جائے اور نتیجے کا انتظار کیا جائے۔ اگر یہ جھوٹا ہے تو اس کا جھوٹ ہی اس کا پردہ فاش کردے گا اور وہ جھوٹے دعوے کی بنا پر کبھی کامیابی کا مُنھ نہ دیکھے گا۔ کیونکہ جھوٹوں کو اللہ تعالیٰ کبھی بھی مقصد میں کامیاب نہیں کرتا۔ اور اگر جو کچھ یہ کہتا ہے سچ ہے تو وہ عذاب تمہیں ضرور پہنچے گا جس کا یہ تم سے وعدہ کرتا ہے — اے برادرانِ قوم آج تو تمہاری سلطنت ہے، حکومت ہے اور اقتدار ہے جس کی وجہ سے تم غالب ہو، آج جو چاہو کر سکتے ہو لیکن موسیٰؑ کے قتل کرنے کے بعد تمھیں ان خدائی سزاؤں سے کون بچائے گا جو اس ظلم کی پاداش میں تمھیں ملیں گی؟"

فرعون اپنے اراکینِ سلطنت سے متوجہ ہوا:

فرعون: "میں تو تم کو وہ مشورہ دیتا ہوں جس میں ملک و ملت کا فائدہ ہے اور مَیں جو کچھ دیکھ رہا ہوں تمہاری سمجھ سے باہر ہے۔ مصلحتِ وقت یہی ہے کہ فتنہ و فساد کی آگ بھڑکنے اور ماحول کے بگڑنے سے پہلے ہی اس کا سدِ باب کر دیا جائے یعنی موسیٰؑ کو قتل کر دیا جائے۔"

مردِ مومن: "اے میرے بھائیو مَیں تمہارے اس انجام کے تصور سے کانپ جاتا ہوں جو تم سے پہلے لوگوں کا ہوا۔ مثلاً نوحؑ کی قوم اور عاد و ثمود کی قوموں کا انجام یا اُن لوگوں کا انجام جو اُن سے پہلے تھے۔ ان سب نے اللہ کے رسولوں کو جھوٹا ثابت کرنے کی کوشش کی اور اللہ تعالیٰ کے احکام کو من گھڑت باتیں اور پہلے لوگوں کے قصے کہانیاں کہہ کر ان سے بچنے کی کوشش کی اور پیغمبرانِ حق پر طرح طرح سے ظلم کیا جس کی وجہ سے

اُن پر عذابِ خداوندی کے کوڑے برسنے لگے۔ اور وہ صفحۂ ہستی سے بالکل ہی مٹا دیئے گئے۔ برادرانِ قوم مجھے تو تمہارے متعلق اُس دن کے عذاب کا کھٹکا لگا ہوا ہے جس میں کثرت سے چیخ و پکار ہوگی اور مجرم میدانِ حساب سے ذلیل ہوکر لوٹیں گے، اس دن تم کو اللہ کے عذاب سے کوئی بچانے والا نہ ہوگا۔ آہ! وہ دن کافروں کے لیے بہت سخت ہوگا۔ مایوسی اور گھاٹے کا دن، تباہی اور بربادی کا دن۔ جسے اللہ تعالیٰ اُس کی نافرمانیوں کے باعث گمراہ کرے اُسے کوئی راہ دکھانے والا نہیں۔ اور ہاں! تمہارے پاس یوسفؑ بھی اس سے پہلے واضح دلیلیں لے کر آئے تھے۔ تم نے اُن کی تعلیم کو بھی من حیث القوم مجموعی طور پر قبول نہ کیا۔ حتیٰ کہ اُن کی وفات کے بعد تو تم یہ دعوے کرنے لگے کہ اب اللہ تعالیٰ کسی کو بھی ہماری طرف اپنا پیغام دے کر نہیں بھیجے گا۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے حکموں سے باہر ہو جاتے ہیں وہ ایسی ہی غلط فہمیوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ وہ نافرمان لوگ ایسے کج فہم ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور اُس پر ایمان لانے والوں کے ساتھ بغیر دلیل و حجت جھگڑتے ہیں۔ اور یہ حجت و دلیل کے بغیر جھگڑنا اللہ اور ایمان لانے والوں کے نزدیک بہت ہی ناپسند ہے۔"

فرعون نے اپنے وزیر ہامان سے کہا:

فرعون: "اے ہامان ایسے ذرائع معلوم کرو جن سے میں اپنی ظاہرا آنکھوں سے موسیٰ کے خدا کو دیکھ سکوں۔ مجھے تو اس کی باتوں کا ہرگز یقین نہیں آتا اور میں اسے جھوٹا تصور کرتا ہوں۔"

فرعون ایسی بیہودہ باتیں اس لئے کر رہا تھا کہ اس کو اپنے بُرے اور فسادی کام اچھے نظر آتے تھے اور اسی وجہ سے وہ حق کی طرف سے رُک گیا۔

مردِ مومن: (ارکینِ سلطنت سے) "برادرانِ قوم تم میرے کہنے پر عمل کرو میں تمہیں ٹھیک ٹھیک راستہ بتاؤں گا۔ میرے بھائیو یہ دُنیاوی زندگی تو صرف چند روزہ فائدہ اُٹھانا ہے۔ حقیقی فائدہ تو وہی ہے جو ہمیں دوسری زندگی میں پہنچے گا۔ اس زندگی میں ہمارے ساتھ پُورا پُورا انصاف کیا جائے گا اور ہر ایک کو اُس کے اعمال کا ٹھیک ٹھیک بدلہ ملے گا وہاں بُرے کام کرنے والوں کو سخت سزا دی جائے گی اور نیک کام کرنے والوں کو اچھا بدلہ باغوں، چشموں اور

محلوں کی صورت میں دیا جائے گا اور انھیں بے حساب ملتا رہے گا۔ وہاں مرد عورت کی کوئی تخصیص نہ ہو گی۔ ہر ایک کو اُس کے عمل کے مطابق بدلہ ملے گا۔ اے برادرانِ قوم کیا تمھاری سمجھ پر پتھر پڑ گئے ہیں کہ میں تو تم کو امن اور سلامتی کی طرف بلاتا ہوں اور تم مجھے بگاڑ، بدامنی اور آگ کی طرف بُلاتے ہو۔ تم مجھے ایسے کام کرنے کی دعوت دیتے ہو جن کے صحیح اور حق ہونے کی تمھارے پاس کوئی دلیل موجود نہیں اور میں تم کو اپنے آقا کی طرف بلاتا ہوں جو غالب اور زبردست ہونے کے باوجود معاف فرمانے والا نہایت مہربان ہے۔ میں یقینی دعوے سے کہتا ہوں کہ جن کاموں کی طرف تم مجھے بُلاتے ہو وہ دُنیا اور آخرت میں محض بے حقیقت ہیں اور خدا کی غلامی سے باہر ہو جانے والوں کا انجام آگ ہے۔ میری ان خیر خواہانہ باتوں کو یاد کرو۔ تم ایک دن ضرور پچھتاؤ گے اُس دن پچھتانا کچھ کام نہ آئے گا۔ میرے بھائیو میں نے اپنے تمام معاملات اللہ تعالےٰ کے سپرد کر دیے ہیں بلاشبہ اللہ تعالےٰ اپنے بندوں کے کاموں کو دیکھ رہا ہے۔"

پس اُس کو خداوندِ عالم نے فرعون کی بُری تدبیروں سے بچا لیا اور فرعون اور قومِ فرعون کو اللہ تعالےٰ کے سخت عذاب نے گھیر لیا۔ فرعون کے تمام مشورے اور تجویزیں ناکام ہو کر رہ گئیں +

کوریا کی لڑائی

پچھلی بڑی لڑائی کے بعد سے دُنیا کی ساری حکومتیں دو جتھوں میں بٹ گئی ہیں۔ اور ہر جتھا اس فکر میں لگا ہوا ہے کہ خود زیادہ سے زیادہ طاقت ور ہو جائے اور دوسرے جتھے کو نیچا دکھائے ——— آپ کو تعجب ہوگا کہ لڑائی لڑنے والے جب ایک دوسرے پر آگ برسا رہے تھے تو ان میں سے ہر ایک یہی کہتا تھا کہ وہ دُنیا میں امن قایم کرنے کے لیے یہ سب کچھ کر رہا ہے ——— اور جب لڑائی ختم ہوگئی تو ان امن کا نام لینے والوں نے خود جتھہ بندی شروع کر دی اور ہر ایک دوسرے پر دانت تیز کرنے لگا ——— تم جانو جب کو کسی کے سامنے جواب دینے کا ڈر ہی نہ ہو تو یہ غرض کے بندے اور کر ہی کیا سکتے ہیں۔

ان جتھوں میں سے ایک جتھے کا چودھری روس ہے، اور دوسرے جتھے والے امریکہ اور برطانیہ کے اشاروں پر ناچتے ہیں۔ پچھلی لڑائی کو ختم ہوئے کوئی پانچ سال ہوئے ہیں لیکن اس پوری مدت میں یہ دونوں گروہ جن میں ہر ایک دُنیا میں امن قایم کرنے کا ٹھیکیدار بنتا ہے، ایک دوسرے پر غُراتے ہی رہے ہیں ——— اب آخرکار غُراتے غُراتے یہ ایک دوسرے پر جھپٹ ہی پڑے اور سب سے پہلے کوریا میں ان کی مٹ بھیڑ ہوگئی۔

کوریا برِاعظم ایشیا کے شمال مشرق میں واقع ہے۔ اس کے مشرق میں جاپان، شمال میں منچوریا اور مغرب میں چین ہے۔ جنوب میں یہ سمندر سے گھرا ہوا ہے۔ اس ملک کا رقبہ ۸۵۲۲۵ مربع میل ہے اور آبادی ۲ کروڑ کے قریب ہے۔ لوگ زیادہ تر بُدھ مت، کنفیوشس مت اور تائی مت کے ماننے والے ہیں۔

سنہ ۱۹۱۰ء سے ۱۹۴۵ء تک اس پر جاپان کا قبضہ رہا۔ سنہ ۱۹۴۵ء میں جب

سری بڑی لڑائی میں جاپان ہار گیا تو اس کے شمالی حصے کی سرپرستی
س نے قبول کرلی اور جنوبی حصے کو امریکہ نے اپنی حفاظت میں لے لیا۔
انکہ ۱۹۴۳ء میں قاہرہ کانفرنس میں یہ طے پا چکا تھا کہ جنگ کے بعد کوریا
آزاد کردیا جائے گا ——— لیکن نئی تہذیب کے علمبرداروں نے کبھی کسی
عدے کو وفا ہی کب کیا ہے جو اس وعدے پر قایم رہتے ؟

جب لڑائی ختم ہوگئی تو کوریا کے باشندوں نے آزادی کا مطالبہ شروع
یا ۱۹۴۵ء میں جب ماسکو میں تین بڑوں کے وزیروں کی کانفرنس ہوئی تو یہ
پایا کہ زیادہ سے زیادہ پانچ سال تک روس، امریکہ، برطانیہ اور چین
ملک کی سرپرستی کرتے رہیں اور جب یہ کچھ کچھ اپنے پیروں پر کھڑے
نے کے قابل ہوجائے تو اسے آزاد کردیا جائے۔

آپ کو یہ تو معلوم ہی ہوگا کہ روس کی خواہش یہ ہے کہ ساری دُنیا میں
تراکیت[1] کے اصول پھیل جائیں۔ جس ملک پر بھی روس کا اثر پڑتا ہے وہاں
ب سے پہلے اشتراکی خیالات کو ہی پھیلایا جاتا ہے۔ اس کے برخلاف امریکہ
برطانیہ کی حکومتیں ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں ہیں جو ذاتی سرمائے اور
تی ملکیت کو باقی رکھنا چاہتے ہیں۔ سچ پوچھو تو ان ملکوں کی باگ ڈور
ے بڑے سرمایہ داروں کے ہی ہاتھ میں ہے۔ جس جس ملک میں سرمایہ داروں کا
ج ہے وہاں عام لوگ بہت پریشاں حال رہتے ہیں۔ سرمایہ دار اپنے مال و دولت
حکومت و اختیار کی قوت پر ان بے چاروں کے حقوق مارتے ہیں اور ان کا

---

[1] اشتراکیت یا کمیونزم کے موٹے موٹے اصول یہ ہیں :
۱۔ کسی شخص کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ مال اور دولت کو اپنے قبضے میں رکھ سکے ملک کی ساری
ت، ساری زمین، سب کارخانے غرض یہ کہ سب کچھ حکومت کی مِلک ہونا چاہیے۔
۲۔ حکومت عوام کی ہوتی ہے۔
۳۔ سب لوگوں کو زندگی کی ضروریات حکومت کی طرف سے ملنا چاہییں۔
۴۔ خدا، آخرت اور وحی پر یقین اور ہر قسم کے مذہبی عقائد بالکل غلط ہیں۔ حکومت کسی قسم کی
تعلیم اور مذہبی پابندی کو نہ برداشت کرسکتی ہے اور اُس پر چلنے کی اجازت دے سکتی ہے۔

خون چوس چوس کر موٹے ہوتے چلے جاتے ہیں۔ اس لیے جن جن ملک میں ان کے پنجے گڑے ہوئے ہیں یہ وہاں اشتراکی خیالات کو پھیلنا اپنے لیے بہت خطرناک جانتے ہیں اور پوری کوشش کرتے ہیں کہ کسی طرح یہ تحریک پھیلنے نہ پائے۔

اب آپ جان گئے ہوں گے کہ ان دونوں جتھوں میں دشمنی کیوں ہے —— کوریا میں بھی یہی ہوا۔ جب شمالی کوریا پر روس کا اثر قایم ہوا تو اس نے وہاں کے لوگوں کو اشتراکی خیالات کا بنا دیا۔ اور رفتہ رفتہ اس کا اثر جنوبی کوریا کے باشندوں میں بھی پھیلنے لگا —— امریکہ اور برطانیہ کے لیے یہ صورتِ حال بڑی خطرناک ہے۔ انھیں یقین ہے کہ اگر اس علاقے میں کیونزم پھیل جائے تو پھر یہ وہاں اپنی حکومت قایم نہیں رکھ سکتے اور تھوڑے ہی دنوں میں انھیں جاپان سے بھی ہاتھ دھونا پڑیں گے —— آپ نے سُنا ہوگا ابھی تھوڑے ہی دن ہوئے ہیں کہ چین کے وسیع مُلک میں اشتراکی حکومت قایم ہوچکی ہے اسی لیے امریکہ اور برطانیہ کے لیے اس علاقے میں روس کی سرگرمیوں کو برداشت کرنا آسان نہیں تھا۔

نومبر ۱۹۴۷ء میں امریکہ نے کوریا کے جھگڑے کو اقوامِ متحدہ[1] کی جنرل اسمبلی میں پیش کیا اور یہ تجویز سامنے رکھی کہ کوریا کے رہنے والوں سے رائے لے لی جاوے اور وہ جس قسم کی حکومت کو پسند کریں وہ قایم کردی جاوے۔ روس نے جب دیکھا کہ رائے دینے کا کام اقوامِ متحدہ کی مجلس کی نگرانی میں ہوگا تو اسے ڈر ہوا کہ شمالی کوریا میں اس نے اشتراکیت کے پھیلانے کا جو کام کیا ہے اس کا راز کھُل جائے گا، اور اس طرح اس کے مفاد کو ٹھیس لگے گی۔ چنانچہ اس نے اس رائے کی مخالفت کی۔ اُدھر امریکہ چاہتا تھا کہ روس کا بھانڈا کسی نہ کسی طرح پھوٹ ہی جائے۔ اس نے مئی ۱۹۴۸ء میں جنوبی کوریا میں عام انتخاب کرائے اور جولائی ۱۹۴۸ء میں جمہوری طریقے کی ایک حکومت وہاں قایم کردی۔ ڈاکٹر سی رگمان اس حکومت کے پہلے صدر بنے۔ اور ۱۹۴۹ء میں امریکہ نے اپنی فوجیں بھی کوریا سے واپس بلالیں۔

---

[1] لڑائی کے بعد دُنیا کے قریب قریب سب ملکوں نے مل کر ایک مجلس بنائی ہے [illegible] ملکوں کے آپس کے جھگڑے اس مجلس کے سامنے [illegible] ہوتے ہیں۔

روس بھی امریکہ کی چال کو سمجھ گیا۔ اس نے بھی جواب میں شمالی کوریا سے اپنی فوجیں ہٹالیں اور وہاں ایک آزاد حکومت قایم کرادی۔

یوں دیکھنے میں دونوں جگہ آزاد حکومتیں قایم تھیں۔لیکن یہ ایک دھوکہ تھا۔ شمالی کوریا کی حکومت روس کے اثر میں تھی اور جنوبی کوریا کی حکومت اپنے آقا ـــــ امریکہ ـــــ کے اشاروں پر چل رہی تھی۔

شمالی کوریا کی حکومت نے اشتراکی اثر جنوبی کوریا میں پھیلانا شروع کیا۔ یہ بات تو طے ہے کہ جہاں جہاں امریکہ کا اثر جاتا ہے وہاں عام لوگوں میں بےچینی بےکاری اور مفلسی پھیلنے لگتی ہے اور اس لیے وہاں کمیونزم کا اثر پھیل جانا بہت آسان ہوتا ہے۔ یہی حال جنوبی کوریا کا ہوا۔ وہاں بھی اشتراکی اثر خوب پھیلنے لگا۔ حکومت نے ان حالات کو خطرے کی نظر سے دیکھا اور کمیونسٹ پارٹی کے دو لیڈروں کو پھانسی کی سزا دیدی اور اشتراکیوں کی گرفتاریاں شروع کردیں ـــــ شمالی کوریا نے ان گرفتاریوں کے خلاف آواز اُٹھائی اور اس طرح دونوں کے تعلقات خراب ہونا شروع ہو گئے۔ یہاں تک کہ شمالی کوریا کے کمیونسٹ دستوں نے چھاپے مارنا شروع کر دیے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ آج کل دونوں ملکوں میں بہت خونی لڑائی ہورہی ہے۔

کوریا کی اس لڑائی میں ظالم کون ہے اور مظلوم کون؟ یہ بحث بالکل بےکار ہے۔ جنگ کی آگ لگانے میں دونوں جتھوں نے اپنی جیسی کرنے میں کسر نہیں اُٹھا رکھی تھی۔ سچ تو یہ ہے کہ دونوں ظالم ہیں۔ مظلوم صرف انسانیت ہے۔ دونوں فسادی ہیں اور دونوں کے سامنے سوائے اپنی ذاتی غرضوں کے نہ کسی کی بھلائی ہے اور نہ اخلاق و انسانیت کی حمایت، حالانکہ دونوں بڑھ بڑھ کر یہی دعوے کرتے ہیں کہ وہ اخلاق و انسانیت کے علمبردار ہیں۔

۲۵ر جون کی شام کو دونوں میں باقاعدہ جنگ شروع ہوئی اور اب حال یہ ہے کہ امریکہ کے سمندری اور ہوائی دستے جنوبی کوریا کی طرف سے گھمسان کی لڑائی لڑ رہے ہیں ادھر شمالی کوریا کو روس کی پوری پوری حمایت حاصل ہے۔ اس وقت تک جنگ کا جو رنگ رہا ہے اس میں امریکہ کو بھاری نقصانات

اٹھانا پڑے ہیں اور کمیونسٹ برابر آگے بڑھ رہے ہیں۔۔۔۔۔ اگرچہ ابھی یہ کہنا تو مشکل ہے کہ آخری بال کس کے ہاتھ رہے گا لیکن بظاہر حالات کوریا میں امریکہ کو لڑائی جیتنا بڑا مشکل ہے۔ کوریا کے اکثر باشندے اشتراکیت سے متاثر ہو چکے ہیں اور اخباروں کا کہنا ہے کہ جو لوگ دن میں دھان کے کھیتوں میں کام کرتے دکھائی دیتے ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ ان کو لڑائی سے کوئی واسطہ ہی نہیں ہے، وہی لوگ رات کو حملہ کرتے ہیں اور روس کے فراہم کیے ہوئے ہتھیاروں سے امریکہ کی فوج کے پیر اُکھاڑ دیتے ہیں۔

جناب بدر حسن لکھنوی

فطرت کی راہ

خدا ایک ہے پاک و بے عیب ہے، وہی رب وہی عالم الغیب ہے
رحیم اور رحمٰن اُس کی صفات وہی مالک و حاکمِ کائنات
اُسی کے فلک ہیں اُسی کی زمیں جھکاتے ہیں سب اُس کے آگے جبیں
ہر اک شے پہ رہتی ہے اُس کی نظر شجر ہوں حجر ہوں کہ جن و بشر
وہی مارنے والا' خالق وہی وہی پالنے والا' رازق وہی
اُسی کا دیا کھاتے ہیں سب کے سب ہو کم خور کوئی کہ معدی کرب[1]
خدا کے سوا جتنے بنتے ہیں رب وہ کھانے کے ہوں گے کھلانے کے کب؟
نہ کیوں چھوڑ دیں پھر خداؤں کو ہم بنائے ہنے دیوتاؤں کو ہم
خدا ہی کے آگے جھکے اپنا سر اُسی کے بھروسے پہ باندھیں کمر
اِدھر اور اُدھر ہم نہ جائیں کبھی شیاطیں سے دھوکا نہ کھائیں کبھی
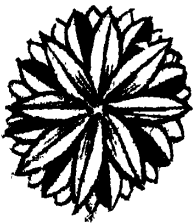
چلیں راہ سیدھی جو فطرت کی ہے
جو حکمت' صداقت' عدالت کی ہے
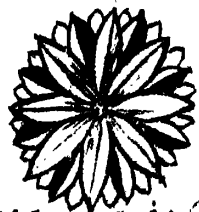
[1] ایک مشہور آدمی جو بہت زیادہ کھانے کے لیے مشہور ہے۔

جناب کپتان حیدر علی صاحب حیدر

پیام!

ظلمت کو پیارے بچو — شرمندہ کر دکھاؤ
ایماں کو پھر سے تم سب — تابندہ کر دکھاؤ
چنگیزیت مٹا دو — خونخواریت مٹا دو
سرمایہ داریت، یا — قارونیت مٹا دو
رنج و الم مٹا دو — دُکھ درد و غم مٹا دو
غارت گری تباہی — ظلم و ستم مٹا دو
خود غرضیاں مٹا دو — مکاریاں مٹا دو
یہ دھوکہ بازیاں اور — عیاریاں مٹا دو
مکر و دغا مٹا دو — ایوان کفر ڈھا دو
شرک و نفاق، کینہ — دُنیا سے تم مٹا دو
آگے قدم بڑھاؤ — دُنیا پہ بڑھ کے چھاؤ
اسلام کا پھریرا — دُنیا پہ تم اُڑاؤ
بھٹکے ہوؤں کو بچو — تم راہِ حق دکھاؤ
اور دل میں ہر بشر کے — خوفِ خدا بٹھاؤ
ارضِ جہاں کو پیارو — جنت نشاں بناؤ
اللہ کی حکومت
دُنیا میں تم چلاؤ

کہانیوں کی کتابیں

کیوں بھئی تم نے کوئی بچہ ایسا بھی دیکھا ہے جس کو کہانیوں کا شوق نہ ہو؟ نہیں تو کوئی ایسا بچہ ملا نہیں۔ ہمیں اُمید ہے کہ تم کو بھی کہانیوں کا شوق ہوگا۔ لیکن بھئی دیکھو کھانے کا شوق کسے نہیں' مگر کنکر پتھر تو کوئی نہیں کھاتا۔ کھانے سے پہلے یہ دیکھو کہ کیا کھا رہے ہو' اسی طرح پڑھنے سے پہلے یہ دیکھو کہ کیا پڑھ رہے ہو۔ ہمیشہ اچھی کتابیں پڑھو اچھی کتابیں تمہیں اچھا انسان بنا دیں گی۔ اچھی کہانیوں کی کتابیں یہ ہیں:

۱۔ **انسان کی کہانی** — اس زمین پر انسانی اخلاق اور تہذیب وتمدن کے اُتار چڑھاؤ کا ایک نہایت دلچسپ خاکہ جس کو پڑھ کر تم یہ فیصلہ کرسکو گے کہ انسان جانوروں کی نسل سے ہے یا دُنیا کا پہلا انسان نہ صرف یہ کہ نبی بلکہ خدا کا خلیفہ تھا ——— قیمت ۱۲/

۲۔ **غار والے** — اصحاب کہف کا قصہ' اور حضرت یونس علیہ السلام کا واقعہ۔ تم کو ان سے کیا نصیحت ملتی ہے ——— قیمت ۵/

۳۔ **گاؤں والے** — "اصحاب القریہ" کا واقعہ تمہارے لیے ایک سبق اور نصیحت ——— قیمت ۵/

۴۔ **سنیچر والے** — "اصحاب السبت" کا واقعہ۔ موجودہ زمانے میں مسلمان رہنے کے لیے ایک مفید نصیحت ——— قیمت ۵/

۵۔ **کون ہے راجہ؟** — دو دلچسپ اور سبق آموز کہانیوں کا مجموعہ ——— قیمت ۵/

۶۔ **سدھارکی سبیل** — بچوں کے لیے مفید اور کارآمد مشورے ——— قیمت ۴/

۷۔ **ہاضمے کا چورن** — ایک دلچسپ اور سبق آموز تمثیل ——— قیمت ۵/

۸۔ **شاہین** — ایک سبق آموز کہانی ——— قیمت ۴/

ان کتابوں کے ٹائٹیل بڑے خوب صورت ہیں تم انھیں دیکھ کر ضرور پسند کروگے

منیجر مکتبۂ الحسنات رام پور۔ یو۔ پی

نوٹ: پاکستانی بچے ان کتابوں کو (۱) مکتبۂ فلاحِ انسانیت۔ ۹۔ نوتیا بلڈنگ آرام باغ کراچی یا (۲) دفتر کوثر گوال منڈی لاہور سے منگائیں۔

جامعہ ملیہ اسلامیہ
جامعہ نگر (دہلی)

آپ کیا کریں؟

مسلم خواتین کیلئے راہِ عمل!

مسلمان بننے اور مسلمان رہنے کی جدوجہد میں خواتین کی ذمہ داریاں کیا ہیں؟

- اسلامی زندگی کو بروئے کار لانے کیلئے خواتین کس طرح مردوں کی شریکِ کار بن سکتی ہیں؟
- مسلمان گھرانوں میں اسلامی روح کی بیداری کا کام خواتین کس حد تک اور کس طرح انجام دے سکتی ہیں؟
- اس کتاب میں انہی باتوں کا جواب دینے کی کوشش کی گئی ہے

توقع ہے کہ یہ کتاب خواتین میں جذبۂ عمل ابھارنے کے ساتھ ساتھ ان کے سامنے ان کے اپنے میدانِ عمل کا ایک واضح نقشہ بھی پیش کرے گی۔

ظاہری حسن کے لحاظ سے بھی کتاب دیدہ زیب ہے۔ قیمت ۱۴

مکتبہ الحسنات رامپور - یو۔پی

۱۹۵۰ء

إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ

بلاشبہ نیکیاں برائیوں کو دور کرتی ہیں۔

الحسنات

رامپور

مدیر: ابوسلیم محمد عبدالحی

چندہ
سال بھر کے لیے ۲۴ رسالے ۔ پانچ روپے آٹھ آنے
چھ ماہ کے لیے ۱۲ رسالے ۔ تین روپے
فی کاپی ۔ چار آنے

فہرست مضامین

محمد عبدالحی طابع و ناشر نے مرتضیٰ برقی پریس رامپور میں چھپوا کر دفتر الحسنات رامپور (یو۔ پی) سے شائع کیا

احساسات

اگر آپ کو کوئی ایسا آدمی ملے جو سخت بیمار ہو اور جو شہر کے سب سے بڑے طبیب کے بارے میں تو یہ کہتا ہو کہ "وہ بہت اچھا علاج کرتا ہے۔ اس کی دوائیں بہت عمدہ ہیں۔ اس کو مرض کی پہچان ہے۔ اللہ نے اس کی دواؤں میں اثر رکھا ہے ——" لیکن —— وہ اس طبیب سے اپنا علاج نہ کرائے بلکہ یوں ہی راستہ چلتوں کی بتائی ہوئی باتوں پر اپنا روپیہ اور وقت کھوتا ہے تو آپ اسے کیا کہیں گے؟ آپ یقیناً یہی کہیں گے کہ وہ یا تو اس طبیب کو ایک اچھا طبیب ماننے کا جھوٹا اقرار کرتا ہے، یا پھر وہ عقل سے کورا ہے اس طرح کسی اچھے طبیب کو اچھا ماننا یا نہ ماننا دونوں برابر ہیں۔

بہت سے غیر مسلم ایسے ہیں جو اسلام کی بڑی تعریفیں کرتے ہیں۔ کہتے ہیں اس مذہب میں سچائیاں ہیں۔ انسانی زندگی کے لیے اسلام بہت اچھا نظام ہے۔ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) واقعی سچے تھے۔ خدا کی جو صفات اسلام بتاتا ہے وہ سب ٹھیک ہیں۔ خدا ایک ہے وغیرہ وغیرہ —— لیکن وہ اسلام قبول کرنے کا اعلان نہیں کرتے۔ ایسے لوگوں کی زبان اور عمل میں فرق دیکھ کر آپ کو یہی سمجھنا چاہیے کہ یہ جھوٹے ہیں۔ اگر واقعی انھیں اسلام سب مذہبوں سے اچھا دکھائی دیتا وہ اسے قبول ہی نہ کرلیتے۔ یا پھر آپ کو یہ سمجھنا چاہیے کہ ایسے لوگوں کی عقل ماری گئی ہے یہ کہتے کچھ ہیں اور کرتے کچھ ہیں —— لیکن آپ کو یہ سن کر تعجب ہوگا کہ آج کل مسلمان اگر غیر مسلموں سے اپنے مذہب کے بارے میں دو ایک تعریف کے جملے سن لیتے ہیں تو بڑے خوش ہوتے ہیں۔ ان جملوں کو بار بار دُہراتے ہیں اور اگر ہوسکتا ہے تو انھیں اسلام کی سچائی کے ثبوت میں پیش کردیتے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ آپ اس بارے میں کوئی غلطی نہ کریں۔ اسلام کی سچائی اس بات کی محتاج نہیں ہے کہ کوئی اس کی سچائی کی

گواہی دے۔ سورج روشن ہے۔ کوئی اُسے روشن کہے یا نہ کہے وہ روشن ہی ہے
اور جو کوئی سورج کو دیکھ کر بھی اسے روشن نہیں کہتا وہ در اصل اپنے اندھے
ہونے کا اعلان کر رہا ہے۔ اسی طرح اسلام ایک سچائی ہے ——— دُنیا کی
سب سے زیادہ سچی بات ——— اب اگر کوئی اسے جاننے اور سمجھنے کے بعد
بھی اس کی سچائی کی گواہی نہیں دیتا تو وہ بے چارہ اپنی بے عقلی اور بے سمجھی
کا ثبوت دے رہا ہے۔ رہ گئے وہ لوگ جنھوں نے کبھی اسے سمجھا اور جانا ہی
نہیں ہے تو ان بے چاروں کا انکار، انکار ہی کب ہوا۔ ایک ایسا اندھا جو ماں
کے پیٹ سے ہی اندھا پیدا ہوا ہو اگر یہ کہے کہ سورج تو کالا ہے اور اُس میں
روشنی بالکل نہیں ہے تو آپ اُس کی بات سُن کر افسوس ہی کریں گے کہ اس
بے چارے کو اصل بات کا پتہ ہی نہیں، یہ اگر ایسا نہ کہے تو کیا کہے۔

اب اگر کوئی غیر مسلم اسلام کی تعریف کرتا ہے اور اُس کے پاکیزہ اصولوں
کو سراہتا ہے تو وہ کوئی عجیب بات نہیں کرتا اور نہ کسی پر احسان کرتا ہے
سورج کو روشن کہنے والا سورج کی تعریف کرکے بھلا سورج پر کیا احسان
کرسکتا ہے۔

اچھا یہ تو سوچیے کہ جو لوگ اسلام کے اصولوں کی تعریف کرتے ہیں ——— یوں ہی
نہیں بلکہ جان بوجھ کر اور سوچ سمجھ کر تعریف کرتے ہیں، لیکن پھر بھی ان اصولوں
کو اختیار نہیں کرتے کیا ایسے لوگ سب کے سب جھوٹے ہیں؟ یا سب کے سب
دیوانے ہیں؟ ایسے لوگ مسلمانوں میں کثرت سے موجود ہیں اور کبھی کبھی غیر مسلموں
میں بھی ایسے لوگ مل جاتے ہیں ——— آپ یہی کہیں گے کہ یہ لوگ نہ تو
جھوٹے ہیں، اس لیے کہ ایسا کوئی دباؤ موجود نہیں ہے جس کی وجہ سے یہ خواہ
مخواہ جھوٹ بولیں اور نہ ان کو کوئی دیوانہ ہی کہہ سکتا ہے ——— پھر آخر
یہ بات ہے کہ ان کی باتوں اور ان کے کاموں میں اس درجہ اختلاف پایا
جاتا ہے؟ بات کچھ اور ہے!

آپ نے کبھی یہ بھی غور کیا ہے کہ جو لڑکے برابر دوڑتے رہتے ہیں وہ دوڑ کے امتحان والے دن بھی خوب دوڑتے ہیں اور انعام پاتے ہیں، لیکن جن لڑکوں کو مشق نہیں ہوتی وہ چاہے دوڑنے کی کیسی ہی تعریف بیان کریں لیکن امتحان کے دن کسی بڑے سے بڑے انعام کا لالچ بھی انھیں دوڑنے کے لیے تیار نہیں کر سکتا۔ یوں اگر آپ چاہیں تو وہ دوڑنے کے فوائد پر ایک تقریر بھی کر دیں گے۔ شاید کوئی اچھے سے اچھا مضمون بھی لکھ دیں۔ لیکن وقت آنے پر دوڑ نہیں پائیں گے ——— نیکی اور بدی کا بھی کچھ ایسا ہی قاعدہ ہے۔ جو لوگ اپنی زندگی میں برابر نیک کام کرتے رہتے ہیں جن کے دل اپنے سچے مالک کی طرف رجوع رہتے ہیں، جن کو اُس مالک کے سامنے حاضر ہونے کا دھیان رہتا ہے، اُن کے دلوں میں یہ صلاحیت باقی رہتی ہے کہ وہ جب کسی بھلی بات کو جان لیتے ہیں تو پھر اُسی کے مطابق اپنی زندگی کو ڈھال بھی لیتے ہیں ——— اس کے برخلاف جن لوگوں کا وقت بُرے کاموں میں گزرتا ہے، جنھیں کبھی اپنے مالک کا دھیان بھی نہیں آتا اور جن کے دل اس بات سے بالکل بے فکر ہوتے ہیں کہ کبھی انھیں اپنے کاموں کا بدلہ بھی ملنا ہے وہ جب کسی اچھی بات کو سُنتے ہیں تو چاہے اُن کی عقل یہ فیصلہ ہی کر دے کہ واقعی وہ بات اچھی ہے لیکن وہ جاننے اور سمجھنے کے بعد بھی ان اچھائیوں کو قبول نہیں کر سکتے۔ وہ دور سے ہی اچھی باتوں کی تعریف کر سکتے ہیں اور اس کے بڑے بڑے فائدے گنا سکتے ہیں لیکن اپنی زندگیوں میں کوئی تبدیلی کر لینا ان کے لیے بہت ہی مُشکل کام ہوتا ہے۔

ایسے تمام مسلمان اور تمام غیر مسلم جو بس اسلام کی تعریف ہی کرتے ہیں اور اُس کے اصولوں کو بہترین کامیابی کا ذریعہ بتاتے ہیں، در اصل اسی مرض میں مبتلا ہیں۔ ان کی زندگی کا ڈھنگ اور ان کے سوچنے سمجھنے کا طریقہ کچھ ایسا ہے کہ اُس نے ان کے دلوں کو ٹیڑھا کر دیا ہے ——— اللہ تعالیٰ کا مستقل قانون بھی ہے۔ جو لوگ اُس کی یاد اور اُس کے دھیان سے غفلت برتتے ہیں اُن کے دل تنگ ہو جاتے ہیں اور ہدایت کی راہ اختیار کر لینا ان کے لیے ناممکن ہو جاتا ہے۔

ے راستے پر چلنے کی یہ سب سے سخت سزا ہے جو انسان کو ملتی ہے۔ وہ جس قدر
ئی کے راستے پر چلتا رہتا ہے اُسی قدر اچھائی کا قبول کرلینا اُس کے لیے دُشوار
جاتا ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جنھیں ہدایت نصیب نہیں ہوتی۔ یہی وہ لوگ ہیں جو حق کو
یان چلنے کے بعد بھی حق کا ساتھ نہیں دے سکتے ـــــ ہاں وہ لوگ جن کے
ل تنگ نہیں ہوتے اور نہ جن کی عقل پر پردے پڑے ہوئے ہوتے ہیں وہ اگرچہ
راہ ہوں، لیکن جیسے ہی اُن کے سامنے حق آتا ہے اور اُن کی عقل یہ فیصلہ کردیتی
ہے کہ یہی حق ہے تو پھر کوئی طاقت انھیں حق کے راستے سے نہیں روک سکتی۔ یہ
ب بندشوں کو توڑ تاڑ کر ایک چھلانگ لگاتے ہیں اور ہر قسم کے نفع نقصان کے
ال کو الگ رکھ کر حق کا ساتھ دینے کے لیے اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ یہ حق کی
ریف کم کرتے ہیں حق کا ساتھ زیادہ دیتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کو اتنی سمجھ
تی ہے کہ سُورج کی روشنی اس لیے نہیں ہے کہ اس کی شان میں کوئی قصیدہ
ھا جائے بلکہ سُورج کی روشنی اس لیے ہے کہ کھُلی آنکھوں اس سے کام لیا جائے
ر فائدہ اُٹھایا جائے۔

ہمارے حسناتی بہنوں اور بھائیوں کے لیے جو ابھی دُنیا کے میدان میں
رنے کی تیاری کر رہے ہیں یہ بات بہت اہم ہے انھیں یہ فیصلہ کرنا چاہیے
وہ دُنیا میں عملی انسان بن کر رہیں گے۔ اللہ کی دی ہوئی عقل سے کام لیں گے۔
ر جب انھیں معلوم ہو جائے گا کہ حق کیا ہے اور باطل کیا۔ تو وہ بے جھجک
ق کا ساتھ دیں گے۔ دُور سے کھڑے کھڑے تعریف کرنا یا دوسروں کی
ریف پر بغلیں بجانا در اصل حق کے ساتھ مذاق کرنا ہے ـــــ اللہ تعالیٰ
م سب کو اس بُرائی سے بچائے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَيٰقَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِيْٓ اَنْ يُّصِيْبَكُمْ مِّثْلُ مَآ اَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ اَوْ قَوْمَ هُوْدٍ اَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ ؕ وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ ۝ وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ؕ اِنَّ رَبِّيْ رَحِيْمٌ وَّدُوْدٌ ۝

(سورۂ ہود۔ رکوع ۹)

اور اے برادرانِ قوم! میرے خلاف تمہاری ہٹ دھرمی یہ نوبت نہ پہنچا دے کہ آخرِ کار تم پر بھی وہی عذاب آ کر رہے جو نوح یا ہود یا صالح کی قوم پر آیا تھا۔ اور لوط کی قوم تو تم سے کچھ زیادہ دُور بھی نہیں ہے۔ دیکھو اپنے رب سے معافی مانگو اور اس کی طرف پلٹ آؤ' بے شک میرا رب رحیم ہے اور اپنی مخلوق سے محبت رکھتا ہے۔

(تفہیم القرآن)

تشریح

حضرت شعیب علیہ السلام کی تقریر اپنی قوم سے جاری ہے۔ آپ کے جواب کا کچھ حصہ آپ پہلے رسالے میں پڑھ چکے ہیں۔ اب حضرت شعیبؑ ایک دوسرے اہم پہلو کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں۔ حق کو قبول کرنے کے راستے کی سب سے بڑی رُکاوٹ ہٹ دھرمی ہے۔ ہوتا یہ ہے کہ انسان کی عقل ایک بات کا فیصلہ کر دیتی ہے لیکن دل اُسے نہیں مانتا دل کے

تھ خواہشات لگی ہوتی ہیں' ان خواہشات کا دباؤ اُس کو عقل کے فیصلے
، مطابق کام نہیں کرنے دیتا۔ بات سمجھ میں آجاتی ہے لیکن کچھ رُکاوٹیں
ی ہوتی ہیں جن کی وجہ سے عمل اس کے بالکل خلاف ہوتا ہے ـــــ
ں ہٹ دھرمی ہے۔ انسان کو سچائی کے راستے پر چلنے کے لیے یہی سب سے
ی رُکاوٹ ہوتی ہے۔

ہٹ دھرمی انسان کو صحیح راستوں پر چلنے سے اور سچی بات کو
ول کرلینے سے روک دیتی ہے۔ اس کا نتیجہ ہمیشہ انسان کے حق میں بُرا
ں نکلتا ہے۔ حضرت شعیب علیہ السلام اپنی قوم کو متوجہ کر رہے ہیں کہ تم
ے پہلے جو لوگ گذر گئے ہیں اُنھوں نے جب ہٹ دھرمی اختیار کی اور
ق کا ساتھ نہ دیا تو اُن کا انجام کس قدر خراب ہوا۔ ان کا انجام تمھارے
ے ایک سبق ہے چاہیے کہ تم اُس سے نصیحت حاصل کرو۔

۲۔ ہم سے پہلے جو لوگ گذر چکے ہیں اُن کے حالات ہمارے لیے بہت
سبق کا سامان رکھتے ہیں ہوسکتا ہے کہ آج ہم جس راہ پر چلے جا رہے
ں اس کا انجام ہمیں یقینی طور پر معلوم نہ ہو۔ لیکن اگر ہم یہ غور کریں کہ
م سے پہلے جن لوگوں نے اس راستے کو قبول کیا اُنھیں کیسا نتیجہ ملا تو
بات ہمارے لیے بہت مُفید ہوسکتی ہے اور اس طرح ہم زیادہ اچھا
ستہ اختیار کرسکتے ہیں۔ پچھلوں کے کاموں کے نتیجوں سے سبق حاصل
نا بڑی خوش نصیبی ہے۔

لیکن پچھلی تاریخ سے صحیح فائدہ اُٹھانے کے لیے ضروری ہے کہ ہم کو
صحیح حالات معلوم ہوں اور ہم اُن پر کھُلے دل سے غور کریں۔ آپ نے
یکھا ہوگا کہ جو لوگ آنکھوں پر کوئی رنگین عینک لگا لیتے ہیں اُنھیں ہر چیز
ی رنگ میں رنگی ہوئی دکھائی دیتی ہے جس رنگ کی عینک ہوتی ہے۔ اسی طرح
لوگ پچھلی تاریخ پر نظر ڈالنے سے پہلے کسی خاص خیال کو دل پر جما لیتے ہیں
ھیں پھر سارے واقعات اُسی رنگ میں رنگے ہوئے دکھائی دیتے ہیں
پہلے سے اُن پر چڑھا ہوتا ہے ـــــ یہ بھی ہٹ دھرمی کی ہی ایک

قسم ہے۔

مثلاً آج کل کچھ لوگوں پر پیٹ کا بھوت سوار ہے انھیں دنیا میں روٹی اور پیٹ کے علاوہ کچھ دکھائی ہی نہیں دیتا۔ ان کے نزدیک انسان کی ساری زندگی بس پیٹ کے تقاضے پورا کرنے کا نام ہے۔ اخلاق، تمدن، مذہب، سیاست، میل، محبت، رشتے اور ناتے۔ غرض یہ کہ ہر چیز کا مدار ان کے نزدیک روٹی پر ہی ہے۔ ان کا خیال ہے کہ آج تک پچھلے لوگوں نے مذہب و اخلاق کے نام پر جو کچھ کوشش بھی کی ہے ان سب کی اصل روح روٹی ہی ہے۔ انھیں ساری تاریخ پیٹ کے گرد ہی گھومتی نظر آتی ہے۔ ان کے نزدیک آج تک اخلاقی اور روحانی اصلاح اور ترقی کی جو کوششیں بھی ہوئی ہیں ——— چاہے وہ اللہ کے نبیوں نے کی ہوں یا اس کے دوسرے نیک بندوں نے ——— وہ سب کی سب پیٹ کی ہی خاطر تھیں۔ ان لوگوں نے انسان کی ساری پچھلی تاریخ کو اس انداز میں پیش کیا ہے کہ گویا وہ صرف مال و دولت اور اقتدار کی کشمکش ہی تھی ——— آپ سمجھے اتنی بڑی حماقت کسی انسان سے کس طرح ہوگئی۔ بات وہی ہے جس سے حضرت شعیب علیہ السلام اپنی قوم کو روک رہے ہیں۔ یعنی کسی بات پر غور کرنے سے پہلے محض ہٹ اور ضد کی وجہ سے کسی بات پر اڑ جانا۔ جن لوگوں نے اشتراکیت کے اصولوں کی رنگین عینک لگا کر پچھلی تاریخ پر نظر ڈالی ہے انھیں وہاں بھی سوائے روٹی اور پیٹ کے کچھ نظر نہیں آتا ——— جن لوگوں نے پہلے یہ مان لیا کہ انسان کی اصل حیوان ہے یعنی پہلے یہ ادنیٰ قسم کا جانور تھا پھر رفتہ رفتہ بندر بنا اور آخرکار انسان ہو گیا۔ انھیں اگر اخلاق، روحانی پاکیزگی اور انسانیت کے بدلے انسان کی پچھلی تاریخ میں صرف پیٹ ہی پیٹ دکھائی دے تو کیا تعجب کی بات ہے۔ خدا سے انکار کے بعد انسان کو اس طرح بھٹکنا ہی پڑے گا۔ ایک سب سے بڑی حقیقت کے انکار کا نتیجہ اس کے سوا اور ہو بھی کیا سکتا ہے؟

(۳) سچی کامیابی کے لیے ہٹ دھرمی کے مقابلے میں اپنی غلطیوں کو تسلیم کر لینا مفید ہے۔ جو شخص اپنی پچھلی کوتاہیوں پر نظر کر لیتا ہے اور آئندہ

کے لیے ان سے بچنے کا فیصلہ کرلیتا ہے وہ یقیناً کامیاب ہو جاتا ہے۔ حضرت شعیب علیہ السلام اپنی قوم کو یہی نصیحت فرما رہے ہیں کہ اب تک جو کچھ ہو چکا سو ہو چکا اُس پر اَڑنے کی ضرورت نہیں۔ اپنی غلطیوں کو پہچانو۔ اُن سے معافی مانگو اور اب صحیح راستے کی طرف پلٹ آؤ۔

(۴) اگر کوئی شخص کسی روش پر مدّتوں چلتا رہتا ہے تو پھر اُس کے لیے کسی دوسری راہ پر چل پڑنا کافی مشکل ہوتا ہے۔ جہاں اور بہت سی باتیں اس کے قدموں کو صحیح راہ پر چلنے سے روکتی ہیں وہاں ایک بات یہ بھی ہوتی ہے کہ اسے جب اپنی زندگی کا ایک بڑا حصہ ایک قسم کے کاموں میں گذرا ہوا دکھائی دیتا ہے تو اُس پر اس خیال سے مایوسی چھا جاتی ہے کہ اب وہ ان سب سے تعلق توڑ کر بالکل نئے ڈھنگ سے کس طرح زندگی بسر کرے۔

اس مایوسی کو دُور کرنے کے لیے یہ عقیدہ بہت ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ غفور ہے اور رحیم ہے جب تک انسان کو یہ یقین نہ ہوجائے کہ اب تک جو کچھ لغزشیں ہو چکی ہیں وہ ان کی سزا سے بچ سکتا ہے اور اب تک جو زندگی بے مقصد صرف ہوئی ہے اُس کی تلافی بھی ہوسکتی ہے۔ اس وقت تک اس کے لیے کسی نئی راہ کو اختیار کرلینا بہت مشکل ہوتا ہے۔ یہ یقین کہ اللہ تعالیٰ ہماری اب تک کی ساری کوتاہیوں کو معاف فرما سکتا ہے بشرطیکہ ہم اُس کی طرف پلٹ آئیں اور یہ ایمان کہ اللہ تعالیٰ بے حد مہربان اور محبّت کرنے والا ہے۔ انسان میں کسی نئی راہ کو قبول کرلینے کا حوصلہ پیدا کر دیتا ہے۔ اس یقین اور ایمان کی قوت پر انسان اپنی پچھلی غلطیوں کی طرف سے بے فکر ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے کرم اور رحم کی اُمید پر اس کو بڑے سے بڑا اطمینان میسر آجاتا ہے۔ اس طرح کی بے فکری اور اطمینان کے بعد اس کے لیے کسی نئی زندگی کا شروع کرنا آسان ہو جاتا ہے +
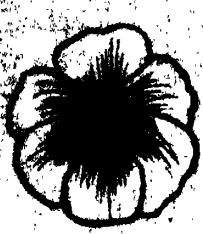
خدا ایک ہے!
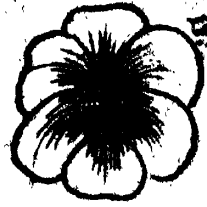
اگر دو خدا ہوتے سنسار میں
تو دونوں بلا ہوتے سنسار میں

خطرناک ہوتا زمانے کا رنگ
ہوا کرتی ہر روز دونوں میں جنگ

اِدھر ایک کہتا کہ "میری سنو"
اُدھر ایک کہتا "میاں چپ رہو"

ادھر ایک کہتا کہ "بھائی مرے
رہے! آج دُنیا میں بارش بہے"

بگڑ کر اُدھر دوسرا بولتا
"نہیں! آج ہے دھوپ کا فیصلہ!"

غرض جس طرح یہ اُسے روکتا
اُسی طرح وہ بھی اِسے ٹوکتا!

بگڑ کر چھڑی مارتا اک خدا
تو پھر دوسرا اُس پہ چڑھ بیٹھتا

خدا دونوں بس لڑتے جاتے یوں ہی
شب و روز اودھم مچاتے یوں ہی

زمیں کانپتی، آسماں کانپتا
اس اودھم سے سارا جہاں کانپتا

تو دُنیا کے یہ بحر و بر خشک و تر
بہت جلد ہو جاتے زیر و زبر

یہ تارے، یہ تاروں کی جھرمٹ میں چاند
بُری طرح گر پڑتے ہو ہو کے ماند

نہ ہم ہوتے بچو! جہاں میں نہ تم
سرے سے جہاں بلکہ خود ہوتا گم

حقیقت میں اپنا خدا ایک ہے
جو یہ مانے، سچا ہے اور نیک ہے!

از ع۔ح۔ شاہد صاحب
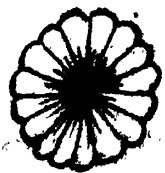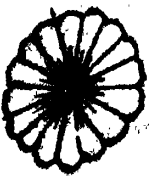
بُندے

"یہ لو راشدہ! تمھارے لیے بُندے لایا ہوں، دیکھو کیسے اچھے ہیں، خالص سونے کے ہیں۔" حمید نے ہلکے تبسم کے ساتھ بُندوں کی کھلی ہوئی ڈبیا اپنی بیوی کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا: "بس نہ کہتا تھا کہ گاہک جنس لینے دو، اسی وقت لادوں گا مگر تم تھیں کہ بے جا ضد کیے جاتی تھیں عید قریب آگئی ہے، عید پر کیا پہنوں گی، ابھی لادیں فوراً لادیں" حمید نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔

راشدہ کروشیا اور دوپٹہ ایک طرف پھینک ایک ہی جست میں خاوند کے پاس پہنچ گئی اور بُندوں کی ڈبیا جلدی سے لے کر دیکھتے ہی کہنے لگی: "کتنے اچھے بُندے کیسے پیارے ہیں۔" راشدہ کا دل بلیوں اچھلنے لگا، چہرہ فرطِ مسرت سے بُندوں کے کُندن کی مانند دمکنے لگا، اس کی ہر حرکت سے بے شمار خوشیاں ٹپک رہی تھیں۔ خوشی کے اس عالم میں راشدہ بھاگی بھاگی بالاخانے پر گئی اور بڑی تعریفوں کے ساتھ ساس اماں کو بُندے دکھانے لگی ساس اماں نے بُندوں کو بغور دیکھا اُن کی بناوٹ، خوب صورتی اور چمک دمک دیکھ کر تعریف کیے بغیر نہ رہیں۔

"کتنے میں آئے ہیں بیٹی راشدہ؟" سر پر سے سرکتے ہوئے دوپٹے کو تھامتے ہوئے ساس اماں نے پوچھا۔

"خالہ جی! مجھے تو معلوم نہیں۔ وہی جانتے ہیں۔" راشدہ نے ساس اماں کے پاس بیٹھتے ہوئے کہا۔

قدرے توقف کے بعد حمید کی امی ڈبیا بند کرتے ہوئے بولیں: "بیٹا حمید! تم بھی اوپر آجاؤ اتنی دیر سے نیچے کیا کر رہے ہو۔"

"ابھی آیا، امی جی کپڑے بدل رہا ہوں" حمید نے بیٹھک کے دروازے سے اوپر جھانکتے ہوئے کہا۔

"اری نجمہ کہاں ہو، اِدھر آؤ۔ کیا کر رہی ہو تم؟" امی نے چاولوں کو

مٹی کنکر وغیرہ سے صاف کرتے ہوئے کہا۔ نجمہ باہر کے کمرے سے دوڑی ہوئی آئی اور کہنے لگی: "بھائی جان کی اچکن میں بٹن ٹانک رہی تھی امی جی۔"

"شاباش! بڑی اچھی لڑکی ہو تم۔ یہ دیکھو بیٹی! تمہارے بھائی جان تمہاری بھابی راشدہ کے لیے کیسے خوب صورت بندے لائے ہیں۔" نجمہ کو پیار سے پاس بٹھاتے ہوئے کہا۔

"آہا! یہ تو بہت ہی اچھے ہیں، امی جی!" نجمہ نے امی کے ہاتھوں سے بندوں کی ڈبیا لیتے ہوئے کہا۔ "امی جی! اب یہ بندے میں کسی کو نہ دوں گی، خود پہنوں گی۔" نجمہ نے خوشی میں اچھلتے ہوئے کہا۔

"دیکھو بیٹا! تم پھر بے جا باتیں بنانے لگی ہو۔ تمہیں کئی بار سمجھایا ہے کہ دوسروں کی چیز پر اپنا حق جتانا گناہ ہے۔" امی نے نجمہ کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

"تو امی جی، پھر مجھے بھی ایسے ہی بندے لا دیں نا۔" نجمہ نے عاجزانہ انداز میں کہا۔

نجمہ کو تسلی دیتے ہوئے اس کی امی کہنے لگیں: "اچھا بیٹی! تمہارے بھائی جان سے کہوں گی، تمہیں بھی لا دیں۔"

"امی جان! بھائی جان تو مجھے کبھی کچھ لا کے نہیں دیتے، وہ تو بھابی راشدہ کو لا کر دیتے ہیں یا پھر باجی کو دیتے ہیں۔" نجمہ ذرا تیزی سے بولی۔

"دیکھو بیٹی چپ رہو، اپنے سے بڑوں کو ایسی باتیں ہرگز نہ کہنی چاہییں۔ بڑوں کا ہمیشہ ادب کرنا چاہیے۔" امی چمک کر بولیں۔ "اور سنو بیٹی! ابھی تم کم سن ہو، نا سمجھ ہو، تمہیں کیا علم، بچوں کا زیور پہننا کس قدر خطرناک ہے۔ بیٹی نجمہ! زیور پہنے ہوئے بچوں کو چور اور برے لوگ جان سے مار دیتے ہیں اور زیور اتار کر لے جاتے ہیں۔ اس وقت علم کا زیور ہی فائدہ مند ہے۔" امی نے غصے کو دور کر کے نجمہ کو گود میں لیتے ہوئے سمجھانا شروع کیا۔ "اچھا جاؤ کتاب لاؤ اور سبق سناؤ، کیا سبق یاد کیا ہے آج؟" نجمہ کے سر پر نہایت شفقت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے اس کی امی نے کہا۔ "نہیں تو امی جی!" نجمہ نے آہستہ سے جواب دیا۔ "کیوں یاد نہیں کیا؟" امی نے ذرا ڈانٹتے ہوئے کہا۔ نجمہ نے رونی صورت بنا کر کہنا شروع کیا: "انیس بھائی سکول سے آتے ہی ایک کتاب پڑھنے بیٹھ گئے، جب میں نے انہیں سبق پڑھانے کو کہا تو مجھے جھڑک دیا۔ میں خاموش بیٹھ گئی اور بٹن ٹانکنے لگی۔" "ذرا بلانا تو انیس کو" امی نے کہا۔ تھوڑی دیر بعد نجمہ برابر والے کمرے سے انیس کو ساتھ لے کر آ گئی۔ "کیوں بیٹا انیس! آج تم نے نجمہ کو سبق نہیں پڑھایا۔ وہ کونسی اتنی ضروری کتاب ہے جو تم پڑھ رہے تھے؟" امی نے انیس سے پوچھا۔

...... انیس یہی نظریں کیے خاموش کھڑا رہا ـــــ "اچھا جاؤ مجھے وہ کتاب لاکر دکھاؤ" امی
سکوت توڑتے ہوئے کہا ـــ انیس بدستور خاموش کھڑا تھا۔ مگر نجمہ بھاگی ہوئی گئی اور ایک چھوٹی سی
ب اٹھا لائی۔ لاتے ہی امی کے ہاتھ میں دے کر کہنے لگی: "انیس بھائی یہ کتاب پڑھ رہے تھے امی جی!"
نے کتاب پر نظر ڈالی۔ یہ فلم "برسات" کی کہانی تھی۔ اب امی نے نہایت نرمی سے انیس کو نصیحتاً کہنا
ع کیا: "انیس! بیٹا ایسی کتابوں کے پڑھنے میں کچھ فائدہ بھی تو نہیں نقصان ہی نقصان ہے
کے پڑھنے سے اخلاق بگڑتا، عادت بگڑتی اور قیمتی وقت ضائع ہوتا ہے۔ تم خود ہی سوچو کہ
اس کتاب کے پڑھنے سے کس قدر نقصان ہوا ہے۔ خود تمہاری سکول کی پڑھائی چھٹی، نجمہ کا ایک
کے سبق کا ہرج ہوا، اور فضول وقت ضائع ہوا۔ بیٹا اب تم اتنے کم سن بچے نہیں ہو، سمجھ دار ہو
ر ہو، کچھ ہوش سے کام لو اور زندگی کی کامیاب اور سیدھی راہ تلاش کرو، سکول کی پڑھائی دل
۔ پڑھو، ہر روز سکول کا کام گھر سے پورا کرکے سکول جاؤ اور اپنا وقت جھوٹے اور بے فائدہ قصے
ان پڑھنے میں ضائع مت کرو۔ بلکہ تاریخ اسلام پڑھو، اللہ کے مجاہد بندوں کے حالات زندگی
ہ کس طرح انھوں نے خدا کی رضا پر اپنی جانیں تک قربان کر دیں۔ کتاب اللہ، خدا کی پاک ہدایت
قرآنِ مجید با ترجمہ پڑھو اور سمجھنے کی کوشش کرو، خدا کے احکام جانو، سیرت الرسولؐ اور سیرت الصحابہؓ پڑھو،
خدا کے سچے رسولؐ اور صحابہ کرامؓ کے نقشِ قدم پر چل کر کامیاب زندگی بسر کرو۔"

ادھر حمید کپڑے بدل کر تیزی سے سیڑھیاں طے کرتا ہوا بالائی منزل پر آن پہنچا۔ راشدہ نے
ے پر ایک طرف سرکتے ہوئے حمید کے لیے جگہ خالی کر دی ـــ حمید ایک خوش وضع، تعلیم یافتہ اور
ند نوجوان تھا۔ وہ مغربی تہذیب کا دلدادہ تھا، گو نماز روزے کے طریقوں اور اصولوں
ی اچھی طرح واقف تھا۔ مگر ان فرائض کا پابند نہ تھا، جب جی میں آیا نماز پڑھ لی اور جب طبیعت
یا روزہ رکھ لیا۔ شہر میں اس کی بہت بڑی کپڑے کی دکان تھی ـــ حمید کے بالا خانے پر پہنچتے
امی نے صوفے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: "ادھر آؤ بیٹا حمید! میرے پاس بیٹھو۔" پھر ڈبیا
، کر کہنے لگیں: "بہت اچھے بندے ہیں بیٹا! خدا پہننا نصیب کرے۔ اچھا یہ تو بتاؤ کتنے میں آئے ہیں؟"

"پونے دو سو میں امی جی!" حمید نے لفظ سو پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"بہت زیادہ پیسے خرچ کیے بیٹا تم نے،" امی نے بندوں کو ہاتھوں پر تولتے ہوئے کہا۔

"بڑی کوشش سے ملے ہیں اتنی قیمت ......" راشدہ حمید کی بات کاٹتے ہوئے بولی۔
ہیں خالہ جی! کچھ بھی تو مہنگے نہیں۔ اتنے پیسوں میں ایسے خوب صورت بندے کہاں ملتے ہیں۔

بلانا تو انھیں کا کام تھا۔" پھر ساتھ ہی خاوند کی طرف بڑھتے ہوئے کہنے لگی "کیوں جی آج تو کوئی نہ گاہک پھنس گیا ہوگا؟"

حمید کھڑے ہوکر بڑے فخر سے اکڑتے ہوئے کہنے لگا "ہاں راشدہ! آج کسی اچھے گھرانے کی چند عورتیں عید کے لیے کپڑا خریدنے آئی تھیں۔ میں اُنھیں ابھی پوزیشن میں دیکھ کر فوراً بھانپ گیا اور میں نے نوکر کو اشارہ کیا تو اُس نے پل بھر میں عورتوں کے سامنے رنگا رنگ کے کپڑوں کا ڈھیر لگا دیا۔ عورتیں کپڑوں کو اُلٹ پلٹ کر بڑی گہری دلچسپی سے دیکھنے لگیں سب سے پہلے اُنھوں نے لیڈی ہملٹن (کپڑے کا نام ہے) کے دو رنگ پسند کیے اور بھاؤ پوچھا۔ میں نے پندرہ روپے گز بتائے۔ اس پر وہ کہنے لگیں آپ نے قیمت زیادہ بتائی ہے۔ ابھی چند دن ہوئے یہ کپڑا ہم نے دس روپے گز خریدا ہے۔ میں نے جھٹ دکانداری کے موجودہ طریقوں سے کام لیتے ہوئے جھوٹ موٹ کہا۔ بہن جی! آپ کو کپڑے کی کیا شناخت ہے؟ وہ دیسی کپڑا ہے بمبئی کا بُنا ہوا ہے اور یہ امریکن ہے۔ یہ مہر پڑھ کر دیکھ لو۔ وہ دس روپے گز کا دیسی کپڑا ابھی میرے پاس ہے اگر کہو تو دکھا............" کھاؤں.....کھاؤں...... اپنی چالاکی کی کہانی تیزی میں سُناتے سُناتے حمید کھانسنے لگا۔

"دیکھو نجمہ! جاؤ اپنی باجی سے کہو کہ روزے کی افطاری کا انتظام کریں، افطاری کا وقت اب قریب ہے۔" امی نے نجمہ کی کمر تھپکتے ہوئے کہا۔

کھانسنے کے بعد حمید نے پھر کہنا شروع کیا۔ "تو راشدہ اُن کو میری اس چال پر یقین آگیا، اور کہنے لگیں "اچھا کچھ تو کم کرو، کم از کم ایک ہی دام بتا دو۔" اس پر میں نے تیرہ روپے بتائے، اور یوں ہی کہہ دیا کہ بھئی تیرہ ۱۲-۶ روپے میرا قیمتاً خرید ہے۔ پھر وہ کہنے لگیں سچ سچ کہو، تو میں نے نہایت سنجیدگی سے کہا: "بہن جی! میں روزے سے ہوں، کیا روزے کی حالت میں ہی مجھے جھوٹ بولنا تھا؟ راشدہ میرے اس فقرے نے تو اُن پر جادو کا اثر کیا اور بلا حیل و حجت دو سوٹ لیڈی ہملٹن اور دوسرا بہت سا کپڑا اتروا کر کل تین سو پچاسی ۳۸۵ روپے ادا کیے اور کپڑا لے کر چلی گئیں۔ راشدہ اس طرح ہر کپڑے میں اصل بھاؤ سے کہیں زیادہ دام وصول کر لیے اور واپسی پر تمھارے لیے بُندے خرید لایا۔"

"آپ نے بہت ہی اچھا کیا جو عید سے پہلے ہی میرے لیے بُندے لے آئے۔ اب خدا کرے کہ عید سے پہلے پہلے ایک اور ایسا گاہک پھنس جائے تو میری سینڈل بھی آجائے۔" راشدہ نے خوشی میں پھولتے ہوئے کہا، اور اُس کے چہرے پر مُسکراہٹ کھیلنے لگی۔

امی جو حمید کی باتوں کو غور سے سُن رہی تھیں حمید کے کندھے کو ہلاتے ہوئے بولیں: "حمید بیٹا! اوّل تو تم نے دو ہرا گناہ کیا ہے۔ یعنی ایک تو روزہ نہیں رکھا اور پھر اُس پر جھوٹ بولا، بات بات پر جھوٹ۔ اور دوسرے تمہارے دل میں خدا کا خوف بھی باقی نہیں رہا کیا اپنے ہی گناہ پر خوش ہوتے ہو اور بڑے فخر سے بیان کرتے ہو" ــــ "جھوٹ! کیسا جھوٹ۔ امی جی" حمید نے امی کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "دُکانداری میں کچھ بھی تو جھوٹ نہیں ہوتا امی جی! یہ تو دُکانداری کے اصول ہوتے ہیں! ایسا بھی نہ کریں تو گاہک سودا کیونکر لیں گے" ــــ "نہیں بیٹا! ایسا ہرگز نہیں ہے۔ دھوکہ دھوکہ ہی ہے اور جھوٹ جھوٹ اور یہ سب گناہ ہے۔ بیٹا! یاد رکھو کہ تم دھوکہ، فریب اور جھوٹ کو اچھے سے اچھا اور خوب صورت سے خوب صورت نام دے کر اُس کے گناہ سے نہیں بچ سکتے۔ مَیں حیران ہوں کہ تم اتنے سمجھدار اور تعلیم یافتہ ہو کر کیسی باتیں کر رہے ہو۔ نہ معلوم تمہاری عقل کو کیا ہو گیا ہے، بیٹا! سوچ سمجھ سے کام لو خدا کے ناپسندیدہ کاموں سے بچو۔ ورنہ کل اُس کی عدالت میں کھڑے ہو کر اُسے کیا جواب دو گے۔" امی نے حمید کو سمجھاتے ہوئے کہا ــــ اب امی نے سلسلۂ کلام راشدہ کی طرف موڑتے ہوئے کہا: "راشدہ! تم نے بھی سوچنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ تمہاری عقل پر بھی پردہ پڑ گیا ہے۔ تم بھی لالچ میں اندھی ہو گئی ہو۔ جھوٹ بول کر حاصل کی ہوئی کمائی سے خریدے ہوئے بندوں کی چمک سے تمہاری بصیرت جاتی رہی ہے۔ دیکھو راشدہ! آج یہ بندے پہن کر تم خوش ہو جاؤ گی۔ تمہارا دل باغ باغ ہو جائے گا۔ مگر کل خدا کے عذاب سے پیدا رنج والم سے کس طرح نجات پاؤ گی۔ بیٹی ہم سب کے لیے یہی بہتر ہے کہ خدا کی تمام ناپسندیدہ راہوں کو چھوڑ کر اُس کی پسندیدہ اور صرف اُسی ایک راہ پر چل پڑیں۔ اسی میں بہتری ہے، اور ہماری نجات ہے۔"

حمید اور راشدہ بالکل جامد و ساکت کھڑے تھے۔ دونوں کے سر ندامت سے جُھکے ہوئے تھے۔ ایک بار دونوں نے نظریں اُٹھا کر ایک دوسرے کو دیکھا اور پھر نظریں زمین پر جُھک گئیں مگر راشدہ کے لبوں کو حرکت ہوئی اور اُس نے بندوں کی ڈبیا حمید کے قدموں میں پھینکتے ہوئے کہا: "مَیں یہ بندے ہرگز نہ پہنوں گی۔ اللہ تعالیٰ میرے گناہ معاف کرے۔" سونچی! خوب غور سے سُن لیں" راشدہ نے خاوند سے مخاطب ہو کر کہا۔ "مَیں آئندہ ایسے طریقے سے حاصل کی ہوئی کوئی شَے بھی استعمال نہ کروں گی۔ اُٹھا لیں اپنے بُندے۔ میں گھٹیا قسم کے کم قیمت مگر پاک و حلال کی کمائی سے خریدے ہوئے بُندے پہن لوں گی اور اگر وہ بھی نہ ملے تو عید کے دن اپنی پُرانی بالیاں پہن کر گذر کر لوں گی" ــــ اچانک بڑے زور سے گولا دغا، روزے داروں نے روزہ افطار کیا۔ امی جان، راشدہ، باجی، انیس سب کے سب افطاری میں مشغول ہو گئے ــــ حمید گہرے خیالوں میں ڈوبا ہوا ویسے ہی جامد و ساکت کھڑا تھا، اُس کا دل خوفِ الٰہی سے ڈر چکا تھا، اور زبانِ خاموش سے اپنے گناہوں کی معافی مانگ رہا تھا ــــ ــــ بُندوں کی ڈبیا ابھی تک اُس کے قدموں میں کُھلی پڑی تھی اور ایک بُندا فرش پر پڑا چمک رہا تھا۔

جناب غلام مصطفےٰ صاحب صادق بصیروی

حضرتِ عمرؓ کی فرض شناسی

حضرتِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہمارے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے خلیفہ (جانشین) تھے۔ وہ بہت نیک، خدا ترس، انصاف پسند اور فرض شناس خلیفہ ہو گزرے ہیں۔ اپنی رعایا کے حالات معلوم کرنے کے لیے آپ رات کے وقت شہروں کے گلی کوچوں میں گھوما کرتے تھے۔ تاکہ اُن کی رعایا میں کوئی دُکھی، بھوکا اور فریادی انسان اپنی حاجت روائی اور انصافِ عمرؓ سے محروم نہ رہ جائے۔

یوں تو حضرتِ عمرؓ کی فرض شناسی، انصاف پسندی اور خدا ترسی کے واقعات سے تاریخ کی کتابوں کے اوراق بھرے پڑے ہیں۔ لیکن یہاں میں اُن کی فرض شناسی کے متعلق ایک چھوٹا سا واقعہ بیان کرتا ہوں جس سے آپ کو اُن کی صالحیت اور نیک سیرتی کا اندازہ ہو جائے گا۔

ایک دفعہ ملکِ عرب میں بڑا سخت قحط پڑا لوگ بھوکوں مرنے لگے۔ یہ حالت دیکھ کر حضرتِ عمرؓ رات دن اسی فکر میں لگے رہتے تھے کہ اگر میرے عہدِ خلافت میں کوئی شخص بھوکا، ننگا رہ گیا تو روزِ حشر میں خدائے جبار و قہار کے سامنے کیا جواب دوں گا۔ اسی خیال کے ماتحت وہ اپنی ذمے داری کو محسوس کرتے ہوئے ایک رات شہر کے گلی کوچوں میں بھیس بدل کر گھوم رہے تھے کہ اُنھوں نے ایک گھر سے کچھ بچوں کے رونے کی آواز سُنی، جب وہ اُس گھر کے قریب پہنچے تو دیکھا چند بچے بیٹھے رو رہے ہیں اور اُن کی ماں چولہے پر ہانڈی پکا رہی ہے۔ اور بچوں سے کہہ رہی ہے: "پیارے بچو! صبر کرو ابھی کھانا تیار ہو جائے گا۔"

حضرتِ عمرؓ بہت دیر تک اُن کا کھانا پکتا دیکھتے رہے مگر کھانا پک کر بچوں کے سامنے نہ آیا۔ آخر حضرتِ عمرؓ نے اندر جاکر فرمایا: "بی بی! بچے بیٹھے رو رہے ہیں، لیکن تو یہ کیسا کھانا پکا رہی ہے جو ابھی تک پکنے میں نہیں آتا"

عورت نے کہا: "میرے پاس کھانا تو کوئی نہیں، صرف بچوں کو صبر دلانے کے لیے خالی پانی چولہے پر رکھے بیٹھی ہوں، کیونکہ یہ بہت بھوکے ہیں اور میرے پاس ان کے کھلانے کی کوئی چیز نہیں، ان کو بہلانے کے لیے مجھے یہ کرنا پڑا۔"

یہ سُن کر حضرتِ عمرؓ نے فرمایا: "آپ نے خلیفہ سے کیوں نہیں کہا، وہ آپ کے گزر اوقات کے لیے وظیفہ مقرر کر دیتے ـــــــ" عورت بولی: "خلیفۂ وقت کو غریب آدمیوں کی حالت خود معلوم کرنی چاہیے نہ کہ غریب لوگ دوڑ کر اُن کے دروازے پر آہ و فغاں کریں اور اُنھیں اپنی ذمّے داری کا احساس دلائیں۔"

یہ سُن کر حضرت عمرؓ کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے اور آپ اُلٹے پاؤں گھر جاکر آٹے کی ایک بوری اپنے کندھوں پر اُٹھا لائے اور خود کھانا پکانے میں عورت کی مدد کی۔ جب کھانا تیار ہوچکا تو عورت نے اپنے بچوں کو کھلایا، آپ کھایا اور اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے بولی: "آپ بہت اچھے آدمی ہیں، حضرتِ عمر کی بجائے آپ کو خلیفہ ہونا چاہیے تھا۔"

حضرتِ عمرؓ نے فرمایا: "اے عورت میں ہی عمرؓ ہوں، میرا قصور ہے کہ میں نے پہلے تمھاری تکلیف کو معلوم نہ کیا مجھے معاف کردو۔" یہ کہہ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اُس غریب عورت کا وظیفہ مقرر کردیا۔

الحسناتی بہنو اور بھائیو! دیکھا آپ نے حضرت عمر کتنے نیک، خدا سے ڈرنے والے اور اچھے خلیفہ تھے کہ خود اپنی رعایا کے لوگوں کے گھروں پر آکر اُن کی تکالیف معلوم کیا کرتے تھے ـــــ آؤ آج ہاتھ اُٹھاکر اللہ سے دعا مانگیں کہ "یا مولیٰ! ہمارے ان حاکموں کو بھی ایسی ہی ہدایت اور توفیق عطا فرما کہ یہ بھی ایسے ہی انصاف پسند، خدا ترس اور فرض شناس بنیں۔ تاکہ دُنیا انھیں دیکھے اور اسلام کے گُن گائے +

ترنم کشور صاحبہ

رات کی سیاہیاں بڑھتی چلی آ رہی ہیں اور اُن کے ساتھ ہی میرے
ل پر غم کے بادل گھنے ہوتے جا رہے ہیں۔ آج کا دن میں نے کس طرح
زارا؟ ــــ ... اس شے کی یاد اب میری جان کھائے جا رہی ہے۔
پچھلی رات سحری کھا کر چھت پر آئی۔ ہلکی ہلکی ٹھنڈی ہوا چل
ہی تھی۔ صبح کی اذان ہونے میں ابھی چند منٹ باقی تھے۔ سُستی کا غلبہ ہوا
ور میں بستر پر جا لیٹی۔ خیال آیا بھی کہ اگر آنکھ لگ گئی تو دُھوپ کی تیزی
ی آکر جگائے گی۔ مگر آرام طلبی نے اس خیال کو دبادیا' ابھی اُٹھ بیٹھوں گی
س چند منٹ ہی تو لیٹنا ہے۔ شیطان نے طرح طرح کے بُھلاوے دے کر
ا دیا اور میں ایک اوّل درجے کے احمق کی مانند اُس کی باتوں میں آگئی۔
ــــ اس کے بعد ..... بس دُھوپ کی تیزی ہی نے آکر جگایا۔ ... دن کا
غاز ہی اس طرح ہوا کہ نماز جیسے فریضے کو فوت کر بیٹھی۔
آنکھ کھُلی تو دل میں سوئیاں سی چُبھ رہی تھیں ... کیا حاصل ہوا ایک دو
منٹ کی نیند سے کہ دن کی بسم اللہ ہی غلط کر بیٹھی۔ اسکول کو دیر ہو رہی تھی۔
ڑا مار کر کے تیار ہوئی' جلد جلد اسکول کی طرف چل دی۔ صُبح کے حادثے نے
بیعت از حد بے چین کر رکھی تھی۔ کچھ اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ کلاس میں پہنچی
۔ ایک اور سبق نظر آیا۔ ہماری اُستانی آپا خورشید نے تختۂ سیاہ پر کچھ
وال لکھے اور خود ایک کتاب دیکھنے لگیں۔ سوال حل کرتے کرتے نگاہ جو اُٹھائی
ر کیا دیکھتی ہوں کہ آپا جی پانی کا بڑا سا گلاس مُنہ کو لگائے غٹ غٹ پانی
پیے جا رہی ہیں۔
میرا دل دَھک سے رہ گیا۔ رمضان کے مہینے میں اس طرح علانیہ پانی
پیا اور وہ بھی کلاس کے سامنے۔ جن کے سامنے اُنھیں ایک عمدہ نمونہ پیش

کرتا تھا۔ بے اختیار جی چاہا کہ ابھی اُٹھ بیٹھوں اور آپا جی سے پوچھوں کہ اگر آپ کے پاس روزہ نہ رکھنے کا کوئی عذر تھا بھی تو بھی آپ نے سب کے سامنے پانی کیوں پیا۔ مگر اخلاقی بزدلی نے اجازت نہ دی' خوف آرہا تھا کہ آپا جی کیا کہیں گی کہ شاگرد ہوکر مجھے سمجھانے آئی ہے۔ بار بار ضمیر چٹکیاں لیتا تھا کہ ایک علانیہ بُرائی کو برداشت نہ کرو۔ تم نے صبح صبح ایک خطا کی ہے۔ اب خدا کی طرف سے یہ ایک موقع ملا ہے کہ ایک نیکی کرکے خطا کو مٹانے کی کوشش کرو مگر بُرا ہو میری اخلاقی بزدلی کا منٹ کے بعد منٹ گزرتا گیا مگر میں نے اپنا فرض ادا نہ کیا۔ گھنٹی ختم ہونے تک آپا جی نے دو گلاس پانی کے اور چڑھائے۔ میرے جی میں بے چینی کی ہولناک لہریں اُٹھ رہی تھیں' کلاس روم میں اندھیرا چھاتا نظر آتا تھا' کام سے جی بالکل اُچاٹ ہو گیا تھا۔ مگر اخلاقی بزدلی.... اس نے مجھے کچھ کہنے کی اجازت نہ دی۔

جب اسکول سے گھر لوٹی تو دل اور بھی زیادہ خراب ہو چکا تھا۔ عصر کے وقت خالدہ' سعیدہ' اور بلقیس ملنے آگئیں۔ باتوں باتوں میں انھوں نے شمیم کا ذکر چھیڑ دیا۔ شمیم کے متعلق اسکول میں رسواکن کہانیاں پھیلی ہوئی ہیں۔ خالدہ سعیدہ مزے لے لے کر وہ کہانیاں دُہرانے لگیں اور میرے دل کی بے چینی اور بھی زیادہ شدید ہونے لگی... وہ غیبت کر رہی تھیں' تہمتیں لگا رہی تھیں۔ مجھے چاہیے تھا کہ میں انھیں ایسا کرنے سے روک دیتی' مگر میں نے انھیں نہ روکا۔ ہائے میری اخلاقی کمزوری۔ اُس نے مجھے طرح طرح سے ڈرایا۔

یہ مہمان ہیں انھیں کوئی ایسی بات نہ کہنی چاہیے جس سے یہ خفا ہوجائیں۔ اگرچہ دل اس بات پر مطمئن نہ ہوتا تھا کہ مہمان کو بے تکلف گناہ سمیٹنے کی اجازت دے دی جائے مگر زبان سے کچھ ادا کرنا بھی مشکل تھا۔ میں ہوں ہاں کرکے اُن کی باتیں سُنتی رہی اور دل پر چھریاں چلتی رہیں کہ گناہوں کے پلڑے میں ایک اور گناہ گھسا چلا آ رہا ہے۔ مگر میں ڈھیٹھ بن کر بیٹھی دیکھ رہی ہوں وہ زہریلا سانپ رینگتا رینگتا اس پٹارے میں گھس آیا اور میں نے ہٹانے کی کوشش نہ کی۔

اب رات چھا گئی ہے۔ دن بھر کی ذہنی کوفت نے مجھے ادھ موا کر رکھا ہے۔ میں نے آج کے دن کیا ثواب کمایا؟... کوئی یاد نہیں آرہا۔

میں نے آج کے دن کیا عذاب کمایا؟.... بہت سے یاد آ رہے ہیں۔

میرے مالک میری جان نکلی جا رہی ہے تو نے مجھے کام کرنے کے کتنے مواقع دے رکھے ہیں۔ گھر میں، اسکول میں، گلی محلے میں، رشتے داروں میں۔ میں کتنی جگہ تیرا پیغام پہنچا سکتی ہوں .... مگر میرا حال تو یہ ہے کہ سو سو کر نمازیں کھوتی ہوں اور برائیوں کو اپنے سامنے پھلتے پھولتے دیکھ کر زبان تک نہیں ہلاتی!!! آہ میرا کیا بنے گا؟

گیارہ بج چکے ہیں، سب گھر والے میٹھی نیند کے مزے لے رہے ہیں، مگر مجھے نیند نہیں آرہی ہے۔ میرے دل سے بے چینی کی لہریں اٹھ اٹھ کر حلق سے ٹکرا رہی ہیں۔ میں عمر ضائع کیے جا رہی ہوں۔ ایک کے بعد دوسرا اور دوسرے کے بعد تیسرا دن ضائع ہوتا جا رہا ہے۔ مجھے کب عقل آئے گی! مجھ میں کب جرأت پیدا ہوگی!!!

اس وقت آسمان کیسا خوب صورت ہوگیا ہے۔ ایک وسیع سیاہ چادر مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب تک تنی ہوئی ہے اور اس پر لاکھوں، کروڑوں، اربوں دیے جگ مگ جگ مگ کر رہے ہیں۔ ان جگمگاتے دیوں کے درمیان جگہ جگہ روئی کے گالوں جیسے سفید بادل تیرتے پھر رہے ہیں جیسے ایک ناپیدا کنار سمندر پر پیاری پیاری بادبانی کشتیاں کتنا حسین منظر ہے! میرا دل ایسے منظر کو دیکھ کر ہچکولے کھانے لگتا ہے۔ اگر آسمان کا منظر اتنا خوب صورت ہے تو اس کے پیچھے جو دنیا ہے وہ کتنی زیادہ خوب صورت ہوگی!

میرا جی چاہ رہا ہے کہ میں ابھی اٹھ بھاگوں اور بھاگتی بھاگتی بادلوں اور ستاروں سے گزرتی آسمان کے پردوں میں گھستی اس سنہرے دیس میں جا نکلوں۔ جہاں آرام طلبیاں گن ہوں پر مائل نہیں کرتیں، جہاں علانیہ خدا کی نافرمانیاں نہیں ہوتیں، جہاں چغلیاں نہیں کھائی جاتیں اور تہمتیں نہیں تراشی جاتیں..... میرے مالک میں اس حسین سرزمین کے اشتیاق میں مری جا رہی ہوں جہاں ہمیشگی کا سکھ ہے۔ جہاں نہ جھگڑے ہیں نہ جھمیلے نہ بیماریاں نہ فسادات..... آہ وہ پیارا وطن! کیا میں وہاں جا سکوں گی؟..... مگر میرے اعمال!!!

جناب محمد انصار اللہ صاحب خورجوی

طالوت اور جالوت

بنی اسرائیل کے کچھ لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد اپنے پیغمبر کے پاس گئے۔ ان کے اوپر جالوت غالب آچکا تھا اور اُس نے ان کے کئی صوبے لے لیے تھے اور ان کی اولاد کو بھی قید کرلے گیا تھا۔ اس لیے وہ بہت پریشان تھے۔ انھوں نے اپنے پیغمبر سے کہا کہ ہمارے لیے ایک بادشاہ مقرر کر دیجیے کہ ہم اُس کے ساتھ ہوکر اللہ کی راہ میں جالوت سے لڑسکیں اور اپنے صوبے واپس لے سکیں، اپنے قیدیوں کو آزاد کراسکیں ــــــ پیغمبر نے فرمایا کہ "جب تم کو اللہ کی راہ میں لڑنے کا حکم دیا جاتا ہے تو لڑتے نہیں ہو" وہ لوگ کہنے لگے کہ "آخر ہم کیوں نہ لڑنے جائیں گے اور کیا چیز ہے جو ہمیں اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے روک لے جب کہ ان کافروں کے ہاتھوں ہم اپنے فرزندوں اور اپنی بستیوں سے بھی جدا کر دیے گئے ہیں" ــــ پیغمبر نے ان سے فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ نے طالوت کو بادشاہ مقرر فرما دیا ہے"۔ اس جماعت نے کہا کہ "طالوت کو بادشاہ مقرر فرمایا ہے آخر کس حیثیت سے؟ ان کے پاس نہ تو ہم سے زیادہ مال ہے اور نہ وہ ہم سے زیادہ طاقتور ہیں، اس کے تو ہم زیادہ مستحق تھے" ــــــ ان کے پیغمبر نے جواب دیا کہ: "اوّل تو یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو تمھارے مقابلے میں منتخب کیا ہے اور تم پر ان کو فضیلت دی ہے اور وہ انتخاب کی مصلحتوں کو خوب جانتا ہے۔ دوم یہ کہ وہ تم سے جسامت میں بھی زیادہ ہے اور اس سے یہ فائدہ ہے کہ اس کا رُعب اور اس کی ہیبت اپنوں پر اور غیروں پر چھائی رہے گی اور کوئی بھی سرکشی کی ہمت نہ کرے گا۔ سوم یہ کہ اس کو علمِ سیاست تم سے زیادہ ہے تاکہ وہ انتظامِ سلطنت کرسکے اور بادشاہ ہونے کے لیے یہ باتیں ضروری ہیں۔ اس کے علاوہ خداوند کریم مالک الملک ہے جس کو چاہے اپنا ملک دے، کوئی اُس سے سوال نہیں کرسکتا ہے کہ ایسا کیوں کیا"۔

ان لوگوں نے کہا کہ: "ان کے بادشاہ ہونے کی کوئی ظاہری نشانی بھی ہے؟ اگر ہے تو ہم بھی دیکھ لیں تاکہ دل کو یقین ہو جائے"۔

پیغمبرؑ نے فرمایا کہ: "تمھارے پاس وہ صندوق بغیر تمھارے لائے ہوئے آجائے گا جس میں تسکین اور برکت کی چیز ہے تمھارے رب کی طرف سے اور اُس صندوق میں توراۃ ہے جس کا

منجانب اللہ ہونا قطعی ہے۔ اس کے علاوہ حضرتِ موسٰی و حضرتِ ہارون علیہما السلام کے کچھ کپڑے وغیرہ ہیں جو صندوق میں رکھے ہوئے ہیں اور یہ حضرات تمھارے لیے تبرکاً چھوڑ گئے ہیں۔ اس طرح اس صندوق کے آجانے پر تمھارے واسطے پوری نشانی ہے اگر تم یقین لانے والے ہو۔

اُس صندوق میں تبرکات تھے۔ جب جالوت بنی اسرائیل پر غالب آیا تو وہ اُسے بھی لے گیا تھا مگر اللہ تعالیٰ کو یہ منظور نہ تھا کہ وہ صندوق کفار کے پاس رہے، اُسے تو بنی اسرائیل کے پاس پھر سے لوٹا دینا ہی منظور تھا اس لیے جس جگہ بھی کفار اسے رکھتے اُن پر بڑی بڑی سخت بلائیں نازل ہوتیں، آخر کفار بھی تنگ آگئے اور اُسے بیل گاڑی پر رکھ کر بیلوں کو ہانک دیا۔۔۔ فرشتے اللہ کے حکم سے بیلوں کو ہانک کر یہاں پہنچا گئے۔ اس لیے بنی اسرائیل والے بہت خوش ہوئے اور سب نے طالوت کو اپنا بادشاہ مان لیا۔ اور سب جالوت کے مقابلے کے لیے نکلے۔

جب میدانِ جنگ میں کچھ غیر مستقل مزاج لوگ پہنچ جاتے ہیں اور وہ ڈر کر بھاگتے ہیں تو اکثر مستقل مزاجوں کے بھی پاؤں اُکھڑ جاتے ہیں اور اس طرح پوری فوج کو شکست ہو جاتی ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے اوپر وحی کی اور اس فوج کے لیے ایک امتحان مقرر کر دیا تاکہ غیر مستقل مزاج لوگ فوج سے الگ ہو جائیں۔

طالوت اپنی فوج کو لے کر بیت المقدس سے عمالقہ کی طرف روانہ ہوا۔ اور اپنے ہمراہی پیغمبرؑ کی وحی سے دریافت کرکے ساتھیوں سے کہا کہ اللہ استقلال اور غیر استقلال کا امتحان لے گا۔ راستے میں ایک نہر آئے گی اور تم لوگ جب اُس پہنچوگے تو بہت پیاس لگی ہوگی۔ جو میرے خاص ساتھی ہوں گے وہ بالکل پانی نہیں پئیں گے اور اگر پییں گے بھی تو بس کوئی ایک چلو یا اس سے بھی کم۔ مگر وہ لوگ جو اس سے زیادہ پی لیں گے میرے ساتھی نہیں ہیں۔

الغرض وہ نہر راستے میں پڑی۔ پیاس کی شدت تو تھی ہی، اکثر نے خوب پانی پیا، کچھ نے بالکل نہ پیا، اور تھوڑے سے لوگوں نے چلو بھر سے زیادہ نہ پیا۔ تب بعد والے دونوں مومنین کے گروہ اور طالوت نہر کے پار اُتر گئے۔ اُنھوں نے تھوڑا اپنے ساتھیوں کو دیکھا تو پریشان ہو کر کہنے لگے: "کہ ہماری تعداد تو اس قدر کم ہے کہ جالوت پر فتح پانا تو درکنار مقابلہ کرنے کی بھی طاقت نہیں"۔ یہ سُن کر دوسرے

نیک لوگوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے اس قسم کے واقعات اکثر پیش آچکے ہیں کہ خدا کے حکم سے چھوٹی چھوٹی جماعتیں بڑی بڑی فوجوں کے اوپر غالب ہوئی ہیں۔ اصل چیز تو استقلال ہے اور خدا استقلال والوں کے ساتھ رہتا ہے۔ اور وہ ہماری بھی ضرور مدد کرے گا۔

جب یہ لوگ دیارِ عمالقہ میں پہنچے تو جالوت اور اس کی فوجیں سامنے آئیں۔ وہ بڑا زبردست لشکر تھا۔ یہ تھوڑے تھے۔ اس لیے انھوں نے خدا سے دعا کی کہ اے پروردگار ہم پر اور ہمارے دلوں پر غیب سے تو استقلال نازل کر اور جب کفار سے مقابلہ ہو تو ہمارے قدم جمائے رکھیو اور ہمیں اس کافر قوم پر فتح دیجیو۔

جنگ ہوئی۔ طالوت والوں نے بڑی بہادری کی۔ خدا نے ان کی دعا قبول کی۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے جالوت کو قتل کیا۔ اور اس طرح مؤمنین کو فتح نصیب ہوئی۔ اس وقت حضرت داؤد علیہ السلام کو نبوت نہیں ملی تھی۔ اور وہ طالوت کے لشکر میں شامل تھے۔

یہ گروہ فتح پاکر واپس آیا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو نبوت عطا فرمائی اور بھی بہت سی تعلیمیں دیں، مثلاً جانوروں کی بولی سمجھنا خوش الحانی اور لوہے کو نرم کرکے اس سے کام لینا مثلاً زرہ وغیرہ بنانا وغیرہ وغیرہ۔

اگر یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ تعالیٰ بعض مفسدوں کو نیکوں کے ذریعے وقتاً فوقتاً دفع نہ کراتا رہتا تو ساری زمین فساد ہی فساد سے بھر جاتی۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کی عنایت ہے۔

جناب کپتان حیدر علی صاحب حیدر

آؤ سنو کہانی کی تم زبانی

قرآں میں پڑھ کے جس دم مسجد سے گھر کو آیا
دہلیز پہ جو دیکھا اندھا کھڑا ہوا تھا
رہتا تھا پاس ہی وہ
چھوٹی سی جھونپڑی میں
میرے عزیز بچو
تھا وہ پڑوسیوں میں
آنکھوں سے اُس کی پیہم اشکِ رواں تھے جاری
اور کہہ رہا تھا رو کر آواز غم بھری تھی
"دو روز سے ہوں بھوکا
کھایا نہیں ہے کچھ بھی
تھوڑا سا کھانا دے دو
نامِ خدا پہ کوئی"
یہ سُن کے دل بھر آیا اُس کو تسلی دے کر
اُس کو وہیں بٹھا کر آیا میں گھر کے اندر
امی سے آکے بولا
اندھا کھڑا ہے باہر
دو روز سے ہوں بھوکا
یہ کہہ رہا ہے در پہ
اور وہ یہ کہہ رہا ہے اے میری پیاری امی!
تھوڑا سا کھانا دے دو راہِ خدا میں کوئی
جتنے کی میری روٹی
دے دو جو امی ہے وہ
اندھے کو تاکہ دے دوں
دو دن سے بھوکا ہے وہ

دیکھا ہے میں نے امی کل اک کتاب میں بھی
یہ ہے حدیث یعنی قولِ رسول اکرمؐ
"رکھتا نہیں وہ ایماں
جو کھائے صرف خود ہی
پہلو میں اور اُس کے
بھوکا رہے پڑوسی
یہ سُن کے مجھ سے امی خوش ہو گئیں بہت ہی
پاس اپنے پھر بٹھا کر کہنے لگیں یہ امی
"دل کے سرور ہو تم
شاباش لال میرے
راہِ خدا میں دے دو
جو چیز بھی وہ مانگے
اپنا نہیں ہے کچھ بھی معلوم ہو یہ تم کو
تن من یہ دھن دیا ہے اللہ میاں نے سب کو
یہ کہہ کے بس وہاں سے
اُٹھی پیاری امی
اور لا کے تھال میں دی
کچھ خوشکا، بھجیا، روٹی
آیا میں گھر سے باہر یہ تھال لے کے سیدھا
پہنچا میں اُس جگہ پر اندھا جہاں کھڑا تھا
وہ لے کے تھال سب
کھانے لگا اُسی دم
دیکھا جو میں نے اُس کو
آنکھیں تھیں [illegible]

ایک ندی
اپنے پُرسکون بہاؤ کے ساتھ بہی جا رہی تھی!
اچانک سامنے ایک سربلند پہاڑ آگیا۔
حوادث کے پہاڑ نے زندگی کی ندی سے کہا "تم مجھے توڑ کر گذر نہ سکوگے تمھیں اپنا رُخ بدلنا ہوگا"
ندی نے کہا "میرا دھارا تیرے سنگین سینے کو چیر کر گذر جائے گا۔"
ندی کی کشمکش بڑی خوفناک تھی مگر نتیجہ خوشگوار رہا۔
یہ معصوم سی تمثیل اس دردناک کشمکش حیات کی ہے، جسے
"جہنم کے دروازوں پر" کے نام سے مرتب کیا گیا ہے۔ یہ
اسعد گیلانی کا ناول ہے جو ناول نگاری کے میدان میں ایک نئے موضوع کو زیر بحث لاتا ہے۔
مجلد، رنگین گرد پوش، ضخامت ۳۳۰ صفحات۔ قیمت تین روپے آٹھ آنے ہے۔
مکتبہ الحسنات رامپور۔ یو۔ پی
دیارِ عرب میں
چند ماہ
(از مولانا مسعودِ عالم ندوی)
مولانا مسعود عالم ندوی نے گذشتہ سال سات ماہ کی مدت ممالکِ عرب میں گذاری! یہ سفر نہ تفریحی تھا نہ تجارتی، نہ کسی اور غرض پر مبنی۔ بلکہ اس کا مقصد دعوتِ اسلامی کو خود اُس خطۂ ارضی میں پہنچانا تھا جہاں سے دعوتِ اسلامی کا چشمہ پھوٹا اور ساتھ ہی عرب کے حالات سے اس امر کا جائزہ لینا کہ اس گہوارۂ اسلام میں اسلام کی دعوت کو نشو و نما دینے کے کیا امکانات ہیں
یہ سفر دھڑکتے ہوئے دل، بیدار ذہن اور کھلی ہوئی آنکھوں کے ساتھ ہوا قلم نے وہ سب کچھ ایک ڈائری کی صورت میں سپردِ قرطاس کر دیا جو دل نے محسوس کیا ذہن نے اخذ کیا اور آنکھوں نے دیکھا عراق، موصل، نجد اور حجاز کا اپنی نوعیت کا پہلا سفر نامہ ہے جو سیاح نے نہیں بلکہ ایک داعی اور مبشر نے مرتب کیا ہے طرزِ بیان نہایت دلکش ہے ــــ قیمت مجلد (بلا کمیشن و علاوہ محصولِ ڈاک ــ چار روپے آٹھ آنے
ملنے کا پتہ، مکتبہ الحسنات رامپور۔ یو۔ پی

رسالت نمبر
الحسنات کے دو خاص نمبر توحید نمبر اور آخرت نمبر شائع ہو چکے ہیں اللہ کا بڑا فضل ہے
کہ یہ دونوں نمبر ہماری اُمید سے کہیں زیادہ مقبول اور مُفید ثابت ہوئے ــــ اب الحسنات کا
تیسرا خاص نمبر ــــ رسالت نمبر
عنقریب شائع ہوگا۔ ہماری کوشش ہے کہ اس نمبر کو ہم پہلے دونوں نمبروں زیادہ بہتر بنائیں
اللہ تعالیٰ ہماری کوششوں کو قبول فرمائے
الحسنات کے مستقل لکھنے والوں کے علاوہ اس نمبر کے لیے چند مزید متوقعہ لکھنے والوں کے نام سُن لیجیے۔
مولانا سید ابوالحسن صاحب ندوی، مولانا خلیل احسن صاحب ندوی، مولانا ابواللیث صاحب اصلاحی ندوی، مولانا صدرالدین صاحب اصلاحی۔
مولانا سید حامد علی صاحب، مولانا سید مسعود عالم صاحب ندوی ــ
رسالت نمبر کے عنوانات بھی دیکھ لیجیے:
(۱) رسالت کی حقیقت ــ رسالت کسے کہتے ہیں (۲) رسالت کا مقصد ــ انسانیت کی فلاح کے لیے رسالت کی ضرورت (۳) رسالت پر ایمان لانا کیوں ضروری ہے؟
(۴) رسالت ہمیشہ انسانیت کے لیے رحمت رہی ہے (۵) رسولوں کی دعوت کیا ہوتی ہے (۶) رسولوں کی دعوت کی مخالفت کا انجام؟ (۷) کیا سب رسولوں کا
ماننا ضروری ہے؟ اور کیوں کس انداز سے؟ (۸) رسولوں کی تفضیل کی صحیح اور غلط حدود؟ (۹) رسولوں کے بعد اُن کے ماننے والوں کی فرائض کیا
کیا ہوتی ہیں (۱۰) رسولوں کی اُمتوں میں بگاڑ کس طرح پیدا ہوتا ہے (۱۱) رسالت کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے۔ کیوں اور کس طرح؟ وغیرہ وغیرہ
رسالت نمبر کافی ضخیم اور قیمتی ہوگا۔ ضخامت اور قیمت کا اعلان بعد کو ہوگا ــ لیکن مستقل خریداروں کو
یہ نمبر بلا کچھ مزید ادا کیے ہوئے ہی ملے گا۔ اپنے احباب کو متوجہ کیجیے کہ وہ الحسنات کے مستقل خریدار جلد بن جائیں
تاریخ اشاعت کے اعلان کا انتظار کیجیے۔ مینیجر الحسنات رام پور یو۔پی

کچھ اور کتابیں!

۱۔ مسئلۂ ملکیت زمین

- زمین کی شخصی ملکیت از روئے قرآن
- زمین کی شخصی ملکیت از روئے حدیث
- مزارعت کا مسئلہ
- اصلاح کے حدود اور طریقے ـــــ از سید ابوالاعلیٰ مودودی۔ ایک روپیہ

۲۔ اسلامی ریاست

الف: شہریت کے حقوق و فرائض ـــــ از مولانا امین احسن صاحب اصلاحی۔ ایک روپیہ

ب: کارکنوں کی ذمہ داریاں اور اُن کے اوصاف ایضاً ایضاً چودہ آنے

ج: اطاعت کے شرائط اور حدود ـــ " " " دس آنے

۳۔ دعوتِ دین

اس کی حیثیت اور اس کے مراحل ـ از مولانا امین احسن صاحب اصلاحی ـــ دو روپے بارہ آنے

۴۔ سرمایہ داری اور اشتراکیت

ہر دو نظامہائے حیات کا تجزیہ اور اسلامی نظامِ حیات کے پیش کردہ اصول ـ از سید ابوالاعلیٰ مودودی۔ بارہ آنے

۵۔ تیر و نشتر

ـــــــ از مولانا نصراللہ خاں صاحب عزیز ـــــ دو روپے

۶۔ عرب کا چاند

حصہ اول (سوانح حیات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) مصنفہ سوامی لکشمی جی مہاراج۔ مجلد تین روپے

اسلام کی بنیادی تعلیمات ـ رسول کی تعلیم ـ نظامِ اطاعت کی تین کڑیاں ـــ اتحاد کی راہ ـــ مسلمانوں کی پہچان

تعمیر انسانیت ـــ تدریس القرآن ـ ایک تا پانچ پارہ ـــ فی پارہ ـــ ۱۲؍

درس گاہِ جماعتِ اسلامی (ہند) کی طرف سے بچوں کے لیے درسی کتب

چنوں منوں کی کتاب ـ ہماری کتاب (قاعدہ) ہماری کتاب نمبر۱ ـ ہماری کتاب نمبر۲ ـــ ہماری کتاب نمبر۳

مکتبہ الحسنات رام پور ـ یو ـ پی

اشرف میڈیکل ہال

آج سے گیارہ سال قبل ۱۹۵۳ء میں ذیل کے اصولوں کے تحت معرضِ وجود میں آیا۔

- جائز اور حلال طریق سے معاش حاصل کرنا،
- ملکی دُنیا میں جو بد دیانتی، لُوٹ کھسوٹ اور بداخلاقی جاری ہے اُس کے خلاف عملی جدوجہد کرنا۔
- معاملات میں خدا ترسی اسلامی تمدن سچائی و پاکیزگی کو اختیار کرنا۔

ان اصولوں کو پسند کرنے والے حضرات کو ہم ایک بار تجربہ کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔ زرِ تبادلہ کی دقتوں کا سردست یہ حل نکالا ہے کہ احباب مبلغ ... دفتر الحسنات رام پور۔ یوپی میں جمع کراکر ہم سے اپنی ضروریات منگالیں۔

اشرف میڈیکل ہال (رجسٹرڈ)
ہیڈ آفس لائل پور (پاکستان)

آپ نے کتنے بالغوں کو پڑھایا؟

ہمارے چاروں طرف بے شمار بھائی ایسے رہتے ہیں جو لکھ پڑھ نہیں سکتے، انہیں نہیں معلوم کہ زندگی گزارنے کا صحیح راستہ کونسا ہے، آپ کچھ وقت نکالیے ان اللہ کے بندوں کو جمع کیجیے اور ان کی تعلیم کے ساتھ ساتھ ان کے اخلاق کی درستی کے لیے کوشش کیجیے ـــــ اس کام میں مندرجہ ذیل کتابوں سے بڑی مدد مل سکتی ہے،

قاعدہ ـــــ قیمت ۲۰/
پہلی کتاب ـــــ قیمت ۲۰/
دوسری کتاب ـــــ قیمت ۳۰/
تیسری کتاب ـــــ قیمت ۳۰/

عبادت — ایک دلچسپ مکالمہ جس میں تعلیم بالغاں کی صحیح اہمیت واضح کی گئی ہے ـــــ قیمت ۸/

نماز — اس سلسلے کی آخری کڑی جس میں نماز کا مطلب اور اُس کی صحیح روح کا تعارف کیا گیا ہے۔ قیمت ۸/

مکتبہ الحسنات رام پور
یو۔ پی

عید کا تحفہ

از

محترمہ حمیدہ بیگم صاحبہ

دو نہایت سبق آموز اور دل چسپ افسانوں کا مجموعہ۔ جو عورتوں کے لیے آسان اصلاحی لٹریچر میں ایک بہت اچھا اضافہ ہے۔ باتوں ہی باتوں میں اہم اخلاقی پہلوؤں کی اصلاح ایسے دل چسپ انداز میں کی گئی ہے جو خواتین کے نفسیات کے عین مطابق ہے۔ کتاب آپس میں تحفہ اور ہدیہ دینے کے لائق ہے۔

ہر دو افسانے الحسنات میں شائع ہو چکے ہیں اب کتابی صورت میں نہایت دیدہ زیب ٹائیٹل اور عمدہ طباعت و کتابت کے ساتھ شائع کیے جا رہے ہیں (زیر طبع)

قیمت ——— چار آنے

منیجر مکتبہ الحسنات رامپور یو۔پی

کہانیوں کی کتابیں

کیوں بچو! تم نے کوئی بچہ ایسا بھی دیکھا ہے جس کو کہانیوں کا شوق نہ ہو؟ ہمیں تو کوئی ایسا بچہ ملا نہیں ہمیں امید ہے کہ تم کو بھی کہانیوں کا شوق ہوگا لیکن بچو! کھانے کا شوق کسے نہیں مگر کتنا ہی تم کو کوئی نہیں کھانا کھانے سے پہلے یہ دیکھو کہ کیا کھا رہے ہو؟ اسی طرح پڑھنے سے پہلے یہ دیکھو کہ کیا پڑھ رہے ہو؟ ہمیشہ اچھی کتابیں پڑھو۔ اچھی کتابیں تمہیں اچھا انسان بنا دیں گی۔ اچھی کہانیوں کی کتابیں یہ ہیں۔

۱۔ انسان کی کہانی — اس سرزمین پر انسانی اخلاق اور تہذیب و تمدن کیسے پروان چڑھا؟ کا ایک نہایت دل چسپ خاکہ جس کو تم پڑھ کر فیصلہ کر سکو گے کہ انسان جانوروں کی نسل سے ہے یا دنیا کا پہلا انسان صرف یہ کہ نبی بلکہ اللہ کا خلیفہ تھا۔ قیمت ۱۲/

۲۔ غار والے۔ اصحاب کہف کا قصہ اور حضرت یونس علیہ السلام کا واقعہ تم کو ان سے کیا نصیحت ملتی ہے۔ قیمت ۵/

۳۔ گاؤں والے۔ "اصحاب القریۃ" کا واقعہ ایک سبق اور نصیحت۔ قیمت ۵/

۴۔ سنیچر والے۔ "اصحاب السبت" کا واقعہ موجودہ زمانے میں مسلمان رہنے کے لیے ایک مفید نصیحت۔ قیمت ۵/

۵۔ کون ہے راجہ؟ دو دلچسپ اور سبق آموز کہانیوں کا مجموعہ قیمت ۵/

۶۔ بدھارتی سبیل۔ بچوں کے لیے مفید اور کارآمد مشورے قیمت ۴/

۷۔ ہاضمے کا چورن۔ ایک دلچسپ اور سبق آموز تمثیل۔ قیمت ۵/

۸۔ شاہین۔ ایک سبق آموز کہانی ——— قیمت ۴/

ان کتابوں کے ٹائیٹل بڑے خوبصورت ہیں تم انہیں دیکھ کر ضرور پسند کرو گے

منیجر مکتبہ الحسنات رامپور۔ یو۔پی

نوٹ: پاکستانی بچے ان کتابوں کو مکتبہ فلاح انسانیت ۹۔ لوٹیا بلڈنگ آرام باغ کراچی یا (۲) دفتر کوثر گوال منڈی لاہور سے منگائیں۔

ستمبر دوم
سنہ ۱۹۵۰ء
19 SEP 195
اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ
بلاشبہ نیکیاں برائیوں کو دور کرتی ہیں،
الحسنات
رامپور
چار آنے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

[illegible] شائع ہونے والا

رسالہ

الحسنات

جو گھر گھر مسلمان گھرانوں کی اصلاح کے لیے بہت مفید ثابت ہوا ہے

مدیر: ابو سلیم محمد عبدالحی

چندہ
سالانہ کے لیے ۲۴ رسالے — [illegible]
ششماہی کے لیے ۱۲ رسالے — تین روپے
فی کاپی — چار آنے

فہرست مضامین

[illegible] دفتر الحسنات رام پور یوپی

احساسات

تہوار سب مناتے ہیں۔ دُنیا کی شاید کوئی قوم ایسی نہیں ہے جہاں کچھ
نہ کچھ تہوار نہ منائے جاتے ہوں۔ تہوار سماج کی جان ہیں۔ لوگوں کا کسی موقع پر ایک
جگہ جمع ہونا، مل کر خوشیاں منانا اور ایک ہی قسم کی کچھ رسمیں ادا کرنا کوئی معمولی
بات نہیں ہے اس سے آپس کے تعلقات مضبوط ہوتے ہیں۔ سب لوگ
آپس میں ایک دوسرے کو اپنا رفیق اور ساتھی سمجھتے ہیں اور اس طرح ان میں آپس
کا میل جول بڑھتا ہے۔ یہی بات سماج کی جان ہے۔

عام طور پر دُنیا میں جتنے تہوار منائے جاتے ہیں ان کو اگر دیکھا جائے تو یہی
پتا چلتا ہے کہ ہر تہوار یا تو کسی اہم واقعہ کی یادگار کے طور پر منایا جاتا ہے یا
پھر کسی بڑے آدمی کی ذات سے اس کا کوئی تعلق ہوتا ہے —— اپنے ہی ملک
کے تہواروں کو دیکھ لیجیے، یہاں آئے دن کوئی نہ کوئی تہوار منایا ہی جاتا ہے ان
سب تہواروں کی اصل وہی دو باتیں ہیں جو اوپر لکھی گئی ہیں۔ اور چونکہ اس ملک
میں ایک زمانے سے خدا کی وحدانیت کا تصور شرک اور اوہام پرستی میں گم ہوگیا
ہے، اس لیے ہر تہوار میں مشرکانہ رسموں اور اوہام پرستی کا رنگ بہت زیادہ
نظر آتا ہے۔ اور پھر دوسری اہم بات یہ نظر آتی ہے کہ چونکہ ہر تہوار کا تعلق
خالص ایسی ہستیوں یا ایسے واقعات سے ہوتا ہے جو صرف ہندوستان کے
رہنے والوں کے لیے کسی دلچسپی کا سبب ہوں تو ہوں کسی غیر ہندوستانی
کو اس سے کوئی لگاؤ پیدا نہیں ہوسکتا۔ اس لیے یورپ، امریکہ، چین، جاپان
ایران، عرب غرض یہ کہ کسی ملک کے رہنے والوں کو بھی ان روایات اور ان
شخصیتوں سے ایسا لگاؤ پیدا نہیں ہوسکتا کہ وہ ان تہواروں کو اپنا قومی تہوار
سمجھ کر منا سکیں۔

تہوار منانے کے طریقے بھی ہر قوم میں الگ الگ ہیں، کہیں کھیل کود تا

اور رنگ ہوتا ہے جو کبھی کبھی تو تہذیب اور انسانیت سے گزر کر انتہائی گندگی اور بدتمیزی کا رنگ اختیار کر لیتا ہے۔ کہیں کچھ اور گندگی اور اخلاق سے گری ہوئی باتیں ہوتے لگتی ہیں، کہیں یوں ہی بے معنی اور بےکار رسمیں ادا کی جاتی ہیں جن کے پیچھے کسی عقل مند آدمی کو کوئی سمجھداری کی بات دکھائی ہی نہیں دے سکتی یا پھر شرک، بت پرستی اور خدا کو چھوڑ کر سیکڑوں خداؤں کی نیازمندی۔ نئے نئے ڈھنگ سے کی جاتی ہے۔

کسی قوم کی تہذیب اور اخلاقی اور رُوحانی زندگی کا پتہ چلانا ہو تو اُس قوم کے تہواروں کو غور سے دیکھنا چاہیے اخلاقی اور رُوحانی اعتبار سے بلند اور مہذب قوموں کے تہواروں میں سنجیدہ تفریحات تو مل سکتی ہیں بیہودگیاں اور بدتمیزیاں دکھائی نہیں دے سکیں۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اگر کوئی قوم زندہ قوم ہوگی اور اُس کے سامنے اُس کی زندگی کا کوئی نصب العین بھی ہوگا تو آپ دیکھیں گے کہ اس کے تہواروں میں بھی یہی رنگ چھایا ہوا ہوگا وہاں تہواروں سے بھی کچھ کام لیا جائے گا۔ تہواروں کے موقعہ پر لوگوں میں قوم کے بیے مقصد اور نصب العین سے زیادہ سے زیادہ لگاؤ پیدا کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ اور ہر تہوار کو قومی زندگی کو باقی رکھنے اور کسی اونچے نصب العین کی خاطر جینے اور مرنے کی تڑپ پیدا کرنے کا ذریعہ بنایا جائے گا۔

آپ کو معلوم ہے کہ اسلام سارے عالم کی اصلاح کرنے والی ایک تحریک کا نام ہے۔ اس کا تعلق کسی خاص قوم خاص ملک یا خاص نسل سے نہیں ہے۔ اسلام کا مقصد تو ساری انسانیت کی اصلاح اور ساری دُنیا کو سچے امن اور چین کی راہ پر لے آنا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب ہم اسلام کے بتائے ہوئے تہواروں کو اور اُن طریقوں کو دیکھتے ہیں جو اسلام نے اپنے تہواروں کے منانے کے لیے مقرر کیے ہیں تو ہمیں فوراً اندازہ ہوجاتا ہے کہ اسلامی تہواروں کی حیثیت دوسری قوموں کے تہواروں کے مقابلے میں بالکل جُدا ہے۔

سب سے انوکھی بات جو آپ کو کسی دوسری قوم کے تہواروں میں نہیں ملے گی یہ ہے کہ اس کے تہواروں کا تعلق نہ تو کسی خاص مُلک سے ہے اور نہ کسی خاص

[illegible] نسل کی روایات سے [illegible]
ہے۔ ایسا ہے اسلام کے تہوار چاہے جاوا میں منائے جائیں یا جاپان [illegible]
[illegible] ایتھوپیا یا ایرانی، یورپ والے اسے قبول کریں یا امریکہ کے باشندے غرض یہ کہ
دنیا کی کوئی قوم یا کوئی ملک انہیں اختیار کرے اسے کسی قسم کی کوئی غیریت محسوس
نہ ہوگی۔ وجہ بالکل ظاہر ہے۔ اسلام نے صرف دو تہوار مقرر کیے ہیں عیدالفطر
اور عیدالاضحیٰ جنھیں آپ عید اور بقرعید کہتے ہیں۔ ان دونوں تہواروں کی بنیاد
توحید خدا پرستی ہے۔ ان میں سے کسی تہوار کو بھی نہ تو کسی قومی روایات سے تعلق
ہے اور نہ ان میں کسی طرح کا شرک اور اوہام پرستی ہی پائی جاتی ہے۔ یہی وجہ
ہے کہ وہ سارے انسان جو خالص خدا پرستی کے اصول کو مان لیں اور ہر قسم
کے شرک اور خرافات سے بچنے کا فیصلہ کرلیں وہ ان تہواروں کو پوری دلچسپی
اور پورے شوق کے ساتھ منا سکتے ہیں۔ چاہے وہ کسی ملک میں پیدا ہوئے ہوں
اور چاہے ان کا نسلی تعلق کسی بھی قوم سے ہو۔

پہلا تہوار — عید — تو اس خوشی میں منایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف
سے رمضان کے مہینہ بھر روزہ رکھنے کا جو اہم فرض ہم پر تھا، اللہ کا شکر ہے
وہ خیر اور خوبی کے ساتھ پورا ہوگیا، اور اللہ نے جو حکم ہمیں دیا تھا اس کی
تعمیل ہوگئی۔ یہ خوشی ایسی ہے جس میں ہر شخص جس نے روزہ رکھ کر اپنے مالک کو
خوش کیا ہو اور اس کے حکم کی تعمیل کی ہو بالکل برابر کے درجہ پر شرکت کرسکتا ہے
یہ ان سب لوگوں کی خوشی کا دن ہے جنھوں نے اللہ کو اپنا مالک مان لیا ہو
اور جو اس کی ہی تابعداری کرنے کا فیصلہ کرچکے ہوں۔ یہ تہوار کسی ملک اور
کسی قوم کا خاص تہوار کبھی بھی نہیں بن سکتا۔ اللہ کا ہر غلام جس نے اس کے
حکم کی تعمیل کی ہو اس تہوار کی خوشی میں برابر کا شریک ہے۔

دوسرا تہوار اس قربانی کی یادگار ہے جو اب سے تقریباً چار ہزار برس پہلے
اللہ کے ایک فرماں بردار بندے نے اپنے مالک کے حضور پیش کی تھی۔ ہر وہ شخص
جو اللہ کو اپنا مالک مانتا ہو اور اپنے اندر یہ تڑپ پیدا کرنا چاہتا ہو کہ
جب بھی موقع آئے وہ اس آقا کی خوشی کے لیے اپنا سب کچھ قربان کردے گا وہ

تہوار ہیں جو پوری پوری خوشی منانے کا حق دار ہے۔ اللہ کی غلامی اور اُس کی
میں قربانی کسی قوم اور کسی ملک کا اجارہ نہیں ہوسکتیں۔
پھر ان تہواروں کے منانے کا طریقہ بھی کتنا پاکیزہ ہے۔ اسلام نے جو طریقہ
رکیا ہے اُس کے علاوہ لوگوں نے اپنی خواہش سے اور دُنیا کی دوسری قوموں
اثر سے اس طریقے کو جو کچھ گندا کردیا ہے اُس کو چھوڑ کر اگر آپ خالص
طریقے کو دیکھیں جو اللہ کے پیارے رسول حضرت محمد صلّی اللہ علیہ وسلم کے
نے میں ان تہواروں کے منانے کے لیے مقرر تھا تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ یہ
پاکیزگی، اخلاق، سنجیدگی، خدا ترسی، خدا پرستی اور تہذیب کا کس قدر
نمونہ تھے۔

عید کے دن صبح سے ہی تمام مسلمان عورت، مرد اور بچے غسل کر کے
سے اچھے کپڑے، جو خدا نے انھیں دے رکھے ہوں، پہن کر نکلتے تھے۔ رمضان کی
میں کھانے پینے لوگ نماز کو جانے سے پہلے ایک مقررہ مقدار صدقے کی
کر اپنے غریب اور ضرورت مند بھائیوں کو پہنچاتے تھے تاکہ کوئی شخص عید کے
بھوکا نہ رہ جائے۔ بقرعید میں پہلے نماز ادا کرتے تھے پھر قربانی کرتے تھے۔
تھا کہ مرد، عورت اور بچے سب نکلیں اور بستی کے باہر جاکر نماز ادا کریں۔
کو جاتے وقت سارے مسلمان راستے بھر تکبیر پڑھتے جاتے تھے:

اَللّٰہُ اَکْبَرْ اَللّٰہُ اَکْبَرْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرْ اَللّٰہُ اَکْبَرْ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ

للہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے۔ اللہ کے سوا کوئی بھی اس
نہیں کہ اُس کی بندگی اور غلامی کی جائے۔ اللہ ہی سب سے بڑا ہے۔ اللہ
سے بڑا ہے۔ ہر قسم کی تعریف اور شکر صرف اللہ کے لیے ہے) ہر گلی،
کوچے سے، ہر بازار ہر سڑک سے یہی صدا بلند ہوتی تھی، اللہ کی تعریف اور
کے نام کی بلندی کے ذکر سے ساری بستی گونج اٹھتی تھی۔ اس کے بعد بستی کے
میدان میں سب لوگ جمع ہو جاتے تھے اور پھر صفیں باندھ کر اپنے مالک کے
کھڑے ہوتے تھے۔ اللہ کے رسولؐ ان سب کی امامت فرماتے، اللہ کے
اللہ کے آگے ہاتھ باندھ کر اپنے اس عہد کو دُہراتے جو اُنھوں نے

اللہ کی بندگی کرنے اور دُنیا کو اللہ کی بندگی کا پیام پہنچانے کے لیے اپنے ا
سے کیا تھا ـــــ دو رکعت نماز ادا فرماتے ـــــ اس کے بعد آنحضرت
کھڑے ہو کر ایک خطبہ دیتے۔ پہلے مردوں کے سامنے تقریر فرماتے پھر اُس
کی طرف تشریف لے جاتے جہاں عورتیں جمع ہوتیں اور اُن کے سامنے بھی ایک تق
فرماتے۔ ان تقریروں میں وعظ اور نصیحت کے علاوہ اسلامی جماعت کے متعلق
وہ تمام ضروری باتیں بیان فرماتے جن کی اُس وقت ضرورت ہوتی۔ مثلاً کوئی مہ
معاملہ، یا فوج کی تیاری یا ملکی انتظام کے بارے میں کوئی اور ضروری بات ان س
باتوں کے بارے میں آپ سارے مسلمانوں کو ضروری ہدایتیں دیتے۔ ایسا معلوم
کہ جماعت میں اس تہوار کے موقع پر نئی زندگی اور نیا ولولہ پیدا کر دیا گیا ہے
اب ہر مسلمان جو نماز سے لوٹتا اُس کا دل اللہ کی رضامندی اور اس کی ر
میں جہاد کرنے کی تڑپ سے بھرا ہوا ہوتا۔

بقرعید کی نماز سے واپس آکر وہ سب مسلمان جن کے پاس زکوٰۃ ادا کر
کی حد تک مال ہوتا قربانی کرتے تھے۔ جانور کی قربانی کرنے سے ایک طرف تو مسلم
کو اللہ کی تابعداری کرنے اور اُس کی راہ میں ہر وقت مال اور جان قربان کر
کے لیے تیار کرنا مقصود تھا اور دوسری طرف انھیں اس اہم واقعے کی یاد تا
کرانا تھی جب حضرت ابراہیم علیہ السلام خواب میں اشارہ پاتے ہی اپنے پیارے
حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو اللہ کی راہ میں قربان کرنے کے لیے تیار ہو گئے تھے
اسلام کو ایسے ہی لوگوں کی ضرورت ہے جو وقت پڑنے پر اپنا سب کچھ ا
کی راہ میں قربان کر سکیں۔

جانور کی قربانی مسلمان کو اس بڑی قربانی کے لیے تیار رکھنے کے لیے کی
ہے جو اس کی زندگی کا مقصد ہے۔ اللہ تعالیٰ کو قربانی کے جانور کا گوشت یا خ
پسند نہیں ہے۔ اُسے تو بندوں کا اپنے سے وہ تعلق پسند ہے جس کی وجہ
وہ ہر حال میں اُس کے فرماں بردار اور غلام رہ سکیں۔ قربانی کی اصل
کا پتہ آپ کو اس دعا سے چل سکتا ہے جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم
اس موقع پر پڑھی ہے اور جس کے پڑھنے کا حکم دیا ہے۔

إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ عَلٰى مِلَّةِ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَّمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ، إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ، لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ ، اَللّٰهُمَّ مِنْكَ وَلَكَ ، بِسْمِ اللهِ اَللّٰهُ أَكْبَرُ

(میں نے اپنا منھ اُس کی طرف پھیر دیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے، میں ٹھیک اُسی طریقے پر چلنے والا ہوں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تھا، اور میں اُن لوگوں میں سے نہیں ہوں جو خدا کے ساتھ دوسروں کو اُس کی بندگی میں شریک ٹھیراتے ہیں۔ میری نماز اور میری قربانی، میرا جینا اور میرا مرنا سب کچھ اُس اللہ کے لیے ہے جو سارے عالم کا پالنے والا، آقا اور مالک ہے (آقا اور مالک ہونے میں) کوئی دوسرا اُس کا شریک نہیں ہے۔ مجھے اسی بات کا حکم دیا گیا ہے اور میں تو اللہ تعالیٰ کے تابعدار بندوں میں سے ہوں۔ اے ہمارے آقا یہ (جانور) تیرا ہی مال ہے جو تونے ہی دیا ہے اور یہ تیرے ہی لیے حاضر ہے، بِسْمِ اللهِ اَللّٰهُ أَكْبَرُ[1])

آں حضرتؐ کے زمانے میں قربانی کو عورتیں اور بچے سب دیکھتے تھے تاکہ سب کے دلوں میں قربانی اور خدا کی محبت اور اُس کی تابعداری کے جذبات تازہ ہو جائیں۔ پھر یہ گوشت غریبوں اور رشتے داروں میں تقسیم کر دیا جاتا تھا اور اس کا ایک حصّہ خود اپنے کھانے کے لیے روک لیا جاتا تھا۔

اب ذرا آج اپنی عیدوں کا مقابلہ اس عید سے کیجیے۔ نہ عید کی رُوح باقی ہے اور نہ اُس کی ظاہری شکل۔ کوشش کیجیے کہ اس عید کو جہاں تک آپ سے ہو سکے آں حضرت صلّی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کی عید کا نمونہ بنائیں ـــــ جہاں تک ممکن ہو قربانی ضرور کریں اور قربانی سے جو رُوحانی فائدہ حاصل کرنا چاہیے اُسے زیادہ سے زیادہ حاصل کریں ـــــ قربانی کرنا دین کے ضروری کاموں میں سے ایک کام ہے۔ اس کو یوں ہی کسی معمولی بات کے پیچھے چھوڑ دینا یا کسی بے جا خوف یا ڈر کی وجہ سے قربانی کا ارادہ ترک کر دینا ایمان کی انتہائی کمزوری کی علامت ہے۔ جن لوگوں میں یہ مرض موجود ہو اُنھیں اپنے ایمان کی خیر منانا چاہیے +

---

[1] اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں (ذبح کرنا) اللہ سب سے زیادہ بڑا ہے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

قَالُوۡا يٰشُعَيۡبُ مَا نَفۡقَهُ كَثِيۡرًا مِّمَّا تَقُوۡلُ وَاِنَّا لَنَرٰٮكَ فِيۡنَا ضَعِيۡفًا ۚ وَلَوۡلَا رَهۡطُكَ لَرَجَمۡنٰكَ وَمَاۤ اَنۡتَ عَلَيۡنَا بِعَزِيۡزٍ ۞ قَالَ يٰقَوۡمِ اَرَهۡطِىۡۤ اَعَزُّ عَلَيۡكُمۡ مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاتَّخَذۡتُمُوۡهُ وَرَآءَكُمۡ ظِهۡرِيًّا ؕ اِنَّ رَبِّىۡ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ مُحِيۡطٌ

(سورۂ ہود رکوع ۸)

اُنھوں نے جواب دیا: "اے شعیب! تیری بہت سی باتیں تو ہماری سمجھ ہی میں نہیں آتیں۔ اور ہم دیکھتے ہیں کہ تو ہمارے درمیان ایک بے زور آدمی ہے، تیری برادری نہ ہوتی تو ہم کبھی کا تجھے سنگسار کر چکے ہوتے، تیرا اتنا بل بوتا تو اتنا نہیں ہے کہ تو ہم پر بھاری ہو۔" شعیب نے کہا: "بھائیو! کیا میری برادری تم پر اللہ سے زیادہ بھاری ہے کہ تم نے (برادری کا تو خوف کیا اور) اللہ کو بالکل پس پشت ڈال دیا؟ جان رکھو کہ جو کچھ تم کر رہے ہو وہ اللہ کی گرفت سے باہر نہیں ہے......"

(تفہیم القرآن)

تشریح

(۱) حضرت شعیب علیہ السلام سے قوم کا یہ کہنا کہ تیری باتیں ہماری سمجھ ہی میں نہیں آتیں، کچھ اس لیے نہیں تھا کہ حضرت شعیب کوئی غیر زبان بول رہے تھے یا کسی مشکل اور فلسفیانہ انداز میں یا استعاروں اور کنایوں میں بات چیت کر رہے تھے۔ ان کی باتیں بالکل صاف تھیں اور انکی زبان

۔ قوم والے لوگ بولتے تھے۔ لیکن ہوتا یہ ہے کہ جب انسان ہٹ دھرمی پر
اُتر آتا ہے اور تعصب اور ضد کی وجہ سے اس کے سوچنے اور سمجھنے کا انداز
ہی بگڑ جاتا ہے تو ان باتوں کے علاوہ جنھیں وہ اختیار کر لیتا ہے پھر کوئی دوسری
بات اس کی سمجھ میں ہی نہیں آتی۔ اس کا ذہن کچھ ایسے سانچے میں ڈھل جاتا
ہے کہ پھر وہ اپنے دل کی خواہش کے خلاف کسی بات کو سُننا پسند ہی نہیں
کرتا اور اگر سُن بھی لے تو اس کی سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کس دُنیا کی باتیں
کی جا رہی ہیں ——— ایسی مثالیں آپ روز دیکھتے ہیں۔ جو لوگ کسی ایک
خیال اور ایک عقیدے پر بلا سوچے سمجھے یوں ہی باپ دادا کی پیروی میں جم
جاتے ہیں اور ان کے دلوں میں تعصب، ضد اور ہٹ دھرمی اپنی جگہ بنا لیتی
ہے تو پھر چاہے آپ کتنی ہی صاف صاف اور کتنی ہی سیدھی سادی باتیں
ان کے سامنے رکھیں ان پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ اکثر تو وہ ایسی باتوں کو
سُنتے ہی نہیں ہیں اور اگر کسی مروّت کی وجہ سے سُن بھی لیں تو ان کی سمجھ
ہی میں نہیں آتا کہ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے
کان ہیں لیکن وہ سُنتے نہیں، ان کی آنکھیں ہیں لیکن وہ دیکھتے نہیں، ان کے
پاس عقل ہے لیکن۔ شاید وہ کام نہیں کر رہی ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جنھیں اللہ
نے جانوروں کی مانند کہا ہے بلکہ ان سے بھی گئے گذرے۔

(۲) ایسے لوگ جن کا اوپر ذکر ہوا کسی بات کو خود اُس بات کے
وزن کے اعتبار سے جانچنا نہیں جانتے، ان میں یہ صلاحیت باقی نہیں رہتی
کہ وہ ہر بات کو سوچیں اور پرکھیں اور پھر حق اور باطل میں تمیز کریں۔ ان
کے سامنے جب کوئی نئی بات آتی ہے تو یہ اس بات پر تو غور کرتے نہیں
کہ یہ بات کیسی ہے ہاں یہ ضرور دیکھتے ہیں کہ کون کہہ رہا ہے؟ اگر کہنے
والا دُنیاوی اعتبار سے کچھ شان و شوکت والا ہے، اگر اس کے پاس قوّت
ہے، اگر وہ اقتدار اور حکومت کا مالک ہے، یا پھر انسانوں کی کوئی بڑی
بھیڑ اس کے ساتھ ہے تو اب ان کے نزدیک اس شخص کی بات ضرور قابل
قدر ہوتی ہے۔ ایسے شخص کی بات یہ لوگ صرف یہی نہیں کہ کان دھر کر سُن لیتے

ہیں، بلکہ چاہیے سمجھ میں آئے یا نہ آئے ایک بار یوں ہی ہاں میں ہاں ملا دیتے ہیں۔

حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کا بھی یہی حال تھا۔ انھوں نے اُن سے صاف صاف کہہ دیا کہ تمھاری باتیں ہم کیا مانیں تم تو بالکل بے زور آدمی ہو۔ تم میں نہ کوئی بل بوتا ہے اور نہ تم کسی طاقت اور اقتدار کے مالک ہو۔

(۳۳) انسان بہت ہی ظاہر پرست واقع ہوا ہے۔ جو چیزیں اس کو سامنے نظر آتی ہیں وہ ان سے ضرور اثر لیتا ہے۔ لیکن وہ چیزیں جو دکھائی نہیں دیتی ہیں بلکہ جنھیں صرف عقل کی مدد سے ہی جانا جا سکتا ہے اُن کا اثر اس پر بہت کم پڑتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لوگ اکثر ایک دوسرے کی مروّت، برادری کے دباؤ یا خاندان کے پاس اور لحاظ سے کچھ باتیں مان لیتے ہیں، لیکن کسی بات کو صرف اس لیے مان لینا کہ وہ حق ہے اور کسی بات کو صرف اس لیے چھوڑ بیٹھنا کہ وہ باطل ہے ان کے لیے بہت دُشوار ہوتا ہے — حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم میں یہ مرض بھی موجود تھا۔ ان لوگوں نے یہ تو نہ کیا کہ اللہ کے نبی جو پیام دے رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ وہ پیام اللہ کی طرف سے ہے لاؤ اسے جانچیں اور پرکھیں ہوسکتا ہے کہ وہ اللہ کی طرف سے ہی ہو۔ بلکہ اس کے برخلاف یہ تدبیریں سوچنے لگے کہ حضرت شعیب علیہ السلام کو کسی طرح مار ڈالیں۔ پھر یہ غور کیجیے کہ حضرت شعیب علیہ السلام کے قتل کر ڈالنے میں انھیں اللہ کا ڈر تو نہ ہوا بلکہ اگر کچھ پاس لحاظ کیا بھی تو وہ حضرت شعیب علیہ السلام کے خاندان کا کیا۔

ایسا ہی حال عرب والوں کا تھا۔ جس زمانے میں یہ سورت نازل ہوئی ہے وہ تقریباً وہی دَور تھا جب مکّے کی زندگی کی مُدّت ختم ہونے والی تھی اور ہجرت کا زمانہ قریب تھا۔ عرب کے لوگ اللہ کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کر ڈالنے کی سازشیں کر رہے تھے — انھیں آپ کے مار ڈالنے سے یہ بات روک رہی تھی کہ آپ ایک ایسے خاندان سے تعلق رکھتے تھے جس کا عرب والوں پر بڑا اثر تھا۔ آپ کے مخالفوں کی یہ ہمت نہ ہوتی تھی کہ آپ کو قتل کر کے بنو ہاشم کی

مخالفت مول لے لیں انھیں آپ کے خاندان کا پاس اور لحاظ تھا ـــــ حضرت شعیب علیہ السلام کے اس واقعے میں عرب والوں کے لیے بڑی نصیحت تھی۔ اور خاص طور پر حضرت شعیب علیہ السلام کا وہ جواب جو آپ نے اس کے بعد اپنی قوم کو دیا بہت ہی کھلی ہوئی نصیحت ہے۔ آپ نے فرمایا کہ لوگو تم کو میرے خاندان کا تو پاس و لحاظ ہے لیکن اللہ کی تمھیں کوئی پروا نہیں۔ یہ بات دراصل ان حالات میں خود آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی عرب والوں کو ان کی سازشوں اور تدبیروں کا ایک جواب ہی ہے۔

(۴) جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم اللہ کی منکر نہیں تھی بلکہ دراصل ان کی خرابی یہ تھی کہ ان کے دل سے اللہ کی صفات کا صحیح تصور یا تو مٹ چکا تھا یا بہت ہی دھندلا پڑ گیا تھا۔ ایسے حالات میں کوئی نصیحت اور کوئی اصلاحی کوشش کارآمد ہو ہی نہیں سکتی۔ جب تک کہ اللہ تعالیٰ کی صفات صحیح طریقے پر لوگوں کی سمجھ میں نہ آجائیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس موقعہ پر حضرت شعیب علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی اس صفت کو بیان فرماتے ہیں کہ وہ ذات تو ایسی ہے جو تمھارے سارے کاموں کو اپنی قدرت سے گھیرے ہوئے ہے۔ تمھاری یہ مجال نہیں کہ اس کی منشا کے خلاف کچھ بھی کر سکو۔ تمھارا ہر کام اُس کے مقررہ قوانین کے ماتحت ہی ہو رہا ہے اور یہی ہو بھی سکتا ہے۔ تم کسی وقت بھی اُس کی پکڑ سے باہر نہیں ہو سکتے ـــــ

ـــــ جب اللہ کی صفات یہ ہیں ـــــ اور جب کہ تم بھی اللہ کی ان صفات کے منکر نہیں ہو ـــــ تو پھر یہ ہٹ دھرمی اور ضد کیسی؟ تمھاری کوئی تدبیر اللہ کی تدبیر کے آگے چل نہیں سکتی۔ تم اور تمھارے سارے کام اس کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ اُس کے سامنے تم بالکل مجبور اور لاچار ہو۔ ایسی صورت میں اُس کے احکام کے خلاف بغاوت پر آمادہ ہونے سے پہلے اچھی طرح سوچ اور سمجھ لو ـــــ

عزیز حمیدہ بیگم صاحبہ

کوٹھری کی صفائی

آپ نے دیکھا ہوگا کہ عام صفائی پسند عورتیں مکان کی صفائی صرف اُس حد تک کرتی ہیں جہاں تک آنے جانے والوں کی نظر پڑسکے۔ اور اُن حصّوں کی پروا نہیں کرتیں جن کے متعلق انھیں یقین ہوتا ہے کہ کوئی نہیں دیکھے گا۔ کئی دفعہ ایسا اتفاق ہوا ہے کہ صاف ستھرے اور سجے سجائے گھروں کی کوٹھریوں میں جانا پڑا تو خانہ دار کی صفائی پسندی کا پول کھل گیا۔ کسی کمرے کی بند الماری اتفاقاً کھل گئی تو بے قرینے پڑی ہوئی کتابوں، شیشوں اور دوسری چھوٹی موٹی چیزوں نے نیچے گرنا شروع کردیا۔

کچھ خواتین ایسی بھی ہیں جنھیں واقعی صفائی پسند کہنا چاہیے۔ وہ اپنے مکان کی صفائی آنگن یا دالان کی بجائے کوٹھری سے شروع کرتی ہیں اور دروازے تک اپنی نفاست کا ثبوت دیتی ہیں۔ اگر آپ بھی کوٹھری سے صفائی شروع کرنے والی ہیں تو آپ کو تجربہ ہوگا، کہ کوٹھری کا جب گوشہ گوشہ صاف ہو اور اُس میں کی ہر چیز صاف اور باقرینہ رکھی ہو تو دل کو کیسی فرحت حاصل ہوتی ہے۔ اور اگر آپ صرف اوپری اوپری صفائی کرنے کی عادی ہیں تو ایک دو دفعہ مکان کے اندرونی اور ہر وقت نظر نہ آنے والے حصّوں کو صاف کرکے دیکھیے آپ کو کیسا اطمینان حاصل ہوتا ہے!

ہمارا اینٹ پتھر اور لکڑی لوہے سے بنا ہوا مکان جس کو جب چاہیں تبدیل کرسکتے ہیں، بیچ سکتے ہیں تب ہی صاف کہلا سکتا ہے۔ جب اس کے چھپے ہوئے اور اندرونی حصّے بھی صاف ہوں۔ اسی طرح ہمارا مستقل مکان خون گوشت سے بنا ہوا مکان تب ہی صاف اور پُرکشش بن سکتا ہے۔ جب اس کے دل و دماغ کی کوٹھریاں اور ان کے اندر کے تمام بکس اور الماریاں صاف ستھری ہوں۔ ان میں دھوکہ، فریب، کینہ، حسد، خودپسندی اور بُری خواہشات کی گندگی اور کوڑا کرکٹ نہ ہو

ان میں خود غرضی، لالچ اور شہرت پسندی کے جو ہیے نہ دوڑ رہے ہوں اور ہر چیز اپنی جگہ پر سُلجھی پڑی ہو۔

عام لوگ اپنے مکان کی طرح عادات بھی صرف اُسی حد تک درست رکھتے ہیں جن کو صرف تھوڑی دیر کے لیے ملنے والے سراہ سکیں۔ اور اُن عادات واطوار کو ٹھیک کرنے کی مطلق پروا نہیں کرتے جن سے مستقل متعلقین مثلاً رشتہ دار، پڑوسی، میاں بیوی، بہن بھائی اور ماں باپ مسلسل تکلیف اُٹھا رہے ہوں۔ اکثر لوگ حلیم الطبع شیریں کلام اور خندہ رو ہونے کے ساتھ ساتھ حد درجہ خود غرض، بخیل اور طوطا چشم ہوتے ہیں۔ یہ لوگ اُس عورت سے ہزار گنا پھوہڑ، غیر مہذب اور گندے ہیں جو مکان کے بیرونی اور ظاہری حصوں کو تو صاف کرتی ہے۔ لیکن اندرونی حصوں کی غلاظت اور گندگی کے ڈھیر برداشت کرلیتی ہے۔ یہ عورت تو صرف اپنا تھوڑا سا نقصان کرتی ہے یا گھر والوں کا۔ لیکن ان ظاہری اخلاق کو چمکانے والے لوگوں کی اندرونی نجاستیں، ان کے دل و دماغ کی عفونتیں تو دُنیا بھر کو تباہ کررہی ہیں۔ اسی غلاظت کی بدولت بھائی بھائی سے اور بیٹا ماں سے کٹ گیا ہے۔ پڑوسی ایک دوسرے کے مددگار اور دوست بننے کے بجائے خُون کے پیاسے بن گئے ہیں۔ اور یہ زمین چوروں، ڈاکوؤں اور عیّاروں کے قدموں تلے کانپ رہی ہے!

کاش ہمارے اپ ٹو ڈیٹ بہن بھائی اس قلبی پھوہڑ پن سے واقف ہوجائیں اور اپنے لباس، جوتوں، بالوں اور ناخنوں کی طرح دل و دماغ کو بھی صاف اور اعلیٰ نظریات سے خُوب صورت اور خوشبودار بنائیں +

جناب غلام مصطفیٰ صادق بصیروی

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ

آپ کا اسمِ گرامی زید، والد کا نام ارقم، اور لقب معین الاسلام ؛
آپ عرب کے مشہور قبیلے "بنو عاصم" کے چشم و چراغ تھے۔ حق سبحانہٗ و تعا
نے آپ کو ہمت و استقلال، جرأت و شجاعت کی نعمت عطا فرمائی تھی۔ آ
جس طرف رُخ کرتے کامیابی آپ کے قدم چومتی تھی اور فتح و نصرت آپ ۔
انتظار میں رہا کرتی تھی۔ آپ ۱۷ اکتوبر ۵۲۰ء کو مکۂ معظمہ میں پیدا ہوئے
آپ کو شروع سے فنِ سپہ گری اور شعروسخن کا بہت شوق تھا۔ اسی شوق
کی بنا پہ آپ نے تیراندازی، گھوڑے کی سواری اور تلوار چلانے کے کمالات
حاصل کیے۔ اللہ تعالےٰ نے آپ کو ایسا دل مرحمت فرمایا تھا جو عزم و استقلا
سے معمور تھا۔

حضور سرورِ کائنات محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جب عرب کے بُت پرست
اور وحشی لوگوں کے سامنے اعلانِ حق فرماتے ہوئے کہا کہ: "اے اللہ کی مملکت
میں رہنے والے اور اُسی سے بغاوت کرنے والے لوگو! خدائے قدوس ہی تما
دُنیا کا مالک و خالق ہے، وہ واحد و یکتا ہے، اُس کے سوا کوئی معبود نہیں، و
بے نیاز ہے، کسی کا محتاج نہیں اور کوئی اُس کا شریک نہیں۔ وہ تمام مخلوق
کو پالتا ہے اور ہر جاندار کو رزق عطا کرتا ہے، ہر چیز اُس نے پیدا کی او
وہی تمام نعمتوں کا سرچشمہ ہے۔ اُس خالقِ کائنات کو چھوڑ کر پتھروں کے
بتوں اور خانقاہوں کی اینٹوں کو اپنا مسجود نہ بناؤ اور اُن کی عبادت میں سرشار
نہ ہوجاؤ — تو حضرتِ زید نے یہ آوازِ حق سُنتے ہی اس دعوت کو قبول کرلیا
اور شمعِ اسلام کے پروانے بن گئے۔ جس زمانے میں حضرت زید بن ارقم نے
اسلام قبول کیا وہ بڑا بے چینی کا زمانہ تھا۔ ہر طرف جہالت کی حکمرانی تھی

یتی و حضرت کا بازار گرم تھا۔ بت پرستی لوگوں کی رگ رگ میں اثر کرچکی تھی۔
خالق و مخلوق کا رشتہ ٹوٹ چکا تھا، بتوں کے خلاف ایک حرف بھی زبان
سے نکالنا ہولناک جرم قرار دیا جاتا تھا۔ ان تمام حالات ہی میں حضرت زید
نے اسلام قبول کیا۔ جب زید بن ارقم رضی اللہ عنہ آغوشِ اسلام میں آئے تو
ان کو شدید تکالیف کا مقابلہ کرنا پڑا۔ اُن کے رشتے دار اُن پر طرح طرح کے
ظلم ڈھاتے تھے۔ لیکن اُن کے استقلال میں کبھی فرق نہ آیا۔ ایک دن اُن کے
ماموں نے کہا تم محمدؐ کو کیا سمجھتے ہو؟ حضرتِ زید نے جواب دیا ـــــ "وہ
میرے آقا و مولیٰ ہیں، اللہ کے پیارے رسول ہیں، اُن کا تقویٰ ستائش کے
قابل ہے۔ وہ نہایت خلوصِ دل کے ساتھ غریبوں پر مہربانی فرماتے ہیں۔ اُن کی
ذاتِ گرامی خیر و برکت کا سرچشمہ ہے کوئی انصاف پسند انسان اُن کی زندگی میں
کوئی ایسا عیب نہیں بتا سکتا جو اعلیٰ انسانیت کے اعتبار سے گرا ہوا ہو۔ اُن کے
اندر وہ تمام خوبیاں موجود ہیں جو ایک رہبرِ اعظم میں ہونی ضروری ہیں، وہ
نہایت خلیق اور ہمدرد ہیں۔ اُن کو غریبوں سے محبت ہے۔ وہ اُن کے رنج و راحت
میں شریک ہوتے ہیں اور اُن کی خدمت کرتے ہیں، وہ دُنیاوی وجاہت کو کوئی چیز
نہیں سمجھتے، وہ امیر و غریب کے ساتھ یکساں برتاؤ کرتے ہیں۔"

اس تقریر کو سُن کر زید کے ماموں نے کہا: "زید! کیا تم پسند کروگے کہ
تمھاری بجائے تمھارے نبی کو تکلیف دی جائے۔" حضرت زید نے کہا "تم اپنے
خنجر سے مجھے ذبح کرسکتے ہو لیکن میں پسند نہیں کرتا کہ حضور سرورِ عالم کے پاؤں
میں کانٹا بھی چبھے۔"

یہ الفاظ سُن کر اُن کے رشتے داروں نے کہا محمدؐ کا جادو اس پر اچھی
طرح سے چل چکا ہے اس لیے اسے اس کے حال پر چھوڑ دو۔

حضرت زید بن ارقمؓ نے اپنی زندگی کو اشاعتِ اسلام کے لیے وقف کر
رکھا تھا۔ اُنھوں نے عرب کے مشہور قبیلوں میں اسلام کی تبلیغ کی۔ اس سلسلے میں
اُنھیں کافی تکالیف برداشت کرنی پڑیں لیکن وہ ایک لمحے کے لیے بھی مایوس نہیں
ہوئے۔ ایک مرتبہ قبیلۂ بنوثقیف کے ایک سردار نے آپ سے پوچھا: "زید کس چیز نے

تم کو اسلام کی طرف مائل کیا ہے۔" حضرت زید نے فرمایا: "اسلام ایک
صداقت اور مقدس مذہب ہے۔ اس کی تعلیمات آسان اور عالم گیر ہیں۔ اسی
کے احسانات سے ہماری گردن جھکی ہوئی ہے۔ اسلام سے پہلے عرب کے کونے
کونے میں کفر و ضلالت بڑھ چکی تھی، جور و جفا کا غلبہ تھا، غریب اور افلاس زدہ
لوگوں پر انسانیت سوز ستم ڈھائے جاتے تھے، ہماری پیشانیاں پتھر کے بتوں
کے سامنے جھکی ہوئی تھیں، اسلام نے آتے ہی ہمیں ان تمام برائیوں سے روک دیا۔
اور اس نے پتھر کے بتوں کی عبادت کے بجائے حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی بندگی کا حکم
دیا ہے۔" حضرت زیدؓ کی اس تقریر سے متأثر ہو کر قبیلہ بنو ثقیف کے گیارہ آدمیوں
نے اسی وقت اسلام قبول کر لیا۔ حضرتِ زید کو شروع ہی سے عبادت و ریاضت
سے خاص اُنس تھا۔ اُن کا معمول تھا کہ طلوعِ آفتاب سے چار گھنٹے پیشتر نیند سے
بیدار ہوتے، غسل کرتے اس کے بعد نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ نمازِ تہجد
پڑھتے پھر ذکر و فکر میں مشغول ہو جاتے، جب کبھی سفر میں جاتے تو اپنے خیمے کے
دروازے پر پردہ ڈال کر دو سو رکعت نوافل پڑھتے۔ اکثر ایسا بھی ہوتا تھا کہ
عشا کے وضو سے صبح کی نماز پڑھتے تھے۔ اُن کا یہ ذوقِ عبادت آخر عمر تک قائم
رہا اور کبھی اُن کے ذوق و شوق میں فرق نہ آیا۔ آپ کی ایثار پسندی کا یہ عالم
تھا کہ آپ جو کچھ بھی دن بھر میں کماتے تھے اُس کا نصف حصہ اشاعتِ اسلام
اور غریبوں بے نواؤں کی دستگیری میں خرچ کر دیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ اُن کے
ایک رشتے دار نے کہا:

"زید تم بے انتہا ناعاقبت اندیش اور فضول خرچ ہو، کیا تم کو یہ احساس
نہیں کہ جب تم درماندہ پریشاں حال ہو جاؤ گے تو کون تمہاری خبر گیری کرے گا
تمہیں چاہیے کہ جو کچھ مزدوری کر کے کماؤ اُسے محفوظ رکھو۔" حضرتِ زید نے فرمایا:

"تمہاری ہمدردی کا شکریہ، لیکن جو کچھ آپ کہہ رہے ہیں یہ صحیح نہیں
ہے۔ کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ جب میں ماں کے پیٹ میں تھا جب بھی مجھے خوراک
حاصل ہوتی تھی۔ جب میں پیدا ہوا تو میرے پاس کوئی لباس وغیرہ نہیں تھا۔
اللہ اکبر نے میرے لباس کا انتظام بھی فرما دیا، میں عاجز و مجبور تھا، قدرت نے

مجھے توانائی و طاقت عطا فرمائی، میرے پاس کچھ سامان نہیں تھا، خدائے ذوالجلال نے مجھے سب کچھ عطا فرمایا۔ پس مجھے اس بات پر پورا یقین ہے کہ جس خالق و مالک نے مجھے شروع سے اب تک بے انتہا نعمتوں سے نوازا ہے وہی مجھے زندگی کے آخری لمحات میں بھی طرح طرح کی نعمتیں عطا فرمائے گا۔"

حضرت زید رضی اللہ عنہ کی ایک نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ کسی حال میں بھی باطل سے نہیں دبتے تھے اور ہمیشہ اعلانِ حق کرتے تھے۔

ایک مرتبہ آپ کے حقیقی ماموں رافع بن اشقم جو اسلام کے شدید مخالف اور بُت پرستی کے زبردست حامی تھے اُن کے مکان پر آئے اور کہنے لگے "زید! اگر تم حمایتِ اسلام سے باز نہیں آؤگے تو مَیں اپنی پوری جماعت کے ساتھ تم پر حملہ کردوں گا، اور تم کو ذبح کرڈالوں گا۔"

حضرت زیدؓ نے کہا: "مَیں ایک گھڑی اور ایک لمحے کے لیے بھی اسلام کی حمایت سے باز نہیں رہ سکتا۔ اسلام ایک دینِ کامل ہے اور اس کے داعی نبیٔ کریم محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو دُنیا کے سب سے زیادہ مقدس انسان ہیں یہ بالکل ناممکن ہے کہ مَیں صداقت کو چھوڑ کر باطل کی تائید کرنے لگوں۔"

یہ الفاظ سُن کر رافع بن اشقم مایوس ہوگئے ——— اور چند روز بعد وہ خود بھی اسلام کے زبردست حامی بن گئے +

ہمارے نادہندایجنٹ

اللہ کا شکر ہے کہ الحسنات کا اب تک جن لوگوں سے واسطہ پڑا ہے وہ اس بگڑی ہوئی سوسائٹی میں بھی اخلاق و دیانت داری پر قایم رہنے کا حوصلہ رکھتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ہم نے اب تک پورے اعتماد کے ساتھ اپنے ایجنٹ صاحبانؐ سے معاملہ کیا ——— لیکن ہمارے لیے یہ انتہائی تکلیف دہ ہے کہ پھر بھی کچھ لوگ ایسے مل گئے جن کا معاملہ ٹھیک نہیں ہے، ہم ایسے ایجنٹ صاحبان کو بار بار تقاضے لکھتے ہیں لیکن وہ مطالبہ ادا نہیں کرتے۔ اب یہ صورتِ حال خطرناک حد تک بڑھ گئی ہے اور ہم اپنے محدود وسائل کی وجہ سے سخت دشواری محسوس کر رہے ہیں۔ ——— اب علاوہ اس کے اور کوئی صورت باقی نہیں ہے کہ ہم ایسے **نادہندایجنٹ صاحبان** کے نام شائع کردیں تاکہ دوسرے لوگ ان سے معاملہ کرنے میں احتیاط برتیں اور جو لوگ اُن سے کوئی تعلق رکھتے ہوں وہ اُنھیں قرض کی ادائگی کے لیے مجبور کریں۔ ہمارے نزدیک یہی ان کے حق میں سب سے بڑی دوستی ہے۔ ایسے ایجنٹ صاحبان یا تو فوری مطالبہ ادا فرما دیں یا اگر ان کی طرف سے یہ تاخیر کسی معقول عذر کی وجہ سے ہے تو اس سے فوراً مطلع فرمائیں ورنہ آئندہ اشاعت سے ہم مجبوراً ایسے نادہندوں کے نام شائع کرنا شروع کردیں گے۔

"منیجر"

محترمہ نکہت طیب صاحبہ

تجدیدِ عہد

"یہ لو حکم کا نو"

"یہ رہی پان کی دُو کی"

"تم بے ایمانی سے پتے نہ چُراؤ جی، ایمانداری سے کھیلو"

"خواہ مخواہ مجھ پر الزام نہ لگاؤ، دیکھو میری گیارہ کی سویپ لگ گئی"

"او ہو غلطی ہو گئی، اچھا آئندہ تم کوئی سویپ لگا کر دکھاؤ"

فرید اور اُس کے دوست ظفر اور نذیر ایک بند کمرے میں بیٹھے تاش کھیل رہے ہیں، ہی ہی، ہا ہا کا شور مچا ہوا ہے۔ کبھی کبھی قہقہوں کے درمیان میں اونچی آواز سے بولے ہوئے کوئی کوئی فقرے کمرے کے بند درو دیوار سے گذر کر کانوں میں گھُس پڑتے ہیں۔ دوپہر سے شام ہونے آئی۔ مگر ان تاش کے متوالوں کو کچھ خبر نہیں کہ دن کدھر گیا۔ فرید کی بڑی بہن نجمہ جب بھی بند کمرے کی طرف دیکھتی ہے جھنجلا کر رہ جاتی ہے۔ کمرے میں گھُسے گھُسے اُنھوں نے ظہر اور عصر کا وقت گذار دیا مگر ایک لحظہ کے لیے اُنھیں خیال نہ آیا کہ اس شیطانی کام کو چھوڑ کر معبودِ حقیقی کے سامنے اپنے سرکش سر جھکالیں، وہ اُن کے فضول کام میں لگ کر نماز جیسی اہم چیز کو ضائع کرنے پر بہت کُڑھ رہی ہے۔ سوچتی ہے کس طرح اُنھیں اس کام سے منع کروں۔ کئی بار خیال آیا کہ دروازے میں کھڑی ہو کر اُنھیں روکوں اور شرم دلاؤں، مگر پھر اپنی آواز غیر لڑکوں تک پہنچانے کے خیال پر حیا غالب آگئی۔ آخر جب دیکھا کہ مغرب کا وقت ہوا چاہتا ہے اور اُنھیں کچھ بھی احساس نہیں، تو رہ نہ سکی۔ جلدی جلدی ایک کاغذ پر کچھ لکھا اور نوکر کو بلا کر کہا کہ یہ کاغذ اُن کے درمیان میز پر رکھ آؤ۔ نوکر نے حکم کی تعمیل کی۔

فرید: "(حیرانی سے) یہ کیسا کاغذ ہے؟

نوکر: "جی بی بی نے دیا ہے کہ آپ لوگوں تک پہنچا دوں"۔

تینوں دوست شوق و اشتیاق سے کاغذ کی طرف لپکے۔ فرید جلدی جلدی اور سرسری نظر کاغذ پر دوڑا کر اور بُرا سا منھ بنا کر: "اونہہ ہماری آپا کی 'مولویوں' والی نہ کہتیں، ہمارا کھیل بھی خراب کردیا۔"

ظفر اور نذر: "یار سناؤ تو سہی کیا لکھا ہے۔"

فرید: "لو تم خود ہی پڑھ لو۔"

ظفر نے کاغذ لے کر اونچی آواز سے پڑھنا شروع کیا:

"پیارے بھائیو! ذرا سوچو تو سہی، تم کس شیطانی کام میں مصروف ہو اس کی خاطر تم نے دو وقت کی نماز ضائع کردی اور اب تیسری عنقریب ضائع ہونے والی ہے۔ دو دفعہ تمھیں مالکِ حقیقی کی طرف سے بلاوا آیا مگر تم نے سرکشی سے انکار کردیا۔ اور اُس رحیم و کریم آقا کے بلاوے کو کچھ اہمیت نہ دی، اُسے قابلِ توجہ ہی نہ سمجھا۔

ذرا سوچو تو تم کس کے حکم سے روگردانی کر رہے ہو، اُس کے جس نے تمھیں بنایا، تم کو ہر ایک چیز عطا کی۔ اور اب اگر چاہے تو تمھیں کچھ سے کچھ کرسکتا ہے، مگر پھر بھی اتنا غفور الرحیم کہ تمھاری ہر لمحہ اور ہر آن کی سرکشی اور رُوگردانی دیکھنے کے باوجود تم پر اپنے انعام و اکرام اور اپنی رحمت کے دروازے بند نہیں کرتا۔

میرے عزیز بھائیو! کچھ تو خیال کرو، آخر سدا یہاں ہی تو بیٹھے نہیں رہنا ہے ایک نہ ایک دن یہاں سے کوچ کرنا ہے، پھر وہ کیسا نازک وقت ہوگا، جب یہ ہمارے دُنیاوی تعلقات چھوٹ جائیں گے اور بس اکیلے ہی اُس جبار و قہار رب کے سامنے اپنا معاملہ بھگتنا ہوگا، جب پروردگار کے سامنے اپنے سارے کاموں کی رپورٹ پیش ہوگی اُس وقت کی بربادی اور اُس کے احکام سے غفلت کا کیا جواب دوگے؟ کیا آخرت کی جواب دہی پر تمھیں یقین نہیں رہا! اور کیا خدا کے مقرر کردہ فرشتوں 'کراماً کاتبین' کے بارے میں تمھارا خیال ہے کہ وہ اپنے فرائض سے اتنے ہی سُست ہوگئے ہیں کہ تمھاری ہر ہر بات اور ہر ہر حرکت کو نوٹ نہیں کرسکتے؟ پھر آخر کس اُمید پر ان فضول کاموں میں وقت گنوایا جائے جبکہ یہ معلوم ہی نہیں کہ کب اجل کی گھڑی آپہنچے اور توبہ و استغفار کی مہلت ملے بھی یا نہ ملے۔

خدارا ذرا سوچو کہ زمانہ کدھر جا رہا ہے، وقت کا تقاضا کیا ہے اور ہم کن شغل میں مصروف ہیں، کیا قوموں کے بننے کے یہی ڈھنگ ہیں؟ شطرنج اور تاش جیسے فضول کاموں میں وقت ضائع کرنے کی بجائے کوئی کام کی بات سیکھو، دینی علم حاصل کرو، اپنی اور اپنے ملک ــــ خدا کی اس مقدس امانت کی حفاظت دنیا کے طوفانِ بلاخیز سے کرو۔

خدا کے لیے اپنی پُرانی تاریخ پر نظر ڈالو اور دیکھو کہ ہمارے اسلاف کیا تھے اور ہم کیا ہیں، وہ چند مٹھی بھر نفوس، عرب و عجم کے فاتح اور ہم کروڑوں کی تعداد میں ہونے کے باوجود ذلیل و خوار! یہ اتنا بڑا فرق کس لیے؟ صرف اس وجہ سے کہ وہ قرآن کے حامل اور عامل تھے، اور ہم تارکِ قرآن، وہ سنّتِ رسول کے عاشق و دلدادہ اور ہم سنّتِ نبوی کے اتباع سے کوسوں دُور۔

پیارے بھائیو! لفظِ 'مسلم' کو سمجھو للہ اس کی لاج رکھو اور صحیح معنوں میں مسلمان بننے کی کوشش کرو، آؤ آج سے عہد کرو کہ اپنے رب سے کیے ہوئے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ کے عہد کو سمجھنے اور اُس کے تقاضوں اور ذمّے داریوں کو پُورا کرنے کی کوشش کروگے۔

دُنیا آج تباہی کے گڑھے میں گری ہوئی ہے، وہ اپنی موجودہ حالت سے سخت بیزار اور متنفر ہے، لیکن نہیں جانتی کہ اُس کے دُکھ درد کا مداوا کیا ہے اور صحیح جائے پناہ کون سی ہے، تم اُٹھو اور قرآن اور حدیث پر خود عمل کرکے دُنیا کو بتادو کہ اُس کے تمام مصائب کا حل اس نسخۂ کریم میں موجود ہے۔ دُنیا تمام نسخوں، تمام طریقوں کو آزما کر تھک چکی۔ اب اُس کی پُراُمید نگاہیں قرآن کے علمبرداروں کی طرف لگی ہیں، اُسے مایوس نہ کرو، اُسے دکھادو کہ امن و سلامتی کا سیدھا راستہ کونسا ہے!!

نذر (ایک طویل آہِ سرد بھر کر): "بات ہے تو ٹھیک۔ لو بھئی میں تو اس کھیل کو ختم کرتا ہوں اور عہد کرتا ہوں کہ آئندہ پھر کبھی اس شیطانی کھیل کو ہاتھ نہیں لگاؤں گا" اور فضول لہو و لعب میں وقت ضائع کرنے کی بجائے فرصت کے اوقات کو قرآن و حدیث کا مطالعہ کرنے میں صرف کروں گا کیا تم میرا ساتھ نہ دوگے؟

ظفر اور فرید (اپنے دوست کی بات سے متاثر ہوکر): "کیوں نہیں، جب ہم فضول کاموں میں تمہارے برابر کے شریک رہے ہیں تو کیا اس نیک کام میں جو سراسر ہمارے اپنے ہی فائدے کا ہے تمہارا ساتھ نہ دیں گے خدا ہمیں ہمت دے کہ دین کا علم خود سیکھیں اور دوسروں کو سکھائیں۔ اے اللہ! ہم تیرے گنہگار بندے آج سے تیری طرف رجوع ہوتے ہیں، ہمیں اپنے راستے میں استقامت بخش اور ہماری مدد فرما۔ آمین۔

جناب وحید قیصر صاحب راولپنڈی

حمد

کثرت میں وحدت ہے تری	اے مالکِ ہر دو جہاں
ہر شے میں قدرت ہے تری	اے خالقِ کون و مکاں
ان آبشاروں سے ترے	ظاہر ہے یکتائی تری
ان کوہساروں سے ترے	ہے عالم آرائی تری
یہ جوئبار و مرغزار	شاہد ہیں وحدت کے تری
یہ شفق اور لالہ زار	مظہر ہیں قدرت کے تری
ہر چیز سے ہے یہ عیاں	ہے کوئی خالق تو ضرور
نظروں سے گو ہے وہ نہاں	ہر جا ہے پر اُس کا ظہور
ہر شے میں ہے جلوہ ترا	اے مالکِ روزِ جزا
کافر ہے جو منکر ہوا	تیری خدائی سے ذرا
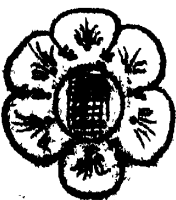
اے خالقِ کون و مکاں
اے بادشاہ دو جہاں
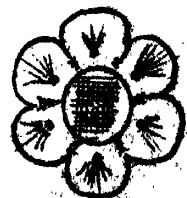
بزمِ حسنات

محمد آباد کوٹھ

جیسا کہ گذشتہ رپورٹ میں آپ کو مطلع کیا گیا تھا ہمارے یہاں بزمِ حسنات کا قیام عمل میں آچکا ہے۔ رسالۂ الحسنات سے متاثر ہو کر (جو ہمارے یہاں تقریباً تین ماہ سے آرہا ہے) یہ قدم اُٹھایا گیا ہے۔ اس کے علاوہ یہاں ایک دارالمطالعہ بھی ہے جس میں جماعت کا پورا لٹریچر سوا دو تین کتابوں کے موجود ہے۔ یہاں کے لوگ اس لٹریچر سے بہت متاثر ہو رہے ہیں اور ہندوستان کی موجودہ سیاسی ذہنیت کو چھوڑ کر رفتہ رفتہ اس طرف مائل ہو رہے ہیں لوگ برابر کتابیں لے جاتے ہیں اور پھر پڑھ کر واپس کر دیتے ہیں۔ دوسرے دن تک کتابیں لے جانے اور پڑھنے کے بعد اُن کے خیالات میں جو تبدیلی ہوتی ہے اُسے معلوم کرنے کی حتی الوسع کوشش کی جاتی ہے۔ دارالمطالعہ میں "الانصاف" اور "ماہنامۂ زندگی" بھی برابر آتا ہے۔ "الانصاف" اسی ماہ میں جاری کیا گیا ہے اور لوگوں تک اُس کو پہنچانے کی انشاء اللہ ہم کوشش کریں گے۔

بزمِ حسنات کے اجتماعات ہر ہفتے میں جمعہ کے روز ہوتے ہیں۔ ہمارے یہاں بزمِ حسنات کی کارروائی کو چھ مختلف اجزاء میں منقسم کیا گیا ہے جس کی مختصر سی تشریح حسبِ ذیل ہے:

۱۔ تفسیر القرآن۔ اس حصے میں قرآن کے مطالب "الحسنات" سے پڑھے جاتے ہیں اور اُس کے قابلِ غور پہلوؤں پر الگ الگ پورے طور پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔ چونکہ بزمِ حسنات میں ابھی کسی ایسے شخص نے شرکت نہیں کی ہے جو قرآن کے مطالب عام فہم اُردو زبان میں بیان کر سکے، اس لیے صرف "الحسنات" ہی سے مدد لی جاتی ہے۔

۲۔ ایک نظم جو "الحسنات" یا "زندگی" میں شائع ہوئی ہو، اور لوگوں میں جذبۂ عمل کو بیدار کرنے والی ہو اس حصے میں پڑھی جاتی ہے۔ مثلاً "مومن کا اقدام" بحوالۂ زندگی۔

۳۔۔۔۔ "احساسات" جو پرچۂ الحسنات میں برابر شائع ہوتا ہے، پڑھا جاتا ہے اور پھر اُس پر الگ سے روشنی ڈالی جاتی ہے۔

۴۔۔۔۔ کوئی نصیحت آموز کہانی جس کا تعلق بچوں سے ہوتا ہے پڑھی جاتی ہے مثلاً "پھول" بحوالۂ پرچۂ الحسنات۔

۵۔۔۔۔ ایک مضمون جو خدا داد قابلیت کی بناء پر لکھا گیا ہو یا کوئی دوسرا مضمون جو الحسنات اور زندگی میں شائع ہوا ہو پڑھا جاتا ہے۔ اس اجتماع میں ایک مضمون لکھا گیا اور پڑھ کر سنایا گیا، جس کا عنوان تھا "ہماری نمازیں"۔

۶۔ آخری حصہ مفید ہدایات پر مشتمل ہوتا ہے جس میں پورے اجتماع کی کارروائی پر مختصر طور سے روشنی ڈالی جاتی ہے و نیز

کوئی تجویز اگر ہو تو سب کے سامنے رکھی جاتی ہے اور جو کچھ طے پائے اُس کے مطابق کام کیا جاتا ہے۔ گذشتہ اجتماع کی رپورٹ
سب کے سامنے پڑھ کر سنائی جاتی ہے اسی حصے میں شامل ہے۔ اس اجتماع میں شرکت کرنے والوں کی تعداد ۹ سے تجاوز کرکے
۲۰ تک پہنچ گئی اور لوگوں نے کافی دلچسپی کا اظہار کیا۔ ہم اُمید کرتے ہیں کہ وہ برابر اسی طرح اجتماعات میں شرکت کرتے رہیں گے۔

(نسیم احمد)

محمد آباد کوٹھ

آج بتاریخ ۱۷ رجون ۱۹۵۴ء روز جمعہ مغرب کی نماز کے بعد بزم حسنات کا اجتماع منعقد ہوا۔ شرکاء کی تعداد ۱۲ تھی
پہلے رسالۂ الحسنات سے قرآن شریف کا درس ہوا۔ بعدہٗ ایک نظم بعنوان "اعتراف" جو رسالۂ زندگی میں شائع ہوئی تھی پڑھی
گئی جس میں مسلمانوں کی کمزوریاں واضح کرتے ہوئے شاعر نے زبان عوام الناس کی زبان سے یہ اقرار کیا تھا "ابھی یقیناً مسلمان نہیں ہوں"۔
اس کے بعد رسالۂ زندگی کا ایک مضمون بعنوان "ایک سچی پکار" جس میں مضمون نگار نے داعی کی اہمیت بیان کی تھی پڑھا گیا۔
پھر رمضان شریف کے روزوں پر خاص طور سے روشنی ڈالنے کے لیے زندگی کا ایک مضمون "تربیت و تزکیہ کا ایک اہم پروگرام"
پڑھ کر سنایا گیا ـــــ اس کے بعد رسالۂ الحسنات سے "احساسات" پڑھا گیا جس میں یہ واضح کیا گیا تھا کہ ایک بندۂ مومن کو
راہِ حق میں قدم رکھنے کے بعد کن کن مصائب سے دوچار ہونا پڑتا ہے اور اس صورت میں اسے فریضۂ حق کی ادائیگی کے لیے کس طرح
ثابت قدم رہنا چاہیے ـــ تبصرے و ہدایات کے بعد اجتماع کی کارروائی ختم ہوئی۔ باہم مشورے سے یہ طے پایا کہ ہمیں
اپنے کام کو اسی طرح جاری رکھنا چاہیے +　　　　(نسیم احمد)

موضع منگراواں

میں اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ادا کرتی ہوں کہ اُس نے مجھے ایک ایسے ماحول سے نکالا یا یوں سمجھیے کہ ایک ایسے ماحول سے
نفرت دلائی جس ماحول میں پروان چڑھنے والی سہیلیوں کو میں اپنی کھلی آنکھوں سے دیکھتی ہوں تو میری عجیب کیفیت ہو جاتی ہے
وہ کھلے سر باہر نکلنا، وہ شیطانی رواجوں پر آمنّا و صدقنا کہہ کر قربان جانا گویا اُن کے شب و روز کے مشاغل ہیں ـ
ورصوم و صلوٰۃ و احکام خداوندی کے خیالات تو ذہنوں سے بالکل مفقود ہیں ـ
ہمارے یہاں احسن مستقیمی کے بتائے ہوئے نقشے کے مطابق کام ہو رہا ہے۔ پہلے تو میں تنہا ہی مکتبۂ الحسنات
کی چھوٹی اور آسان کتابوں اور الحسنات کے پرانے پرچوں کے ذریعے اپنی ماؤں اور بہنوں میں کام کرتی تھی لیکن اب
اللہ تعالیٰ نے اسی گندے ماحول سے چند سہیلیوں کو میرے ساتھ کر دیا ہے جو شانہ بشانہ ہو کر اپنے فرائض انجام دے رہی ہیں۔
چند مصلحتوں کی بنا پر ہم نے اب تک کوئی اجتماع بزم حسنات نہیں کیا مگر اب انشاء اللہ یہ کام جلد از جلد شروع
ہو جائے گا۔ اور اُمید ہے کہ ہمیں اس میں کافی کامیابی حاصل ہوگی ـــ

ہر لمحہ اس خیال میں گنا رہا جاتا ہے کہ ہمیں جن چیزوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے وہ ہمارے پیشِ نظر جو کام
کے ہوتے ہیں سب اللہ تعالیٰ کے احکام کے آئینے میں ہوتے ہیں غلط اور بُری چیزوں میں کافی حد تک تمیز ہو جاتی ہے۔
ابھی جلد ہی خالق احسن صاحب نے ایک تقریر کے انداز میں ہمیں سمجھاتے ہوئے بتایا تھا کہ آئندہ ہفتہ وار بزمِ حسنات کا
لازمی قرار دیا جاتا ہے جس میں یہ چیزیں خصوصی طور پر پیشِ نظر رہنی چاہییں۔ ہم اپنے کام کی رفتار کو تیز تر کرنے کے لیے کوشش
یں اختیار کریں — یہ کام الحسنات سے چھپے ہوئے مضامین کے پڑھنے کے بعد ہوگا — (طاہر فضل نام)

جرانوالہ — یہ بزم گوجرانوالہ کا آٹھواں اجتماع تھا۔ سب سے پہلے تلاوت کلام پاک ہوئی اس کے بعد ناظم بزم نے پچھلے اجتماع کی
روداد پڑھ کر سنائی۔ بعد میں صدر بزم نے "خدا" (توحید نمبر سے) نظم پڑھ کر سنائی جسے بہت پسند کیا گیا۔ بعد میں ایک صاحب نے
"سچائی" مضمون پڑھ کر سنایا جس میں جھوٹ کے نقصان اور سچ کے فوائد اور چند اقتباسات پیش کیے گئے تھے۔ ان کی عمر ۸ سال
ہے۔ بعد میں ان کے بڑے بھائی آفتاب حسن حسنانی نے "پابندیٔ وقت" پڑھ کر سنایا جس میں اچھے اچھے شعروں کے علاوہ اچھے اچھے اقتباسات
پیش کیے تھے۔ بعد میں صدرِ بزم نے "اللہ پاک" (توحید نمبر سے) پڑھ کر سنایا جسے بہت ہی پسند کیا گیا اور آئندہ بھی ایسی کہانیاں
سنانے کی فرمائش کی گئی۔ بعد میں ناظم بزم نے وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ (اور سائل کو مت جھڑکو) میں آنحضرت صلعم کا ایک واقعہ اور
حضرت ابراہیمؑ کا ایک واقعہ سنایا۔ جو کہ قابلِ تقلید تھا۔ اس کے بعد صدرِ بزم نے تنقید و تبصرہ کیا جس میں بُری عادتوں پر سخت تنقید کی
اور آس پاس کی باتوں پر تبصرہ کیا۔ آخر میں کتابیں تقسیم کی گئیں — (۶-ل- انور- صدرِ بزم)

ہسولی (بہار) — ذیل میں اپنے یہاں کی "بزمِ حسنات" کے چودہ ہفتوں کی رپورٹ پیش کر رہا ہوں:
بزمِ حسنات پہلے ہر یکشنبہ کو ہوا کرتی تھی مگر چند مجبوریوں کی بنا پر درمیان میں جمعہ کو بعد نماز جمعہ بزمِ حسنات منعقد ہونے لگی لیکن اب
بدستور سابق اتوار ہی کو اپنے مقررہ مقام پر بزم ہوا کرتی ہے — زیادہ سے زیادہ ۱۲-۱۳ اور کم از کم ۸ مقامی طلبا شریک ہوتے ہیں۔
تلاوتِ قرآنِ مبارک سے بزم کا آغاز ہوتا ہے۔ بعدہ رسالہ "الحسنات" یا فردوس سے تفہیم القرآن پڑھا جاتا ہے۔ گذشتہ نشست کی روداد
اور رسالہ "الحسنات" فردوس اور خطبات رسالہ دینیات وغیرہ کے مضامین پڑھے جاتے ہیں۔ مطالعہ کے لیے بچوں کے نام رسائل و کتب اجرا بھی کی جاتی ہیں۔
بزم اللہ کے فضل سے تسلی بخش ہوتی جاتی ہے۔ بستی کے بڑے لوگوں پر اس کا بہت اچھا اثر پڑ رہا ہے۔ خداوند قدوس کے فضل سے ہمارے ارکان
اللہ تعالیٰ کے حدود کی پابندی کرتے ہیں۔ اچھے لڑکوں کے ساتھ رہتے اور ان کو دینی باتیں سمجھاتے ہیں۔
آخر میں سبھی حسنانی بھائیوں اور بہنوں سے میری گذارش ہے کہ وہ اپنے گاؤں اور محلوں میں
بزم قائم کر کے ثوابِ دارین حاصل کریں +

(محمد منظور الحسن ناظم بزمِ حسنات)

Regd. No. A - 306 "ALHASANAT" RAMPUR, U. P.

इंसान की ज़िन्दगी में सुधार करने के लिये नमाज़ से अच्छा कोई दूसरा तरीका नहीं। इससे अच्छा कोई दूसरा ट्रेनिंग कोर्स (Training Course) ऐसा नहीं जो इंसान की ज़िन्दगी को अच्छाइयों से भरदे। नमाज़ ऐसे इंसान तय्यार करती है, जो समाज का सबसे ज़ियादा क़ीमती सरमाया होते हैं।

इस किताब में नमाज़ का मतलब बताने के साथ साथ यह बताया है, कि नमाज़ का अमली फ़ायदा हासिल करने के लिये किस तरह कोशिश की जा सकती है।

स्कूलों के पढ़ने वालों के लिये और कम पढ़े लिखे लोगों के लिये यह किताब बहुत मुफ़ीद होगी

मूल्य आठ आने ||)

अलहसनात पुस्तकालय रामपुर (यू०पी०)

اکتوبر اول
سنہ ۱۹۵۰ء
إن الحسنات يذهبن السيئات
بلاشبہ نیکیاں برائیوں کو دور کرتی ہیں
الحسنات
رامپور

جلد ۸ — نمبر ۷

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مہینے میں دوبار شائع ہونے والا

رسالہ

الحسنات

رامپور

اکتوبر اول ۱۹۵۰ء

جو مسلمان گھرانوں کی اصلاح کے لیے بہت مفید ثابت ہوا ہے

مدیر: ابو سلیم محمد عبدالحی

چندہ
سال بھر کے لیے ۲۴ رسالے — پانچ روپیہ آٹھ آنے
چھ ماہ کے لیے ۱۲ رسالے — تین روپے
فی کاپی — چار آنے

فہرست مضامین

محمد عبدالحی طابع و ناشر نے مرتضیٰ برقی پریس رامپور میں چھپوا کر دفتر الحسنات رامپور (یو۔پی) سے شائع کیا

احساسات

زندگی کے لیے ہوا، پانی اور خوراک کی طرح امن بھی ضروری ہے۔ اگر آپ کا جان اور مال محفوظ نہ ہو تو آپ دُنیا میں کوئی کام نہیں کر سکتے۔ ہر قسم کی ترقی، تعلیم اور اصلاح کے لیے ملک میں امن کا قایم رہنا بہت ضروری ہے۔ بدقسمتی سے آج دُنیا میں جس چیز کا حاصل کرنا سب سے زیادہ مشکل ہوتا جا رہا ہے وہ امن ہی ہے۔ یوں کہنے کو ہر ایک یہی کہہ رہا ہے کہ وہ امن چاہتا ہے اور امن قایم کرنے کے لیے کوشش کر رہا ہے لیکن آپ دیکھتے ہیں کہ چاروں طرف بدامنی اور جنگ کے ہی حالات سے دُنیا دوچار ہو رہی ہے ——— دُور کیوں جایئے سب سے پہلے اپنے ملک کو ہی لے لیجیے پچھلے تین چار سالوں میں اس مُلک کے رہنے والوں کو جن مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا ہے اس کی مثال آج تک انسان کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ لاکھوں انسانوں کا قتل بے گناہ عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کے ساتھ درندوں جیسا برتاؤ اور پھر کروڑوں انسانوں کا گھر سے بے گھر ہونا۔ اربوں اور کھربوں روپے کی املاک کی بربادی ——— اور یہ سب کچھ خود انسان کے اپنے ہاتھوں !!

اس دردناک واقعہ کا سبب عام طور پر یہ بتایا جاتا ہے کہ ہندوستان میں یہ سب کچھ فرقہ پرستی کی وجہ سے ہوا۔ یہ فرقہ پرستی کیا بلا ہے؟ اس کا مختصراً مطلب یہ ہے کہ اس مُلک کے بسنے والے دو فرقوں ——— ہندو اور مسلمان ——— نے اپنے اپنے فرقے کے حقوق اور فائدوں کی خاطر لڑنا شروع کیا اور اسی کے نتیجے میں مُلک کا بٹوارہ ہوا ——— اس ساری مصیبت کی ذمّے داری اسی فرقے واریت پر ہے ——— اگر ایسا ہے تو ظاہر ہے کہ اب اتنا بڑا نقصان اُٹھانے کے بعد ہمیں سب سے زیادہ نفرت فرقہ پرستی اور فرقہ واریت سے ہی ہونا چاہیے۔ اور ہر اُس شخص کو جو امن کی قدر پہچانتا ہے اور جو ملک کو پھر اس مصیبت میں گھرا ہوا دیکھنا نہیں چاہتا جو ابھی ابھی اس کے سر پر گزر چکی ہے۔

سب سے پہلے ہی کوشش کرنا چاہیے کہ ملک سے فرقہ پرستی کی لعنت دُور ہو۔

فرقہ پرستی کی لعنت کیسے دُور ہو؟ یہ ایک سوال ہے جو اس موقعہ پر لازمی طور پر آپ کے دل میں بھی اُٹھے گا۔ اس سوال کا جواب دینے کی کوشش بہت سے لوگوں نے کی ہے' بہت سے جوابات شاید آپ خود بھی سُن چکے ہوں' لیکن ہمارے نزدیک اب تک اس سوال کے جتنے جوابات دیے گئے ہیں ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں کہ ان پر عمل کرکے واقعی فرقہ پرستی کو ختم کیا جا سکے۔ یہی وجہ ہے کہ اگرچہ مُلک سے اس لعنت کو دُور کرنے کے لیے ان جوابوں کی روشنی میں برابر کوششیں ہورہی ہیں لیکن حالات اب تک بھی درست ہونے میں نہیں آتے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اک آگ ہے جو کسی نہ کسی وجہ سے کچھ مدّھم تو پڑجاتی ہے لیکن اسے جب بھی موقعہ ملتا ہے وہ پھر بھڑک اُٹھتی ہے۔ اور وہی فساد جس کو دُور کرنے کے لیے فرقہ پرستی کا علاج کیا جا رہا ہے مُلک میں رہ رہ کر اُبھرتا رہتا ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوجاتا ہے کہ فساد کے دُور کرنے کا جو علاج کیا جا رہا ہے وہ کچھ ٹھیک نہیں ہے۔

اچھا آئیے اس سے پہلے کہ ہم آپ کو اس لعنت کے دُور کرنے کے لیے کوئی تجویز بتائیں آپ کو یہ سمجھائیں کہ یہ فرقہ پرستی اور فرقہ واریت پیدا کیوں ہوتی ہے۔ اگر آپ کسی گھر میں لگی ہوئی آگ کو بجھانے کی کوشش کرتے رہیں اور اس سبب کو دُور نہ کریں جس کی وجہ سے اس گھر میں بار بار آگ لگ جاتی ہو تو نتیجہ یہی نکلے گا کہ آپ آگ بجھاتے رہیں گے لیکن وہ گھر بدستور جلتا رہے گا۔ سب سے پہلے آگ لگنا بند کردیجیے پھر آگ بجھایئے آپ کو ضرور کامیابی ہوگی ——— فرقہ واریت یا فرقہ پرستی جس وجہ سے پیدا ہوتی ہے پہلے اسے دُور کردیجیے پھر فرقہ پرستی کو اگر آپ دُور نہ بھی کریں گے تو وہ خود رفتہ رفتہ ختم ہو جائے گی۔ اور مُلک اس فساد کی آگ سے بچ سکے گا جو رہ رہ کر بھڑکا کرتی ہے۔

آپ کو معلوم ہے کہ یہ مُلک دو سو سال سے زیادہ زمانے تک انگریزوں کا

ام رہا ہے۔ انگریزوں نے جہاں اس ملک کی دولت کو سمیٹا وہاں اسے کچھ
تحفے" بھی دیے ہیں۔ یوں تو انگریزوں کے دم سے اس ملک کو جو کچھ ملا ہے اس
بیان تو بہت لمبا ہے۔ ان میں کچھ اچھی چیزیں بھی ہیں اور کچھ بری بھی ہیں لیکن
ں وقت ہم آپ کے سامنے تین "تحفوں" کا خاص طور سے ذکر کریں گے۔ یہ
تحفے" ایسے ہیں جن سے ہماری موجودہ مصیبتوں کا بڑا گہرا تعلق ہے۔

سب سے پہلا "تحفہ" جو انگریز سے ہم کو ملا وہ یہ ہے کہ اس نے ہمیں
بق پڑھایا کہ اس دنیا کا کوئی خدا نہیں ہے۔ یہ سارا کارخانہ آپ سے آپ
، گیا ہے اور آپ سے آپ چل رہا ہے' انسان کو کوئی ضرورت نہیں کہ وہ ایک
، دیکھے خدا کو خواہ مخواہ مانے۔ انسان کی زندگی کا کسی ایسی ہستی سے کوئی تعلق نہیں
ے ——— اور اگر کوئی شخص خدا کو ماننا ہی چاہتا ہے تو خیر اس کی مرضی'
نے ——— لیکن خدا کے ماننے کا مطلب بس اتنا ہی ہونا چاہیے کہ اسے مسجدوں
ں سجدہ کرلیا جائے' مندروں میں پوج لیا جائے' گرجاؤں میں اس کا ذکر کرلیا
ئے' اور گردواروں میں اس کے بھجن گا لیے جائیں۔ لیکن مسجدوں' مندروں' گرجاؤں
ر گردواروں کے باہر اس کا کوئی عمل دخل نہ ہو۔ ہر شخص کو اختیار ہے کہ اگر اس کا جی
ہتا ہی ہے تو وہ خدا سے اپنا ذاتی تعلق رکھے لیکن زندگی کے ایسے معاملات میں جن کا تعلق
ماج سے ہے خدا کا کوئی تعلق نہ ہونا چاہیے ——— یورپ والوں نے اس بات کو
یسے خوب صورت طریقے سے پیش کیا کہ یہ بات لوگوں کے دلوں میں اترتی چلی گئی۔ اسکولوں
ر کالجوں کی تعلیم اسی بنیاد پر دی گئی۔ سائنس' فلسفہ' تاریخ اور ادب سب کچھ اسی رنگ
ں پڑھایا گیا اور رفتہ رفتہ اس خیال کو دلوں سے نکال ڈالا کہ انسان زندگی کے سب
عاملات میں خدا کا بندہ ہے اور اس کی حیثیت اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ وہ اپنے
اتی معاملات میں جس طرح خدا کا غلام اور تابعدار ہے اسی طرح وہ سماجی معاملات
ں بھی آزاد اور بے لگام نہیں ہے۔

سب سے زیادہ زور اس بات پر دیا گیا کہ ملک کے انتظامی معاملات اور ملک کی سیاست
ے خدا کا تعلق بہرحال کچھ نہ ہونا چاہیے۔ انسان آزاد ہے جس طرح چاہے اپنی زندگی گذارنے کے
یے قاعدے اور قانون بنائے۔ اس کے لیے انسان کو کسی خدا کی ضرورت نہیں ہے۔ انسان

خود اپنا حاکم ہے۔ اپنے لیے خود قانون بنا سکتا ہے اور اسے خود ہی قانون بنانا بھی چاہیے۔
اس بات کو ایسے ڈھنگ سے پیش کیا گیا کہ قریب قریب ملک کے سارے باشندوں کے ذہنوں سے یہ بات نکال دی کہ انھیں زندگی کے سارے معاملات میں خدا کی ہدایت اور راہ نمائی کی ضرورت ہے۔ حد تو یہ ہے کہ ان کے اس سبق کے اثر سے وہ لوگ بھی نہ بچ سکے جو اپنے کو خالص مذہبی لوگ کہتے تھے۔ بڑے بڑے مولوی، پنڈت اور گرو ان کی ہی آواز میں آواز ملا کر کہنے لگے کہ مذہب اور سیاست بالکل الگ الگ ہیں۔ مذہب کا تعلق انسان کی ذاتی زندگی سے ہونا چاہیے اس کی سماجی اور سیاسی زندگی کو مذہب سے آزاد ہونا چاہیے۔
اس طرح کے خیال کو "سیکولرزم" (SECULARISM) یا "لادینیت" کہا گیا۔ اس کا مطلب یہی تھا کہ خدا کا تعلق کسی ایک انسان سے ہو تو ہو لیکن جب ایک اور ایک دو انسان مل جائیں تو ان کو مذہب اور خدا سے آزاد ہو کر اپنے سیاسی اور سماجی معاملات کو طے کرنا چاہیے۔
سیکولرزم کو ایک نعمت کے طور پر پیش کیا گیا۔ اسے دنیا کی مصیبتوں کا حل بتایا گیا۔ انسان کے دکھوں کا علاج کہا گیا۔ اور اس سبق کو اتنا دہرایا گیا کہ ہر ایک سیکولرزم کا ہی دم بھرنے لگا۔

دوسرا "تحفہ" جو ہمیں انگریز سے ملا یہ ہے کہ بس زندگی یہی زندگی ہے، نفع وہ ہے جو اس زندگی میں نفع دے، نقصان وہ ہے جو اس زندگی میں نقصان کا سبب ہو۔ اختیار کرنے کے قابل وہ باتیں ہیں جو اس زندگی میں فائدہ پہنچائیں اور چھوڑ دینے کے قابل وہ باتیں ہیں جن کا کوئی فائدہ اس زندگی میں نہ ملتا ہو۔ اس زندگی کے بعد نہ کوئی زندگی ہے اور نہ اس زندگی کے فائدوں اور نقصانوں کے سوا کوئی اور فائدہ یا نقصان ہے۔ اخلاق وہی ہے جس سے اس زندگی میں کوئی فائدہ پہنچے اور نیکی وہ ہے جس کا پھل ہمیں یہاں ہی مل جائے ——— اس نے اس خیال کا بڑا مذاق اڑایا کہ کوئی شخص اس زندگی کے بعد کسی دوسری زندگی میں فائدہ حاصل کرنے اور کامیاب ہونے کی باتیں کرے۔ اس نے جنت، دوزخ عذاب ثواب، آواگون اور مکتی سب چیزوں کو غلط بتایا۔ اسکولوں اور کالجوں میں جو کچھ پڑھایا گیا اس کی بنیاد اسی خیال پر رکھی گئی، سائنس، فلسفہ، ادب، تاریخ غرض یہ کہ ہر علم کی مدد سے اس خیال کو زیادہ سے زیادہ قوت کے ساتھ پیش کیا گیا۔ اور اس بات کو اس طرح دل میں اتار دیا کہ سب لوگوں کی زندگی کا رنگ اسی رنگ میں

تبدیل ہوگیا جو آخرت کے انکار سے پیدا ہوتا ہے۔ کہنے کو بہت سے لوگ زبانی طور پر اس کا اقرار کرتے رہے کہ آخرت، جنت، دوزخ، عذاب، ثواب سب کچھ برحق ہے لیکن ان کی زندگی بالکل اس کے خلاف رنگ میں رنگ گئی۔ جس طرح آخرت کا انکار کرنے والا غرض کا بندہ، لالچی، بے ایمان اور زر پرست ہوسکتا ہے اسی طرح یہ آخرت کا زبان سے انکار کرنے والے بھی ہوگئے۔ اس طرح نتیجے کے اعتبار سے کوئی بڑا فرق نہ رہا اور پورے سماج کی زندگی اسی سانچے میں ڈھل گئی جس سانچے میں اس زندگی کے بعد کسی دوسری زندگی کا انکار کرنے والوں کی زندگیاں ڈھلی ہوئی ہوتی ہیں۔

تیسرا "تحفہ" "قوم پرستی" کا تحفہ ہے۔ جس کو ہم نے انگریز کے پڑھائے ہوئے سبق سے ہی سیکھا ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انگریز سے پہلے ہم الگ الگ قوموں کو مانتے نہیں تھے۔ بلکہ اس کا مطلب کچھ اور ہے۔ آج آپ دیکھتے ہیں کہ عام طور پر قوموں کے مزاج کچھ اس طرح بدل گئے ہیں کہ وہ اپنی ہی قوم کے فائدے کی فکر رکھتے ہیں۔ اور اپنی قوم کے چھوٹے سے چھوٹے فائدے کے لیے دوسری قوم کے بڑے سے بڑے نقصان کی بھی پروا نہیں کرتے۔ اپنی قوم اگر غلطی کرے تو وہ اُس کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اپنی قوم اگر ظلم کرے تو وہ اُسے چھپاتے ہیں، اپنی قوم اگر فساد پر اُتر آئے تو وہ اُس میں اُس کا ہاتھ بٹاتے ہیں اور ہمت بڑھاتے ہیں۔ دوسری قوم کی بھلائیاں بھی انھیں عیب ہی نظر آتی ہیں اور یہ بات کہ دو قوموں میں تعلق لڑائی کا ہی ہوسکتا ہے کچھ اس طرح ان کے دلوں میں بیٹھ گئی ہے کہ ایک کو دوسرے پر بالکل اعتماد اور بھروسہ نہیں رہا ہے۔ ہر ایک دوسرے کے بارے میں بدگمانی اور بے اعتمادی میں گرفتار ہے۔ قوموں کا مزاج کچھ ایسا ہوگیا ہے کہ اُنھیں اُسی وقت خوشی حاصل ہوتی ہے جب انھیں دوسری قوم کے خلاف لڑائی پر اُبھارا جائے، ان کے سامنے دوسری قوم کو گالیاں دی جائیں۔ دوسری قوم کے عیب گن گن کے جائیں، چاہے وہ غلط ہی کیوں نہ ہوں اور دوسری قوم پر ظلم اور زیادتی کرنے کے لیے طریقے بتائے

یا ہے اس سے فساد ہی کیوں نہ ہوتا ہو۔
یہ کیفیت "قوم پرستی" کا نتیجہ ہے اسی کی وجہ سے حق اور انصاف لوگوں کی نظر سے اوجھل ہو گیا ہے، اسی نشے نے انسانوں کو انسانیت سے دُور کر دیا ہے اور یہی وہ پاگل پن ہے جو انسانوں سے درندوں جیسے کام کرا ڈالتا ہے قومیت کا یہ مطلب ہم نے انگریز سے ہی سیکھا ہے اس نے ایسی تعلیم کا انتظام کیا جو چپکے چپکے ہمیں قوم پرستی سکھاتی رہی۔ اس نے ایسی تہذیب ہم پر لاد دی جس میں محبت سے زیادہ نفرت کو دخل تھا۔

انگریز جا چکا لیکن اس کے بنائے ہوئے ذہن، اس کے پڑھائے ہوئے سبق، اس کی بیش کی ہوئی تعلیم، اس کا لایا ہوا کلچر، اس کی پھیلائی ہوئی بے دینی اور پوری زندگی میں انسان کی خدا سے بے نیازی، جوں کی توں موجود ہے۔ اب بھی اس ملک کے رہنے والے اپنے آپ کو ویسا ہی غیر ذمے دار جانتے ہیں، اور اب بھی انھیں اپنے علاوہ کسی دوسرے کے سامنے جواب دہی کی کوئی فکر نہیں ہے۔ قومیت کا نشہ کم ہونے کے بدلے برابر بڑھ ہی رہا ہے۔ پھر معلوم نہیں یہ اُمید کیسے کر لی جاتی ہے کہ اب اس مُلک سے فساد دُور ہو جائے گا، اور اب آزادی کی نعمت مل جانے کے بعد شانتی اور امن کی دولت بھی حاصل ہو جائے گی۔
شانتی اور امن کے لیے انگریزوں سے آزادی حاصل کر لینا کافی نہیں ہے جب تک انسان انسان کا غلام رہے گا امن اور چین مل ہی نہیں سکتا۔ اب انشاء اللہ آئندہ ہم آپ کو بتائیں گے کہ انگریزوں کے پڑھائے ہوئے سبق کی وجہ سے فرقہ پرستی کس طرح پیدا ہوتی ہے اور اس کے نتیجے میں فساد کس طرح پھیلتا ہے۔
(باقی)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ ؕ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَ مَنْ هُوَ كَاذِبٌ ؕ وَارْتَقِبُوْۤا اِنِّيْ مَعَكُمْ رَقِيْبٌ ۝ وَ لَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا ۚ وَ اَخَذَتِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ۝ كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ؕ اَلَا بُعْدًا لِّمَدْيَنَ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ ۝

(سورۂ ہود۔ رکوع ۸)

"......... اے میری قوم کے لوگو! تم اپنے طریقے پر کام کیے جاؤ اور میں اپنے طریقے پر کرتا رہوں گا، جلد ہی تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ کس پر ذلت کا عذاب آتا ہے اور کون جھوٹا ہے، تم بھی انتظار کرو اور میں بھی تمہارے ساتھ چشم براہ ہوں" (یعنی انتظار کر رہا ہوں)

آخرِ کار جب ہمارے فیصلے کا وقت آگیا تو ہم نے اپنی رحمت سے شعیب اور اُس کے ساتھی مومنوں کو بچا لیا اور جن لوگوں نے ظلم کیا تھا اُن کو ایک سخت دھماکے نے ایسا پکڑا کہ وہ اپنی بستیوں میں بے حس و حرکت پڑے کے پڑے رہ گئے گویا وہ کبھی وہاں رہے بسے ہی نہ تھے۔

سنو! مدین والے بھی دور پھینک دیے گئے جس طرح ثمود پھینکے گئے تھے۔ (تفہیم القرآن)

تشریح

(۱) ایک نبی جب اللہ کا پیام لے کر کسی قوم کے پاس آتا ہے تو پہلے وہ ہر طریقے سے سمجھانے کی کوشش کرتا ہے۔ انھیں سیدھے راستے کی طرف بلاتا ہے اور انھیں ساری غلامیوں سے آزاد کر کے صرف اللہ کی بندگی اختیار کرنے کی دعوت دیتا ہے ــــــ لیکن آخر کار ایک وقت ایسا آجاتا ہے کہ جب سمجھانے اور بتانے کا حق پورا ہو جاتا ہے اور یہ یقین ہو جاتا ہے کہ اب کوئی شخص اللہ کے پیام کو سُن کر نہیں دے گا ـــ ادھر انکار کرنے والوں کی طرف سے بھی زیادتیاں شروع ہو جاتی ہیں اور پوری پوری ناامیدی ہو جاتی ہے کہ اب حق کی دعوت کو پھیلنے کا کوئی موقعہ باقی نہیں رہا۔ اُس وقت اللہ کے نبی اپنی قوم سے یوں کہتے ہیں کہ اچھا اگر تم نہیں مانتے تو نہ سہی' میں اور میرے ساتھی تو ہر حال اسی راہ پر جمے رہیں گے جس کو ہم نے سوچ سمجھ کر اختیار کیا ہے ــــــ حضرت شعیب علیہ السلام کی دعوت میں بھی اب وہی وقت آچکا تھا۔ آپ نے بھی مجبور ہو کر اپنی قوم سے یہی فرمایا کہ اچھا اگر تم میری کسی بات کے سُننے اور ماننے کے لیے تیار نہیں ہو تو پھر جو تمھارا دل چاہے کرتے رہو۔ ہم نے جو راستہ اختیار کیا ہے ہم اُسی پر قایم رہیں گے۔ چاہے تم ہمارا ساتھ دو یا نہ دو۔

(۲) حق کو حق جان کر قبول کرنے کے بعد دل کو بڑا اطمینان حاصل ہو جاتا ہے۔ پھر انسان کو اس بات کی فکر نہیں رہتی کہ کون اس کا ساتھ دے رہا ہے اور کون اس سے کٹ رہا ہے۔ ذہن کی یہ حالت کہ اگر کسی بات کو بہت سے لوگوں نے قبول کرنا شروع کر دیا تو دل کو اطمینان حاصل ہو گیا اور کچھ ڈھارس بندھ گئی لیکن اگر مخالفت کا زور ہو گیا تو یقین ڈھل مُل ہو گیا۔ اس بات کی نشانی ہے کہ ابھی حق پر ایمان کمزور ہے ــــــ حق پر ایمان لانے والے کو پورا پورا یقین ہوتا ہے کہ نتائج کے اعتبار سے کامیابی حق کا ہی حصہ ہے۔ وہ جانتا ہے کہ حق کی کامیابی یقینی ہے اور اسے اُمید ہوتی ہے کہ اوّل تو

ں کی اپنی زندگی میں ہی دُنیاوی کامیابی اور سرفرازی بھی اس کے حصے میں لکھ
، اور اگر کسی وجہ سے یہ وقت اس کی زندگی میں نہ آیا تو نہ سہی، اس کی
ظر میں اصل کامیابی آخرت کی کامیابی ہوتی ہے اور اس لیے وہ اس پر مطمئن
وتا ہے کہ حق کا ساتھ دینے کے اچھے نتائج اسے ضرور مل کر رہیں گے
پاہے وہ اُس کی اس زندگی اور اُس زندگی دونوں میں ملیں یا صرف اُسی
ہمیشہ رہنے والی زندگی میں ہی ملیں ــــــ اسی یقین اور اطمینان کے بھروسے
پر وہ بڑی خوشی سے ہر قسم کی مخالفت اور ہر طرح کی تکلیف برداشت کرتا رہتا
ہے اور اپنے دُشمنوں سے بدلہ لینے اور اُنھیں نیچا دکھانے کی بے کار فکر کرنے
کے بدلے انتہائی ہمدردی اور دل سوزی سے انھیں ان کے بُرے انجام سے
ڈراتا رہتا ہے اور خود اپنی جگہ پر مطمئن رہتا ہے کہ خدا سب کچھ جانتا
ہے اور وہی سب سے بہتر بدلہ دینے والا ہے انھیں اُسی کی ذات سے یہ توقع
ہوتی ہے کہ وہ بُری راہ چلنے والوں کو بُرا بدلہ اور اچھی راہ اختیار کرنے
والوں کو اچھا بدلہ ضرور دے گا ــــــ حضرت شعیب علیہ السلام نے
اسی یقین اور اطمینان کی بنیاد پر اپنی قوم سے صاف صاف کہہ دیا کہ تم بھی
انتظار کرو، ایک وقت آنے کو ہے کہ تمھیں اپنے انکار کی سزا بھگتنا پڑے گی
اور میں بھی انتظار کرتا ہوں کہ کب اُس کی رحمت مجھے اپنی آغوش میں
لے لیتی ہے۔

(۳) آپ اس سے پہلے دوسرے انبیا علیہم السلام کے تذکروں میں
پڑھ چکے ہیں کہ جب نبی کسی قوم پر اللہ کا پیام پہنچانے کا حق ادا کر چکتے
ہیں اور اُس قوم کے بھلے لوگ نبیؐ کا ساتھ دینے کے لیے ان سے کٹ کر الگ
ہو جاتے ہیں اور اصلاح کی کوئی اُمید باقی نہیں رہتی تو پھر اللہ تعالیٰ کا قانون
یہی ہے کہ اُس قوم کو مٹا ڈالا جاتا ہے ــــــ حضرت شعیب علیہ السلام کی
قوم پر بھی اب یہی وقت آچکا تھا۔ چنانچہ جب یہ یقین ہو گیا کہ اب کوئی نیک بندہ
ایسا باقی نہیں ہے جو نبی کی بات سُن سکے تو اللہ کے عذاب کا فیصلہ ہو گیا۔
اللہ کے عذاب کی سیکڑوں مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں جن کی کچھ تفصیل

آپ اس سے پہلے حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر عذاب آنے کے بیان میں پڑھ چکے ہیں۔ اسی قسم کا ایک عذاب قوم مدین پر بھی آیا ـــــــ یکایک ایک سخت دھماکے کی آواز ہوئی۔ آواز اتنی سخت تھی کہ بستی کے سب لوگ اس آواز کو سُن کر بے حس و حرکت پڑے کے پڑے رہ گئے۔ بالکل موت کی سی خاموشی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ شاید اس بستی میں کوئی رہنے بسنے والا ہی نہیں۔

یہ آواز کس قسم کی تھی؟ کس طرح پیدا ہوئی تھی؟ اس کی کوئی تفصیل ہمیں قرآنِ کریم میں نہیں ملتی اور نہ اس قسم کے عذابوں کی ٹھیک ٹھیک نوعیت کا بیان احادیث میں ہی ملتا ہے' وجہ یہ ہے کہ در اصل ہمیں اس کھوج لگانے کی ضرورت ہی نہیں ہے' ہماری پوری توجہ اُس سبق کی طرف رہنا چاہیے جو ہمیں ان عبرت سکھانے والے حالات سے ملتا ہے۔ اور پھر یوں بھی یہ بات کوئی ایسی بات تو نہیں ہے جس کے سمجھنے میں کوئی بڑی دشواری ہو ـــــــ ہمیں معلوم ہے کہ ابھی ابھی چند روز پہلے آسام کے زلزلے میں کیا ہوا۔ سُننے والوں نے زمین کے اندر دل ہلا دینے والی گڑگڑاہٹ سُنی' ساری زمین تل پٹ ہوگئی' پوری پوری بستیاں کھنڈر بن کر رہ گئیں' دریاؤں کے رُخ بدل گئے۔ ملک میں بے تحاشہ طوفان آنے لگے' جنگل تک اُکھڑ گئے' پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل گئے۔ میدان جھیل بن گئے' زمین سے بدبودار گیسیں نکلنے لگیں اور انسان نے خود اپنی آنکھوں سے وہ سب کچھ دیکھ لیا جو چند لمحے پہلے اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتا تھا۔

(۴) عذاب کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ کا قانون یہ بھی ہے کہ اس سے اکثر وہ لوگ بچا لیے جاتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے فرماں بردار ہوتے ہیں۔ چنانچہ حضرت شعیب علیہ السلام اور اُن کے ساتھی مومنوں کو اللہ تعالےٰ نے اپنی رحمت سے بچالیا ـــــــ لیکن ہمیشہ ایسا ہونا ضروری نہیں ہے کبھی کبھی بظاہر حالات اللہ کے نیک بندے بھی کچھ مصیبتوں کا شکار ہوجاتے ہیں لیکن اوّل تو ان مصیبتوں کی نوعیت ان کے حق میں عذاب کی نہیں ہوتی' دوسرے یہ کہ وہ جو کچھ مصیبتیں بھگتتے ہیں وہ صرف اسی زندگی میں مصیبت ہوتی ہیں' آخرت کی

ہمیشہ رہنے والی زندگی میں بہر حال ان کا اجر محفوظ رہتا ہے اور وہاں ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کی مہربانیوں اور انعام و اکرام کے ہی مستحق ہوتے ہیں۔

(۵) جن واقعات کا ذکر قرآنِ کریم میں اس طرح ہوتا ہے وہ کوئی نئے واقعات نہیں ہیں، ہمیشہ نافرمانوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا قانون ایسا ہی رہا ہے۔ چنانچہ مدین والوں کا ذکر ختم کرتے ہوئے ارشاد فرمایا جا رہا ہے کہ ان سے پہلے قوم ثمود کا بھی کچھ ایسا ہی انجام ہو چکا ہے۔ یہ تاریخی واقعات ہیں اور انسان کو ان سے سبق لینا چاہیے +

جناب عبدالصبور حسن عاجز جماعت دہم اسلامیہ ہائی سکول راولپنڈی

پیامِ عمل

زمانے سے ظلمت مٹاتا چلا جا — مسلماں ہے سب کو جگاتا چلا جا

جہاں کو سکھاتا پڑھاتا چلا جا — شریعت کی منزل بتاتا چلا جا

قوانینِ ایماں بتاتا چلا جا — جو حکمِ خدا ہے سناتا چلا جا

تجھے دیکھ کے پھیر لیتے ہیں جو منھ — اُنھیں اپنی جانب بُلاتا چلا جا

نہ رُک راہِ حق میں یہی خوب ہوگا — قدم اور آگے بڑھاتا چلا جا

بھٹک جائے جو کوئی منزل سے اپنی — اُسے راہ سیدھی بتاتا چلا جا

ملیں تجھ کو اس راہ میں جتنے کانٹے — اُنھیں صاف کرتا ہٹاتا چلا جا
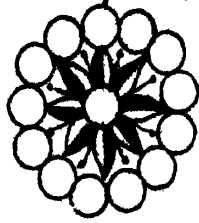
یہ جس کے کرشمے ہیں دُنیا میں عاجز
اُسی سے دل اپنا لگاتا چلا جا

مولانا عروج صاحب قادری

وہ دن![ف]
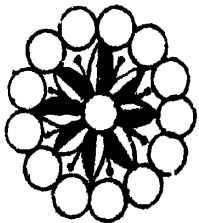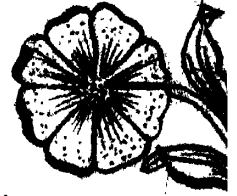
وہ دن! خدا بچائے اُس دن کی بے بسی سے
اُس دن کی بیکلی سے، اُس دن کی بے کسی سے

اُس دن کی ہولناکی ناقابلِ بیاں ہے
حیران اور ششدر ہر پیر و ہر جواں ہے

فرعون بھی ہے ننگا، ہامان بھی ہے بیکس
نمرود بھی ہے عاجز، شداد بھی ہے بےبس

چلتی نہیں کسی کی اس وقت بادشاہی
پیچھے کھڑی تباہی آگے کھڑی تباہی

ماں، باپ، بیٹا، بیٹی سب ہو گئے ہیں دشمن
بیوی الگ کھڑی ہے موڑے ہوئے ہے گردن

اپنی پڑی ہے سب کو پوچھے تو کون پوچھے
دیکھے تو کون دیکھے، بولے تو کون بولے

خود اپنے ہاتھ پاؤں دیتے ہوں جب گواہی
کس پر چلے حکومت، پھر کیسی بادشاہی

کس کی یہاں حکومت؟ اللہ کی حکومت!
سب زور رٹ چکے ہیں، باقی ہے ایک طاقت

دُنیا میں ہم نے جو کچھ اپنے لیے کمایا
عقبیٰ میں بس وہی کچھ آگے ہمارے آیا

ساتھی نہ اپنا ساتھی، بھائی نہ اپنا بھائی
ساتھی یہاں عمل ہے، بھائی یہاں کمائی

دُنیا میں فکرِ عقبیٰ کرنا ہے عقلمندی
اللہ کی اطاعت، عقبیٰ کی سربلندی
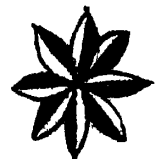
ف مولانا عروج صاحب قادری (مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ) نے الحسنات کے "آخرت نمبر" سے متاثر ہو کر نظم تحریر فرمائی ہے۔ جسے ہم شکریے کے ساتھ شائع کر رہے ہیں ——— "مدیر"

جناب حامد علی صاحب

حسرت

انور کی عمر ہی کوئی دس سال کی ہوگی' بڑی سنجیدہ طبیعت پائی تھی۔ ہر وقت کچھ نہ کچھ سوچتا رہتا اور سوچنے کے بعد اُس پر عمل کرنے کی کوشش کرتا۔ بُرے کاموں سے بے حد نفرت تھی' ہر اچھے کام کے مطابق اپنی طبیعت کو ڈھالنا اور ویسا ہی بننے کی کوشش کرتا۔

اُس کے والد ریلوے میں بڑے افسر تھے' ان کا سرگودھا سے تبادلہ ہوئے تو دو ماہ کے قریب ہو چکے تھے لیکن انور اور اُس کی امی جان ابھی ابھی یہاں آئے تھے۔ انور پانچویں جماعت میں تعلیم پا رہا تھا اور امتحان سر پر تھا' اُس کے ابا یہ نہیں چاہتے تھے کہ بغیر امتحان پاس کیے وہ ان کے ساتھ راولپنڈی چلا آتا۔

آج انور کا نئے سکول میں دوسرا دن تھا۔ پہلا دن تو داخل ہونے اور سکول سے متعلق ادھر اُدھر کے کاموں میں صرف ہوگیا تھا' صبح وقت پر پہنچا تو کلاس میں جانے سے بیشتر درس میں شامل ہونے کا موقع ملا۔ عربی پڑھانے والے ماسٹر صاحب نے کلمۂ شہادت کے الفاظ بلیک بورڈ کے ذریعے کئی مرتبہ کہلائے اور پھر چند ابتدائی کلمات کا ترجمہ بتا کر اُن کی تشریح کی۔

اُسے یہ باتیں بڑی بھلی معلوم ہوئیں' وہ ہمہ تن شوق تھا اور اتنا محو کہ جب گھنٹہ ختم ہونے کی گھنٹی بجی تو اُسے اس گھنٹی کی آواز بہت بُری محسوس ہوئی' وہ چاہتا تھا کہ ماسٹر صاحب اسی طرح اپنا درس جاری رکھیں۔ گھر' یا گھر سے باہر اُس نے کب ایسی باتیں سنی تھیں۔

گھنٹی بجنے کے بعد بھی ماسٹر صاحب نے اپنے بیان کو جاری رکھا' انھوں نے بتایا کہ انسان صرف کلمہ پڑھ کر ہی مسلمان نہیں ہوسکتا' بلکہ اُسے نماز پڑھنی چاہیے روزہ رکھنا چاہیے اور خدا کے دوسرے احکام پر بھی عمل کرنا چاہیے۔

وہ یہ باتیں سُن کر بے حد فکرمند ہوا۔ اُس نے کبھی اپنے ابا جان یا امی جان

نماز تک پڑھتے نہیں دیکھا تھا، اس کے ابا کو دفتر کے کاموں سے ہی فرصت کب ملتی تھی، اکثر وہ دفتر سے آتے ہی سیدھے کلب چلے جایا کرتے تھے اور رات کو اس وقت لوٹا کرتے تھے جب وہ غفلت کی نیند سویا ہوا ہوتا۔ رہیں امی جان تو وہ دن بھر تو گھر کے کام کاج کی دیکھ بھال میں مصروف رہتیں اور جو کبھی ان کی سہیلیاں آجاتیں تو ان کی مصروفیت اور بھی بڑھ جاتی۔ یہاں آکر تو نئی نئی سہیلیوں سے وقت اور بھی کم ملتا تھا۔ البتہ ان کا بوڑھا خانساماں نماز کا بے حد پابند تھا اس نے اپنے خانساماں کو وضو کرتے ہوئے کئی مرتبہ پوچھا تھا۔

"بابا یہ بار بار منھ کیوں دھویا کرتے ہو" جواب میں بابا نے اسے بتایا تھا: "بیٹا نماز کے لیے وضو کر رہا ہوں۔"

وہ ... کر اس کے دل میں یہ خیال پیدا ہو رہا تھا کہ آج سکول سے لوٹنے کے بعد بابا کے پاس جاکر نماز پڑھوں گا۔ اس کا دل بے چین تھا کہ کب چھٹی ملے اور وہ گھر جائے۔

گھر پہنچ کر اس نے جلدی جلدی کھانا کھایا، کھانے سے فارغ ہوکر وہ سیدھا باورچی خانے میں گیا۔ وہاں خانساماں "صاحب" کے لیے دفتر میں کھانا بھجوانے کی تیاری کر رہا تھا۔ انور نے جاتے ہی کہا: "بابا! اچھے بابا، ہمیں نماز پڑھا دو، ہم بھی مسلمان بننا چاہتے ہیں۔" بابا نے ہنستے ہوئے تعجب کا اظہار کیا اور انور سے نماز پڑھانے کا وعدہ کیا۔ اپنی بات بنتے ہوئے کچھ حوصلہ پاکر انور نے سرگوشی کے لہجے میں بابا سے کہا کہ وہ اپنی امی اور ابا جان کو بھی مسلمان بنائے گا۔

گھر پہ پڑھانے والے ماسٹر صاحب آئے تو اُن سے پوچھنے لگا: "ماسٹر صاحب آپ مسلمان ہیں نا؟" ماسٹر صاحب نے سرسری طور پر جواب دیا "الحمدللہ" اور ساتھ ہی کہا، بھئی یہ بھی پوچھنے کی بات تھی؟ — انور نے ان کی بات کا جواب دیے بغیر پوچھا: "تو ماسٹر صاحب آپ نماز کب پڑھیں گے؟ ہم تو یہاں سے جاکر بابا سے نماز پڑھیں گے۔"

ماسٹر صاحب حیران تھے، یوں تو وہ مسلمان کہلاتے تھے لیکن انھیں نماز پڑھے ہوئے تو مدت ہوگئی تھی۔ لوگوں کی دیکھا دیکھی وہ عید کی نماز میں اُلٹے سیدھے

ضرور ہو آئے تھے۔ انھیں آج اس بات کا بڑے زور سے احساس ہوا کہ مسلمان ہونا کچھ اَور ہے، کہلانا کچھ اَور، ضمیر ملامت کرنے لگا، لیکن اپنی پوزیشن کو سنبھالنے کے لیے انھوں نے جھوٹ موٹ کہہ دیا: "یہاں سے جاکر"

امّی جان سنگار میز کے قریب بیٹھی ہوئی اپنے بالوں کو درست کر رہی تھیں، آئینے میں انھیں انور کا عکس دکھائی دیا۔ خوشی کے مارے چہرہ تمتما یا ہوا، ہونٹوں پہ خوشی کا تبسم، مسکراتا ہوا بےخودی کے انداز میں چلا آ رہا تھا۔

"ہائیں! امّی جان نے انور کی طرف منھ کرتے ہوئے کہا" یہ نئی پتلون میں شکنیں کیوں پڑی ہوئی ہیں؟ اس کے یہ گھٹنے کیوں نکل رہے ہیں؟ انور! تم بڑے بدتمیز ہو، نالایق تمھیں ابھی ابھی تو کپڑے بدلوائے تھے۔"

انور نے امّی جان کے یوں تیور بدلے ہوئے دیکھے تو اُس کے سارے عزائم خاک میں مل گئے، اُس کی ساری خوشی جاتی رہی، وہ 'بابا' سے وعدہ کرکے آیا تھا کہ امّی جان کو بھی نماز پڑھنے کے لیے لا رہا ہے، اُس کے قدم جیسے جم کر رہ گئے۔

امّی نے کڑک کر پوچھا، "جواب کیوں نہیں دیتے؟"

"نماز پڑھ کے آیا ہوں" انور نے دھیمے آواز سے کہا۔

امّی نے میز سنگار سے اُٹھ کر تنتے ہوئے کہا:

"جی! یہی وقت تو تھا آپ کے نماز پڑھنے کا، پتہ نہیں تھا کہ خالہ رشیدہ کے ساتھ سینما میں جانا ہے۔ پھر کبھی پڑھ لی ہوتی، تمھاری خالہ ابھی ابھی آیا ہی چاہتی ہیں، کیا کہیں گی تمھیں دیکھ کر۔ بدتمیز۔ دفعان ہو جاؤ میرے سامنے سے۔

ننھا معصوم حسرت سے چُپ ہوکر رہ گیا +

تعلیم اور پردہ

پردہ اُٹھ جانے سے اخلاقی ترقی ہو گی = جو سمجھتے ہیں یقیناً عقل سے خارج ہیں وہ

قرآنِ مجید بانیٔ فطرت کا کلام ہے، جو انسان دونوں صنفوں یعنی مرد عورت کے طبعی تقاضے کو خوب جانتا ہے۔ اس لیے اُس نے اس خرابی کی بندش کے لیے جو ان دونوں کے ناجائز ملاپ سے پیدا ہوتی ہے خاص احکام جاری کیے ہیں۔ لیکن جو لوگ فطرت کے خلاف چلنے والے ہیں وہ فطرت کے تقاضے کو ہنسی مذاق سمجھتے ہیں ؎

یہ ہے موجودہ ترقی کا نظامِ زندگی
جس کے نظارے سے ہوتی ہے مجھے شرمندگی

لیکن اپنی بہنوں سے، فطرت کے خلاف چلنے والی بہنوں سے عرض کروں گی کہ وہ اس مغربی تقلید سے باز رہیں اور واقعاتِ زمانہ پر بھی غور کریں۔ بانیٔ فطرت اور عالم الغیب کی تعلیم سے بے اعتنائی برتنے والی بہنوں واقعاتِ دُنیا کو گہری نظر سے دیکھو اور نصیحت پاؤ کون نہیں جانتی کہ ؎

ہزاروں منچلے جب ہوں گے ان کے محو نظارہ
یہ ہیں انسان آخر تو کسی پر مہرباں ہوں گی
جو ہیں پردے کی باتیں ان کو پردے ہی میں رہنے دو
بہت سی گُل کھلیں گے جب زمانے پر عیاں ہوں گی

آہ قرآن کی اُس مظلومیت کی شکایت کس سے کیجیے۔ اگرچہ لوگ اس کو مغرب سے لے کر مشرق تک پڑھتے ہیں لیکن اس کے احکام کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ دُنیا کی شاید ہی کوئی ایسی تحریر ہوگی جس کا اتنا احترام بھی کیا گیا ہو اور اتنی نافرمانی بھی کی گئی ہو۔ اپنی بہنوں سے میری درخواست یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام جو پردے کے متعلق ہیں اُن کو سمجھنے کی کوشش کریں اور اپنی بہنوں بچیوں کے متعلق اقرار کریں کہ ؎

ہم نہ لائیں گے اُنھیں اس امتحاں کی راہ میں
دل کے ٹکڑوں کو نہ رکھیں گی نمائش گاہ میں

خالدہ مسعودہ خانم

زبیدہ خاتون صاحبہ

آبِ حیات

ایک غیر آباد جگہ میں تین مسافر اکٹھے ہوئے اور ایک دوسرے کو اپنے اپنے سفر کا مقصد بتانے لگے۔ پہلے مسافر نے کہا،

"بھائیو! میں اس لیے مسافر بنا ہوں کہ زندگی کے اُس چشمے کو ڈھونڈ نکالوں جس کے استعمال سے انسان کو ہمیشہ کی زندگی مل جائے۔ موت! اللہ میری! موت کیسی خوفناک شے ہے۔ انسان کبھی اسے پسند نہیں کرتا۔ اور پھر بھلا سوچو تو سہی اگر ہمیں چند روز ہی جینا تھا تو پھر ہمارے وجود میں آنے کا فائدہ ہی کیا تھا۔"

پہلے مسافر نے بات ختم کی تو دوسرے نے سر اُٹھایا اور اس طرح گویا ہوا۔ "بھائی تم نے سچ کہا ہے۔ اشرف المخلوقات انسان جو آسمان سے لے کر زمین کی گہرائیوں تک پہنچی ہوئی اشیاء کو اپنے بس میں کر لیتا ہے، جس کے فائدے کے لیے اتنا کارخانہ تیار کیا گیا ہے، وہ اشرف المخلوقات انسان صرف چند روزہ زندگی لے کر آئے، پھر ایسی بے سروسامانی کی حالت میں اس دُنیا سے رُخصت ہو جائے جیسے وہ کسی چیز کا مالک تھا ہی نہیں۔ یہ بڑی دردناک باتیں ہیں۔ ہم اس صورتِ حالات پر کس طرح قناعت کر لیں۔ ہم اس بات پر مجبور ہو گئے ہیں کہ کسی طرح اس آبِ حیات کو ڈھونڈھ لائیں جس سے سیراب ہو کر انسان اپنی شان کے شایاں زندگی حاصل کر لے۔"

دوسرا مسافر خاموش ہوا تو تیسرے مسافر نے بولنا شروع کیا:

"بھائیو! ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم لوگ میرے ہی دل کی ترجمانی کر رہے ہو۔ جوں جوں غور کرتا ہوں اپنے میں اور کمتر مخلوقات میں کوئی فرق محسوس نہیں کرتا۔ نباتات کی طرح اُگنا، بڑھنا اور جُدا جُدا ہو کر مٹی میں مل جانا، حیوانات کی طرح پیدا ہونا، پروان چڑھنا اور انجام کار لقمۂ اجل ہو کر ہمیشہ کے لیے

معدوم ہو جانا۔ یہ ذلت انسان کی شان کے شایاں نہیں۔ میں نے بھی عہد کرلیا ہے کہ اس چشمۂ حیات کو ڈھونڈھ نکالوں جو انسان کو ہمیشہ کی زندگی عطا کردے۔ اچھا آؤ اب چل ہی کھڑے ہوں نا۔ باتوں میں کیوں وقت ضائع کیا جائے۔

تینوں مسافروں نے گرم جوشی سے ایک دوسرے سے ہاتھ ملایا اور اپنے مقصود کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔

دن گذرے، ہفتے گذرے، مہینے ختم ہوئے، برس بیت گئے۔ غرضکہ ایک عرصۂ دراز کے بعد تینوں مسافر پھر اُسی جگہ جمع ہوئے اور ایک دوسرے کو اپنی کوششوں کے نتیجے سے مطلع کرنے لگے۔ پہلے مسافر نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا،

"مجھے کچھ نہیں کہنا۔ میں نے ایک علیحدہ راستہ اختیار کرنے کی جگہ دوسرے مسافر کے ساتھ ہی سفر کیا ہے اور ہم دونوں اکٹھے ہی جدوجہد کرتے رہے ہیں۔ اور ایک جیسے نتائج نکال سکے ہیں۔ اس لیے دوسرا مسافر اپنی کہانی بیان کرے اس سے میری کہانی بھی بیان ہوجائے گی۔"

یہ سُن کر تیسرے مسافر نے دوسرے مسافر کی طرف دیکھا اور کہا "اچھا بھائی تو پھر تم ہی اپنی داستان سُناؤ۔"

دوسرے مسافر نے اپنا جُھکا ہوا سر اُٹھایا اور غمگین آواز میں اس طرح گویا ہوا،

"جیسے کہ میرا بھائی پہلا مسافر کہہ چکا ہے ہم دونوں نے علیحدہ علیحدہ سفر کرنے کی بجائے اکٹھے سفر کرنا زیادہ مناسب سمجھا اور مل کر جدوجہد کرتے رہے ہم نے اپنے علوم و فنون سے اثر و رسوخ پیدا کیا اور اپنے اثر و رسوخ سے لوگوں کو اپنا ہم خیال بنا لیا۔ ہم خیال لوگوں کو ساتھ لے کر ہم منزلِ مقصود کی کی جانب چل پڑے اور وہ وہ کارنامے انجام دیے کہ دُنیا میں کم انجام دیے گئے ہوں گے۔ ہم نے ایسے ایسے علوم و فنون ایجاد کیے کہ آج تک اُن کا نشان بھی نہیں مٹا تھا۔ برسوں کے راستے گھنٹوں میں طے کروادیے اور پلوں میں ایک جگہ کی خبر دوسری جگہ پہنچوادی برق رفتار سواریوں کی ایجاد سے تمام دُنیا کو خانۂ واحد بناکر رکھ دیا اور کیا سمندر اور کیا ہوا سب کو مسخر کرلیا۔

یہ سب کچھ ہوا، مگر بے ثبات انسان اُسی طرح بے ثبات ہی رہا۔ وہ اب
نباتات کی طرح اُگتا، بڑھتا اور چوڑا چوڑا ہو کر مٹی میں مل جاتا ہے، وہ آج بھی
دانات کی طرح پیدا ہوتا پروان چڑھتا اور پھر فنا اجل ہو جاتا ہے۔ اس کی
بھی میں کوئی فرق نہیں۔ ہمیشگی کی زندگی ہماری ان سب کوششوں کے باوجود حتیا
نہیں ہو سکی۔ ہم نے جس قدر انسان کو ایک دوسرے کے قریب لانے کی کوشش کی
ایک دوسرے سے کٹتا گیا۔ اور آج یہ صورت ہے کہ ہم سب موت کے گڑھے پر کھڑے
ہیں کوئی راہِ نجات نظر نہیں آتی اور ہم حیران ہو کر ایک دوسرے سے پوچھتے
ہیں کہ اب کیا ہوگا۔

ہم نے سفر کا آغاز تو اس لیے کیا تھا کہ ہمیشگی کی زندگی کا راز ڈھونڈیں
ہماری کوششوں کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ اب ہمیشہ کی ہلاکت ہمارے سامنے آن
کھڑی ہوئی ہے۔"

دوسرے مسافر کی داستان ختم ہوئی تو تیسرے نے اپنا قصہ بیان کرنا شروع
کیا۔ "جیسے کہ میں مدتوں پہلے کہہ چکا ہوں تم دونوں گویا میرے ہی دل کی ترجمانی
کرتے ہو، ٹھیک تمہاری ہی طرح میں نے بھی اپنا سفر شروع کیا تھا اور ٹھیک تمہاری
ہی طرح میں نے بھی ایسے ایسے کارہائے نمایاں انجام دیے کہ دُنیا ششدر رہ گئی
جہاں جہاں بھی مجھے راہ ملی میں نے لوگوں کو اس بات پر آمادہ کیا کہ غریب اور
امیر کا فرق مٹا ڈالا جائے، سب کا نفع اور نقصان ایک ہو، ہر فرد بستر، خوراک،
اور لباس کی فکر سے نجات حاصل کرے اور سب مل جل کر انسانی فضیلت کو حاصل کرنے
کی کوشش کریں۔ مگر خدا جانے میرے طرزِ عمل میں کیا نقائص تھے کہ میری سب کوششیں
رائگاں گئی ہیں۔ آج میں اپنے سب دوستوں سمیت ایک تودۂ بارود پر کھڑا ہوں
خدا معلوم کس وقت وہ جان لیوا چنگاری آگرے جو ساری انسانیت کو بھک سے
اُڑا دے۔"

راستے کی تکلیفوں سے خستہ، عاجز اور درماندہ مسافر اپنی اپنی داستانیں بیان
کر کے حسرت سے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔

اب ہم کیا کریں؟ ——— کدھر جائیں؟ ——— ابدی زندگی، وہ کہاں سے

ہے گی ؟ ـــــ وہ نگاہوں ہی نگاہوں میں ایک دوسرے سے سوال کر رہے تھے...... اور

....

...... اور ابھی تک وہ اُسی طرح حیران کھڑے رہے اور نہیں جان سکے کہ زندگی کا چشمہ کہاں ہے اور اُس تک کیسے پہنچا جا سکتا ہے؟..... اور کون کہہ سکتا ہے کہ ان کی درماندگی اور حیرانی کبھی دُور ہوگی بھی یا نہیں، کیونکہ وہ نئے سے نیا راستہ ڈھونڈھتے ہیں مگر اُسی راستے کی طرف نہیں آتے جو آبِ حیات کی طرف لے جانے والا ہے۔

اور وہ راستہ کونسا ہے ؟ ـــــ خدا کے برگزیدہ نبیوں کا راستہ، اُن برگزیدہ ہستیوں کا راستہ کہ جب اُنھوں نے حق کو پالیا تو دُنیا جہان کے ظلم اُنھیں حق سے پرے نہ ہٹا سکے۔

ان برگزیدہ ہستیوں کا راستہ جنھوں نے بے پناہ عزّت اور محبت حاصل کرکے بھی خود معبود بننا گوارا نہ کیا۔

ان برگزیدہ ہستیوں کا راستہ جنھوں نے مختلف اوقات اور مختلف علاقوں میں آنے کے باوجود بات ہمیشہ ایک ہی کہی۔

ان برگزیدہ ہستیوں کا کہنا ہے

کہ

تم ہمیشہ کی زندگی حاصل کرسکتے ہو مگر اس صورت میں کہ اپنے پیدا کرنے والے کے احکام کے آگے سر جھکا دو۔

تمھاری موجودہ زندگی تو چند روزہ ہی ہے، مگر موت کا مطلب یہ نہیں کہ تم فنا ہوگئے۔ بلکہ موت تو تمھیں تمھاری دائمی زندگی سے اور بھی قریب کر دینے والی ہے بشرطیکہ تم سمجھو۔

تمھاری ہمیشہ کی زندگی ایسی راحت اور آرام کی زندگی ہے کہ تم اس کا تصوّر بھی نہیں کرسکتے۔

لطیفہ

احمق نہ بنو اور ان چند روزہ آسائشوں کی خاطر دائمی آسائشوں کو
[ق]ربان نہ کرو ....
... ہم انتظار میں ہیں کہ تین سافر کب ان حقائق کو پائیں گے یا کہ
[ان] کی قسمت میں یہی لکھا ہے کہ وہ بھٹک بھٹک کر ہمیشہ کے لیے بھٹک
[جائ]یں +

زندہ ہو جاتے ہیں جو مرتے ہیں حق کے نام پر
اللہ! اللہ، موت کو کس نے مسیحا کر دیا؟

مضمون لکھیے

اگست اوّل کے رسالے میں آپ نے ایک اعلان پڑھا ہوگا۔ جس میں الحسنات کے [م]ضمون لکھنے والوں کو ایک مقررہ عنوان پر مضمون لکھنے کے لیے آمادہ کیا گیا تھا۔ [ہم]یں افسوس ہے کہ ابھی تک اس سلسلے میں تین چار مضامین سے زیادہ موصول نہیں [ہو]ئے ہیں اور وہ بھی مطلوبہ انداز اور معیار کے مطابق نہیں ہیں۔ بہرحال ابھی ہم اس [م]وضوع پر تو کچھ اور مضامین کا انتظار کریں گے اور اس کے بعد کوئی تصفیہ کریں گے [ل]یکن اب ایک اور آسان عنوان آپ کے لیے تجویز کرتے ہیں اس پر کوشش کیجیے۔

آپ کوئی دلچسپ **افسانہ** یا **کہانی** لکھیں جو سبق آموز ہو اور اس تعلیم سے موافقت رکھتی ہو جو الحسنات کے پڑھنے والوں میں ہم پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ اس کے لیے بھی شرائط وہی ہیں یعنی:

۱۔ الفاظ ۲ ہزار سے زائد نہ ہوں۔ کہانی مختصر ہو اور سادہ زبان میں لکھی جائے۔
۲۔ منتخب کہانیاں شائع بھی ہوں گی اور محض ہمت افزائی کے طور پر صاحبِ مضمون کو دس روپے سے لے کر تیس روپے تک ہدیہ بھی پیش کیا جائے گا ۔۔۔ ۳۔ کہانیوں کے انتخاب میں اڈیٹر کی رائے ہی کو معیار مانا جائے گا۔
۴۔ کاغذ کے ایک طرف صاف ستھرے خط میں تحریر فرمائیے۔

اڈیٹر رسالہ الحسنات

جناب شوکت علی تمنا نیازی

چار حدیثیں

(۱)

سُن لو پیارے بچّو اپنے نبی کا فرماں
"تم میں سے درحقیقت ہے بس وہی مسلماں
ہو ہاتھ اور زباں پر اس طرح جس کا قابو
محفوظ تا ہو ہر دم اُن سے ہر اک مسلماں
اور ہے وہی مہاجر جو چھوڑ دے وہ سب کو
ممنوع ہیں جو باتیں از روئے حکمِ یزداں"

(۲)

ابنِ مسعودؓ کا بیاں ہے یہ قولِ ہادیٔ انس وجاں ہے یہ
"آگ پر وہ حرام ہووے گا آگ اُس پر حرام ہوگی یا
نرم خوئی رہا ہے جس کا شعار اور ہے جو غریب و بے آزار"

(۳)

ہے روایت ابو ہریرہؓ سے ایسا فرمایا ہے پیمبر نے
"جو عیادت مریض کی کرنے یا مسلمان بھائی سے ملنے
صرف اللہ کی خوشی کے لیے دوسروں کے مکان پر جائے
اُس کے حق میں یہ مژدہ ہے دیتا ایک غیبی پکارنے والا
تو مبارک ہے تیرا چلنا بھی تو نے جنت میں اک جگہ کرلی

(۴)

صحابہ سے یہ آنحضرتؐ نے فرمایا "گنہ ہے اپنی ماں کو گالیاں دینا
صحابہ نے کہا: "ممکن ہے یہ کیسے؟ کہ کوئی اپنی ماں کو خود ہی گالی دے"
تو فرمایا رسولِ پاکؐ نے، "دیکھو ہے اس کی شکل یہ تم غور سے سُن لو
کہ تم نے دوسرے کو ماں کی گالی دی اُلٹ کر وہ تمھاری ماں کو دے گا لی"

جماعت اسلامی بہار کا تیسرا سالانہ صوبائی اجتماع

۱۰- ۱۱- ۱۲- نومبر ۵۶ء کو دربھنگہ میں

انشاءاللہ تعالیٰ اس سال بہار کا صوبائی اجتماع ۱۰- ۱۱- ۱۲- نومبر ۱۹۵۶ء کو دربھنگہ میں ہوگا۔ مرکز سے امیر جماعتِ اسلامی ہند شرکت فرمائیں گے۔

ارکانِ جماعت اور امیدوارانِ رکنیت کے لیے شرکت لازمی ہے۔ الّا یہ کہ کوئی عذرِ شرعی مانع ہو۔ اُمید ہے کہ تمام ہمدرداں بھی شرکت فرمائیں گے۔ متاثرین' اور وہ حضرات جو تحریکِ اسلامی کو سمجھنا اور اُس کے کاموں کو قریب سے دیکھنا چاہتے ہیں' اُن کو بھی ہم دعوت دیتے ہیں کہ وہ بھی شرکت فرمائیں۔ انشاءاللہ تعالیٰ ان کی شرکت بہت مفید ثابت ہوگی۔

ہر مقام کے رُفقاء سے توقع ہے کہ آئندہ دو مہینوں میں اپنی جدوجہد کو تیز تر کردیں گے تاکہ گذشتہ کمی کی بھی کسی حد تک تلافی ہوسکے۔ اس سلسلہ کی ضروری اطلاعات بعد میں شائع ہوں گی۔

عاجز محمد حسین سید — قیم جماعت اسلامی۔ لہریا سرائے۔ دربھنگہ

حلقۂ ادب اسلامی بہار کا دوسرا سالانہ اجتماع

اور اسلامی لٹریچر کی نمائش ۱۲ نومبر ۱۹۵۶ء کو دربھنگہ میں

انشاءاللہ تعالیٰ اِس سال حلقۂ ادب اسلامی بہار کا دوسرا سالانہ اجتماع ۱۲ نومبر ۱۹۵۶ء کو جماعتِ اسلامی بہار کے سالانہ اجتماع کے موقع پر دربھنگہ میں ہوگا۔ تحریکِ اسلامی کے زیرِ اثر پیدا شدہ لٹریچر اور اخبارات و رسائل کی نمائش ہوگی۔

جو حضرات ادبِ اسلامی کے اجتماع میں اپنی کوئی نظم یا کوئی ادب پارہ یا مقالہ پیش کرنا چاہیں وہ جلد اپنے ارادے اور اپنے مضمون کے عنوان سے ناظم ادب اسلامی کو مطلع فرمائیں اور اپنا کلام یا مضمون ۲۰ اکتوبر ۱۹۵۶ء تک ناظم ادب اسلامی کے پتہ پر بھیج دیں۔

ناظم حلقۂ ادب بہار

دفتر جماعت اسلامی۔ مہندرو۔ پٹنہ

آپ ہمارے دوست ہیں یا دشمن؟

اگر آپ

- قرض دار ہوتے ہوئے ہمارا مطالبہ ادا نہیں کرتے
- ہمارے اطلاع دینے کے باوجود انکاری خط نہیں لکھ دیتے اور خاموشی سے وی پی واپس کر دیتے ہیں

تو آپ ہمارے ساتھ

دشمنی کر رہے ہیں

اور اگر آپ

- اپنا مطالبہ پیشگی بھیج دیتے ہیں
- خریداری ختم کرنا ہو تو ہمیں تو ہمیں اطلاع دیتے ہیں تاکہ ہم وی پی نہ بھیجیں
- الحسنات زیادہ سے زیادہ ہاتھوں تک پہنچانے کی مسلسل کوشش کرتے ہیں

تو آپ ہمارے

ساتھ دوستی کر رہے ہیں

ہم آپ کی دوستی کے طالب ہیں!

اور یقین رکھتے ہیں کہ

دشمنی کے مستحق تو

بہرحال نہیں ہیں ملیا

"منیجر"

ہمارے نادہند ایجنٹ صاحبان

پچھلے رسالے میں ہم اپنے نادہند ایجنٹ صاحبان کو متنبہ کر چکے ہیں کہ اگر وہ فوراً ادائیگی مطالبے کا انتظام نہ فرمائیں گے اور نہ ہمیں اپنی واقعی معذوری سے مطلع کریں گے تو ہم اُن کے نام الحسنات میں شائع کردیں گے تاکہ دوسرے صاحبان ان سے معاملہ کرنے میں احتیاط برتیں، اور جن لوگوں سے ان کا تعارف ہو وہ انھیں اس اخلاقی کمزوری کے دُور کرنے پر مجبور کریں۔

ہمارے مالی وسائل بے انتہا محدود ہیں ہمارے ساتھ تعاون کی صحیح شکل تو یہ ہے کہ ہمارے ایجنٹ صاحبان پیشگی رقوم بھیج کر ہماری مشکلات کو دور کریں۔ لیکن جو لوگ رقم واجب ہوجانے کے بعد بھی ادا نہیں کرتے اور باوجود تقاضوں کے رقم نہیں بھیجتے وہ تو گویا ہمارے ساتھ کھلی ہوئی دشمنی کرتے ہیں۔ اگر ان کی اس قسم کی بے توجہی سے خدانخواستہ ہمارا کام رُک گیا تو وہ اللہ تعالٰے کے سامنے نہ صرف ہمارے قرض دار کی حیثیت سے ہی جواب دہ ہوں گے بلکہ الحسنات کے ذریعہ جو کام ہو رہا ہے اُس کے بند ہوجانے کے وبال میں بھی ان کا اچھا خاصہ حصہ ہوگا —— ہمیں اُمید ہے کہ ہمارے ایجنٹ صاحبان اور خریدار ان ان حالات سے بے خبر نہیں ہوں گے جن میں ہم محض اللہ کے بھروسے پر اس کام کو کررہے ہیں۔ ہم نام شائع کرنے سے پہلے پھر ایک بار ان سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ ہمارے راستہ کی مشکلات کو زیادہ نہ بڑھائیں —— "منیجر"

۳۲
الحسنات کا تیسرا خاص نمبر
الحسنات کے دو خاص نمبر توحید نمبر اور آخرت نمبر شائع ہو چکے ہیں
اللہ کا بڑا فضل ہے کہ یہ دونوں نمبر ہماری اُمید سے کہیں زیادہ مقبول اور مفید
ثابت ہوئے۔ اب (انشاء اللہ تعالیٰ) الحسنات کا تیسرا خاص نمبر:
رسالت نمبر
یکم جنوری ۱۹۵۱ء کو شائع ہوگا۔ ہمیں اُمید ہے کہ اس کو ہم
پہلے دونوں نمبروں سے زیادہ بہتر صورت میں پیش کر سکیں گے۔
رسالت نمبر کی ضخامت ۱۰۰ صفحات سے زائد ہوگی
رسالت نمبر کی قیمت تقریباً ایک روپیہ ہوگی
رسالت نمبر مستقل خریداران کو اُن کے سالانہ چندے میں ہی دیا جائے گا۔
اپنے احباب کو متوجہ کیجیے کہ وہ جلد از جلد الحسنات کے مستقل خریدار بن جائیں۔
منیجر الحسنات رام پور۔ یو۔پی

Regd. No. A - 306 "ALHASANAT" RAMPUR, U. P.

नमा

इन्सान की ज़िन्दगी में सुधार करने के लिये नमाज़ से अच्छा कोई दूसरा तरीक़ा नहीं। इससे अच्छा कोई दूसरा ट्रेनिंग कोर्स (Training Course) ऐसा नहीं जो इंसान की ज़िन्दगी को अच्छाइयों से भर दे। नमाज़ ऐसे इंसान तय्यार करती है, जो समाज का सबसे ज़ियादा क़ीमती सरमाया होते हैं।

इस किताब में नमाज़ का मतलब बताने के साथ साथ यह बताया है, कि नमाज़ का असली फ़ायदा हासिल करने के लिये किस तरह कोशिश की जा सकती है।

स्कूलों के पढ़ने वालों के लिये और कम पढ़े लिखे लोगों के लिये यह किताब बहुत मुफ़ीद रहेगी मूल्य आठ आने ॥)

अलहसनात पुस्तकालय रामपुर (यू०पी०)

إن الحسنات يذهبن السيئات

بلاشبہ نیکیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں

جلد ۸ — نمبر ۸

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مہینے میں دو بار شائع ہونے والا

رسالہ

الحسنات

رام پور

نومبر دوم ۱۹۵۰ء

جو مسلمان گھرانوں کی اصلاح کے لیے بہت مفید ثابت ہوا ہے

مدیرہ ام الکلیم محمد عبدالحی

چندہ: سال بھر کے لیے ۲۴ رسالے — پانچ روپے آٹھ آنے
چھ ماہ کے لیے ۱۲ رسالے — تین روپے
فی کاپی — چار آنے

فہرست مضامین

محمد عبدالحی طابع و ناشر نے مرتضٰی برقی پریس رامپور میں چھپوا کر دفتر الحسنات رام پور (یو۔پی) سے شائع کیا

احساسات

پچھلے رسالے میں آپ یہ پڑھ چکے ہیں کہ ہم اپنے ملک میں جس امن اور بھائی چارے کو قائم کرنا چاہتے ہیں اس کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ "فرقہ پرستی" ہے۔ فرقہ پرستی کیسے پیدا ہوتی ہے؟ اس سوال کا جواب دینے سے پہلے ہم آپ کو یہ بتا چکے ہیں کہ انگریزوں کی غلامی کے زمانے میں ہم نے ان سے بہت سے سبق سیکھے ہیں۔ لیکن ان میں سے تین سبق ایسے ہیں جو براہِ راست فرقہ پرستی پیدا کرنے کا سبب ہیں ان سبقوں کی تفصیل آپ اس سے پہلے پڑھ چکے ہیں۔ آج ہم آپ کو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ خدا سے بے نیازی یا سیکولرزم سے، اس زندگی کے بعد کسی دوسری زندگی کو نہ ماننے سے اور قوم پرستی سے ہمارے ملک کی موجودہ بدامنی اور آئے دن کے فسادوں کو کیا تعلق ہے۔

جو شخص اپنی زندگی کے معاملات میں خدا سے "بے نیاز" ہو جاتا ہے اس کے اندر خود غرضی، تعصب، ہٹ دھرمی اور ناانصافی ضرور پیدا ہو جاتی ہے۔ بات بالکل صاف ہے، اگر آپ کسی شخص کے ساتھ کوئی بھلائی کر رہے ہیں تو یا تو آپ کے دل میں خیال ہوگا کہ ایسا کرنا آپ کا انسانی فرض ہے اور اس طرح آپ کا وہ مالک جس نے آپ کو اپنی نعمتوں سے نوازا ہے خوش ہوگا یا پھر آپ کے دل میں تمنا ہوگی کہ کسی وقت جب آپ کو ضرورت ہو تو وہ شخص جس کے ساتھ نیکی کر رہے ہیں آپ کے ساتھ بھلائی سے پیش آئے۔ یا لوگ آپ کی تعریف کریں یا وہ شخص اس نیکی کے بدلے میں آپ کی خدمت کرے، آپ کی عزت کرے، آپ کی شان میں جگہ جگہ اچھے الفاظ کہے۔ اسی طرح اگر آپ کا تعلق خدا سے کٹ چکا ہے تو آپ ایک بات کو حق مانتے ہوئے بھی اس کے خلاف ہی کرتے رہیں گے۔ آپ کا دل گواہی دیتا ہوگا کہ سچی بات تو یہی ہے، لیکن آپ اپنی کسی

اپنی کسی خواہش کے دباؤ سے دل کی آواز پر کوئی خیال نہیں کریں گے اور من مانی ہی کرتے رہیں گے۔ لیکن ایک ایسا شخص جو خدا کو مانتا ہے ہرگز ایسا نہیں کر سکتا۔ اسے تو یہ یقین ہے کہ خدا دلوں کے بھیدوں سے بھی خبردار ہے، اس کا تو یہ ایمان ہے کہ دراصل معاملہ اس کے اور خدا کے درمیان ہے۔ اسے تو خدا کو خوش کرنا ہے لوگوں کو مطمئن کرنا یا اُن کا منھ بند کرنا اس کا کام نہیں ہے۔ حق اور انصاف پر قایم رہنے کے لیے انسان کا خدا سے تعلق قایم رکھنا بہت ضروری ہے۔

اب اگر کسی سماج کے زیادہ تر لوگ خدا کو بھول جائیں، یا کم از کم ان کی عملی زندگی اس طرح گزرنے لگے کہ گویا ان کا کوئی خدا ہے ہی نہیں تو آپ کیسے اُمید کرسکتے ہیں کہ وہاں خود غرضی، نفس پرستی، بے انصافی، حق تلفی، ظلم اور فساد پیدا نہ ہوگا۔ خدا پر ایمان[1] لانے کے بعد ہی کوئی شخص اس قابل ہو سکتا ہے کہ وہ ان عیبوں سے پاک رہ سکے جو فرقہ پرستی کا لازمی نتیجہ ہوتے ہیں۔

آپ کو اچھی طرح معلوم ہے کہ اگر کسی شخص کو اپنے بُرے کاموں پر سزا ملنے کا یقین ہو جائے تو پھر وہ بُرے کام جان بوجھ کر نہیں کرسکتا۔ انسان کو بُرائی سے روکنے کے لیے اسے اس حقیقت کا علم ہونا چاہیے کہ اس کی زندگی بس یہی زندگی نہیں ہے، بلکہ اس کے بعد ہمیشہ رہنے والی ایک اور زندگی اسے گذارنا ہے۔ اُس زندگی میں آرام اور تکلیف کا فیصلہ اس زندگی کے کاموں کے مطابق ہوگا۔ اب جس شخص کو اس حقیقت کا علم ہو جائے اور اُسے اس پر یقین بھی آجائے تو لازمی طور پر وہ اپنے ہر کام سے پہلے یہ سوچ سکتا ہے

[1] یہاں ایک بہت ضروری بات اچھی طرح سمجھ لیجیے، خدا کا اقرار کرنا اور خدا پر ایمان لانا بالکل دو الگ الگ باتیں ہیں۔ اگر کوئی شخص بس اتنا مان لے کہ ہاں خدا ہے لیکن وہ اُس کے مالک اور آقا ہونے پر، اُس کے رازق اور خالق ہونے پر اور اُس کی باقی دوسری صفات پر ایمان نہ لائے تو اُس سے وہ نتیجے نہیں نکلیں گے جن کا ذکر ہو رہا ہے۔ انسان کی اصلاح کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے اور خدا کے تعلق کو جانے، سمجھے اور اُس پر پکا یقین رکھے اس کے بعد ہی اُس کی زندگی کے معاملات درست ہونا شروع ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے ایسے لوگ پائے جاتے ہیں جو اگرچہ خدا کے انکاری نہیں ہیں لیکن ان کی زندگیاں نیکیوں اور بھلائیوں سے خالی ہیں

کہ اس کا یہ کام اسے آگے آنے والی زندگی میں آرام پہنچائے گا یا تکلیف؟ وہ فوراً ملنے والے فائدوں پر نظر ڈالنے سے پہلے یہ سوچے گا کہ اس ہمیشہ رہنے والی زندگی میں ان فائدوں کا کیا اثر پڑے گا۔ یہ خیال اس کے دل کے اندر پولیس کی ایک چوکی کا کام دے گا جو اسے ہر بُرے کام سے روک لے گا ــــــ اس کے بخلاف اگر لوگوں کے دل سے اس زندگی کے بعد دوسری زندگی کا یقین نکال دیا جائے تو پھر کوئی قانون اور کوئی عدالت اور کوئی جیل خانہ انھیں بُرائیوں سے نہیں روک سکتا۔ قانون کی پکڑ سے بچنے کے لیے اور پولیس کی نظروں سے اوجھل ہونے کے لیے سیکڑوں راستے نکالے جائیں گے۔ پولیس کی پکڑ کے بعد انصاف اور سزا سے جان بچانے کے لیے رشوت، خوشامد، دھونس اور تعلقات و اثرات سے کام لیا جائے گا اور پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ قوم اور ملک کا نام لے کر حق کو ناحق، ظلم کو انصاف، فساد کو ملک کی خدمت، قتل و غارت گری کو قوم کی ہمدردی، جھوٹ کو پالیسی، مکروفریب کو ہوشیاری، دغا بازی کو مصلحت، سیاسی ہتھکنڈوں کو جنتا کی سیوا[1]، کہنے میں کوئی ڈر نہ ہوگا ــــــ اس لیے کہ ایسا کرنے والوں کو ایک طرف تو یہ یقین ہوگا کہ وہ اپنی چالاکی سے لوگوں کو بے وقوف بنا ہی سکتے ہیں، دوسری طرف انھیں اس کا کوئی ڈر نہ ہوگا کہ کوئی ہستی ایسی بھی ہے جو دلوں کے بھیدوں کو بھی جانتی ہے اور جس کے سامنے ایک نہ ایک دن انھیں اپنے سارے کاموں کی جواب دہی کرنا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جب تک لوگوں میں اس زندگی کے بعد دوسری زندگی کا یقین نہ ہو اور اسی یقین کے مطابق زندگیوں میں کوئی تبدیلی نہ ہو کوئی ملک ان مصیبتوں سے نہیں بچ سکتا جو فرقہ واریت کے بھیس میں آئے دن آتی رہتی ہیں۔

قومیت اور قوم پرستی کی تشریح میں آپ اس سے پہلے پڑھ چکے ہیں کہ جو انسان اس مرض میں مبتلا ہو جاتے ہیں پھر اُنھیں کچھ دکھائی نہیں دیتا، وہ صرف ایک ہی بات دیکھ سکتے ہیں۔ انھیں بس ایک ہی فائدے نظر آتے ہیں۔ اس کی خاطر وہ دوسری قوم کے ساتھ بڑے سے بڑا ظلم بھی جائز سمجھتے ہیں۔ ان کے نزدیک حق وہی ہوتا ہے جو ان کی قوم کے لیے اچھا ہو۔ ان کو اپنی قوم میں کوئی بُرائی اور دوسری

[1] خدمتِ خلق۔

قوم میں کوئی اچھائی نظر نہیں آتی ــ قومیت کا یہ نشہ امن کا سب سے بڑا دشمن ہے۔ جس ملک اور جس قوم میں یہ مرض پیدا ہو جائے گا وہاں فساد اور بدامنی بھی کسی نہ کسی شکل میں ضرور پیدا ہوگی۔ یہ ایسا مرض ہے کہ جو اپنا روپ بدل بدل کر ابھرا کرتا ہے۔

لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جب تک دو قومیں موجود رہتی ہیں اُسی وقت تک یہ مرض تکلیف دیتا ہے۔ اگر دو قوموں کا خیال دُور ہو جائے اور سب لوگ ایک ہی قوم بن جائیں تو قوم پرستی ختم ہو جاتی ہے۔ لیکن یہ بات سچ نہیں ہے۔ "قوم پرستی" انسان کا ایک ذہنی اور اخلاقی مرض ہے۔ جب تک یہ مرض دور نہ ہو اس کا اثر کسی نہ کسی شکل میں ظاہر ہوتا ہی رہتا ہے۔ فرض کر لیجیے کہ اگر ہمارے ملک کے رہنے والوں کے دماغ سے کسی طرح دو قوموں کا خیال نکال دیا جائے تھوڑی دیر کے لیے آپ یہ بھی مان لیں کہ یہاں دو قوموں کے بدلے صرف ایک ہی قوم رہ جائے تو کیا "قوم پرستی" کی وجہ سے آج فساد اور بدامنی کا طوفان رہ رہ کر اٹھا کرتا ہے وہ بالکل ختم ہو جائے گا؟

ہمارا خیال یہ ہے کہ ایسا ہرگز نہ ہوگا اُس وقت آپ دیکھ لیں گے کہ آج جو کچھ فرقہ پرستی کے نام پر ہو رہا ہے اس سے بھی بڑھ کر برہمن اور غیر برہمن کے نام پر، چھوت اور اچھوت کے نام پر، اونچ اور نیچ کے نام پر، بنگالی اور غیر بنگالی کے نام پر، سرمایہ دار اور مزدور کے نام پر، سکھ اور جاٹ کے نام پر، راجپوت اور مرہٹے کے نام پر اور نہ معلوم کس کس نام پر ہوگا۔ اور ہوسکتا ہے کہ اُس وقت کا طوفان آج کے طوفان سے بھی بڑھ جائے۔

در اصل مرض کا علاج کچھ اَور ہے۔ جُوؤں کی خاطر گدڑی جلانے سے کام نہیں چل سکتا۔ قوم پرستی کی لعنت موجود ہوتے ہوئے امن کے خواب دیکھنا ٹھیک نہیں ہے۔

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر آخر اس مصیبت سے ملک کو بچانے کا طریقہ کیا ہے؟ یہ ایک بہت ہی اہم سوال ہے اور خاص طور پر یہ سوال

ہمارے حسناتی بھائی اور بہنوں کے لیے بہت ہی اہم ہے۔ اس لیے [illegible]
آگے چل کر ملک کی راہ نمائی کا کام وہ سنبھالیں گے۔ وہ جس [illegible]
اُس کو سیدھا راستہ دکھانا ان کے ذمّے ہے۔

جب اس سوال کو ہم نے آپ کے ذمّے رکھا ہے تو اس کا جواب [illegible]
بھی ہمارے ذمّے ہے۔ لیکن اس سے پہلے کہ ہم خود اس کا جواب [illegible]
کے سامنے کچھ دوسرے لوگوں کے دیے ہوئے جواب رکھیں گے۔ تاکہ [illegible]
اچھی طرح غور کرلیں کہ دوسرے لوگ جو اس مصیبت کا حل تجویز کرتے ہیں وہ
کیا ہے۔ اس کے بعد ہم جو تجویز آپ کو بتائیں گے اُس پر غور کریں اور
اُس کے بارے میں فیصلہ کرنا آپ کے لیے آسان ہوگا۔

انشاءاللہ تعالیٰ آئندہ نمبر میں ہم آپ کو وہ حل بتائیں گے جو دوسرے
لوگ ملک میں فساد اور بدامنی کی مصیبت کو دُور کرنے کے لیے پیش
کرتے ہیں +

(باقی)

جناب محمد ضیا صاحب ضیاؔ

اے باتمیز بچو!

اے باتمیز بچو!
میرے عزیز بچو!

بَن کر رہو ہمیشہ — آپس میں بھائی بھائی
بچ کر بُروں سے، رکھنا — نیکوں سے آشنائی
دل سے ہمیشہ چاہو — ہر ایک کی بھلائی
جڑ سے اُکھیڑ پھینکو — دُنیا کی ہر بُرائی
اُس راہ پر چلو تم — خالق نے جو بتائی
دل میں رہے دیانت — لب پر رہے سچائی
نیکی رہے عمل میں — نیّت میں ہو صفائی
سکھلاؤ دوسروں کو — سمجھو جسے اچھائی
آئے گی کام آگے — دُنیا کی یہ کمائی

اے میرے بھولے بھالو
دُنیا میں کچھ کمالو

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَلَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا مُوۡسٰی بِاٰیٰتِنَا وَسُلۡطٰنٍ مُّبِیۡنٍ ۙ اِلٰی فِرۡعَوۡنَ وَمَلَا۠ئِہٖ فَاتَّبَعُوۡۤا اَمۡرَ فِرۡعَوۡنَ ۚ وَمَاۤ اَمۡرُ فِرۡعَوۡنَ بِرَشِیۡدٍ ۞ یَقۡدُمُ قَوۡمَہٗ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ فَاَوۡرَدَہُمُ النَّارَ ؕ وَبِئۡسَ الۡوِرۡدُ الۡمَوۡرُوۡدُ ۞ وَاُتۡبِعُوۡا فِیۡ ہٰذِہٖ لَعۡنَۃً وَّیَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ ؕ بِئۡسَ الرِّفۡدُ الۡمَرۡفُوۡدُ ۞

(سورۂ ہود۔ رکوع ۸)

اور موسیٰ کو ہم نے اپنی نشانیوں اور کھلی کھلی سند ماموریت[1] کے ساتھ فرعون اور اُس کے اعیانِ سلطنت[2] کی طرف بھیجا۔ مگر انھوں نے فرعون کے حکم کی پیروی کی، حالانکہ فرعون کا حکم راستی پر نہ تھا۔ قیامت کے روز وہ اپنی قوم کے آگے آگے ہوگا اور اپنی پیشوائی میں انھیں دوزخ کی طرف لے جائے گا۔ کیسی بد تر جائے ورود[3] ہے یہ جس پر کوئی پہنچے! اور اُن لوگوں پر دُنیا میں بھی لعنت پڑی اور قیامت کے روز بھی پڑے گی کیسا بُرا صلہ[4] ہے یہ جو کسی کو ملے۔

(تفہیم القرآن)

---

[1] مامور ہونے کی سند۔ اس بات کی نشانی کہ سچ مچ ان کو اللہ نے ہی اپنا پیام لے کر بھیجا تھا۔
[2] سلطنت کے وزیر، امیر اور عہدے دار۔
[3] پہنچنے کی جگہ۔ [4] بدلہ۔

تشریح

(۱) سورۂ ہود میں آپ اب تک بہت سے انبیا علیہم السلام کے واقعات پڑھ چکے۔ اب آخری مرتبہ بہت ہی مختصر اور بالکل نئے انداز میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہو رہا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کا پیام بھی وہی تھا جو اب تک تمام نبیوں کا رہا تھا۔ آپ کو خاص طور پر اُس زمانے کے ایک سرکش بادشاہ ــــ فرعون ــــ کے پاس بھیجا گیا تھا۔ فرعون نے مصر کے باشندوں کو اپنی سخت قسم کی حکومت میں جکڑ رکھا تھا۔ مُلک کے تمام باشندے اس کے آگے بالکل مجبور تھے، وہ ان سے جس طرح چاہتا تھا اپنی اطاعت اور تابعداری کراتا تھا۔ غلامی اور تابعداری کی زندگی کی خاصیت ہے کہ رفتہ رفتہ آدمی اُسی کو پسند کرنے لگتا ہے اور خاص کر جو لوگ نسلی طور پر غلام ہوتے ہیں اور غلامی میں ہی آنکھیں کھولتے ہیں، وہ تو اکثر غلامی کو نعمت ہی جانتے ہیں۔ وہ شیر جس نے کٹھرے میں ہی آنکھیں کھولی ہوں یہ جانتا ہی نہیں کہ جنگل کی آزادی اور بادشاہی میں کیا لطف ہے، وہ تو سلاخوں کے پیچھے بیٹھ کر راتب کا انتظار کرنا ہی سیکھتا ہے اور اس میں یہ حوصلہ باقی نہیں رہتا کہ وہ اپنے نگراں کی "رزاقی" کے سوا کسی اور چیز پر بھروسہ کرے۔ کٹھرے کے باہر اسے خطرے نظر آتے ہیں۔ آزادی کو وہ دردِسری جانتا ہے ــــ یہی حال اُس وقت ملک مصر کے باشندوں کا تھا، وہ بیچارے یہ بھول چکے تھے کہ وہ دُنیا میں کسی کے غلام نہیں ہیں، ان کا آقا صرف اللہ ہے اور وہ اپنے اس حال میں ایسے مبتلا تھے کہ وہ کسی طرح نہیں چاہتے تھے کہ فرعون کا "سایہ" اُن کے سروں سے ہٹ جائے۔

موسیٰ علیہ السلام نے آکر انھیں اللہ کا پیام سُنایا، انھیں بتایا کہ وہ فرعون کے نہیں بلکہ اللہ کے غلام ہیں۔ آپ نے خود فرعون کو بھی یہ بتایا کہ وہ بھی اللہ کا بندہ ہے اُس کو بھی اُسی مالک کی اطاعت اور تابعداری

کرنا چاہیے۔ موسیٰ علیہ السلام کے پاس کچھ ایسی نشانیاں بھی تھیں جو اس بات کی کھلی ہوئی دلیل تھیں کہ آپ کو سچ مچ اللہ تعالیٰ نے ہی بھیجا ہے۔ ان نشانیوں کا ذکر قرآن شریف میں بار بار آیا ہے۔

لیکن فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کی بات نہ سُنی' اس نے سمجھا کہ شاید موسیٰ علیہ السلام ملکِ مصر کی بادشاہی حاصل کرنے کے لیے اس کو اس کے تخت سے ہٹانا چاہتے ہیں۔ یہی بات اس نے اپنی سلطنت کے وزیروں' امیروں اور دوسرے عہدے داروں سے کہی۔ یہ لوگ فرعون کے دست و بازو تھے اور اسی کے بل بوتے پر یہ خود "فرعونیت" میں مبتلا تھے۔ ان کو نظر آرہا تھا کہ اگر فرعون کا سایہ ان کے سروں سے ہٹ گیا' تو پھر ان کو کوئی نہ پوچھے گا ـــــــ

یہ آپ جانتے ہی ہیں کہ جب کوئی شخص اپنی خواہشوں اور اپنے فائدوں کو سامنے رکھ کر کچھ دیکھتا اور سوچتا ہے تو اسے سچّی بات بہت کم ہی سوجھائی دیتی ہے۔ یہی حال ان فرعونیوں کا بھی تھا' انھوں نے اللہ کی ان نشانیوں کو جادو بتایا جو اللہ کا نبی انھیں دکھا رہا تھا۔ انھوں نے اللہ کی اور اُس کے رسول کی اطاعت سے انکار کردیا۔ انھوں نے فرعون کے احکام کو ماننے کا اعلان کیا۔ اُسی کو اپنا مالک' آقا' حاکم اور رَب جانا۔

(۲) فرعونیوں کا یہ رویّہ کہ انھوں نے فرعون کو ہی اپنا حاکم' آقا اور رَب تسلیم کیا کچھ اس لیے نہ تھا کہ انھوں نے سوچ سمجھ کر اپنی عقل کی روشنی میں اس بات کا فیصلہ کیا تھا کہ فرعون سچ مچ ان کا آقا بننے کا حق دار ہے۔ بلکہ جیسا کہ اوپر بیان ہوچکا' وہ اپنے اس طریقے پر صرف اس لیے اڑے ہوئے تھے کہ اس میں ان کو اپنے فائدے نظر آتے تھے ـــــــ انسان کی سب سے بڑی کمزوری یہی ہے کہ وہ سامنے نظر آنے والے فوری فائدوں کے لالچ میں ایسا پھنس جاتا ہے کہ اس کی نظر دُور تک نہیں جاتی اور وہ فوری فائدوں کی خاطر اپنا بڑے سے بڑا مستقل نقصان بھی کرلیتا ہے۔

(۳) قرآن شریف میں اس کا ذکر کئی جگہ آیا ہے کہ قیامت کے دن اچھے لوگ ایک گروہ ہوں گے اور بُرے اور بدکار لوگوں کا گروہ جُدا ہوگا

ایک گروہ کے لوگ جنت کی طرف لے جائے جا رہے ہوں گے اور دوسرے گروہ کے لوگ جہنم کی طرف ہنکالے جا رہے ہوں گے ــــــــ

دُنیا میں بہت کم لوگ اپنی عقل اور اپنے فیصلے کی بُنیاد پر اچھے یا بُرے آدمی بنتے ہیں۔ اکثر یہی ہوتا ہے کہ کچھ لوگ اُٹھتے ہیں اور لوگوں کو کسی ایک راستے کی طرف بلاتے ہیں، عام لوگ ان میں سے کسی نہ کسی کے پیچھے ہو لیتے ہیں۔ اب تک جہاں دُنیا میں بہت سے اچھے انسانوں نے لوگوں کو ٹھیک راستوں کی طرف بلایا ہے وہاں بہت سے بُرے اور شریر انسانوں نے لوگوں کو غلط راستوں پر بھی چلایا ہے۔ قیامت کے دن ایسے پیشوا اپنے پیروؤں سمیت حاضر کیے جائیں گے۔ جن اللہ کے نیک بندوں نے لوگوں کو نیکی کی راہ دکھائی ہوگی وہ اور اُن کے پیرو خوشی خوشی جنت کی طرف لے جائے جائیں گے۔ ان نیک لوگوں کے پیچھے چلنے والے لوگ اُس دن اپنے پیشواؤں پر سلامتی بھیج رہے ہوں گے اور اللہ کا شکر ادا کر رہے ہوں گے کہ انھوں نے اللہ کی دی ہوئی عقل سے ٹھیک ٹھیک کام لے لیا۔ اور اس طرح ان کی ہمیشہ رہنے والی زندگی کامیاب ہو گئی ــــــ

اس کے برخلاف جن لوگوں نے اللہ کے بندوں کو غلط راستوں پر چلایا ہوگا اور خود اللہ کا باغی بن کر دوسروں کو اُس کی بغاوت اور نافرمانی پر آمادہ کیا ہوگا وہ اور اُن کے ساتھی جہنم کی طرف ہنکالے جا رہے ہوں گے۔ اس حال میں کہ وہ آگے آگے ہوں گے اور اُن کے پیرو اُن کو گالیاں دیتے ہوئے اور اُن پر لعنت بھیجتے ہوئے اُن کے پیچھے ہوں گے اور کہہ رہے ہوں گے کہ ان ہی کم بختوں نے ہماری راہ ماری اور ہمیں طرح طرح کے سبز باغ دکھا کر صحیح راستے پر چلنے سے باز رکھا۔

فرعون کے بارے میں بھی یہی ارشاد ہو رہا ہے کہ قیامت کے دن وہ آگے آگے ہوگا، اور اُس کی قوم اُس کے پیچھے پیچھے ہوگی اور انتہائی مایوسی اور نا اُمیدی کی حالت میں یہ قافلہ جہنم کی طرف جا رہا ہوگا ــــــ خدا محفوظ رکھے کیسا بُرا یہ سفر ہے! اور کیسی بُری یہ منزل جہاں یہ سفر ختم ہوگا!!

(۴) قرآنِ پاک کی ان تشریحات کو سامنے رکھ کر وہ سب لوگ جو کسی نہ کسی درجے میں پیشوائی، لیڈری اور سرداری کا مقام رکھتے ہیں اور وہ لوگ جو ان کے بتائے ہوئے راستوں میں ان پیروی کر رہے ہیں خود اپنے بارے میں کوئی فیصلہ کرسکتے ہیں۔ اگر یہ لیڈر اور پیشوا قوم کو خالص اُن راستوں کی طرف لیے جا رہے ہیں جو اللہ اور اُس کے رسول نے زندگی بسر کرنے کے لیے مقرر کردیے ہیں تو اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اُن کو اور اُن کے پیچھے پیچھے چلنے والوں کو کامیاب اور بامراد لوگوں کے گروہ میں شامل فرمائے گا۔ اور اگر یہ لوگ اس راستے کے علاوہ دوسرے راستوں کی طرف لوگوں کو لیے جا رہے ہیں تو قیامت کے دن یہ اور ان کے پیرو ان گروہوں میں شامل کردیے جائیں گے جن کا سفر دوزخ کی منزل کی طرف [illegible]

لیڈری، پیشوائی او[illegible]ی کا مطلب بہت وسیع ہے۔ ان بڑے بڑے لیڈروں اور سرداروں [illegible] جن کے پیچھے قوموں کی قومیں چلتی ہیں مثلاً ہٹلر، مسولینی، اسٹالین، ٹرومین، گاندھی، جناح، ٹنڈن، لیاقت علی وغیرہ وغیرہ وہ سب لوگ بھی اسی حکم میں شامل ہیں جن کے اثر کے ماتحت کچھ نہ کچھ لوگ ان کے طریقوں پر چلتے ہوں۔ شہر کے بااثر لوگ، محلوں کے چودھری، خاندانوں کے بزرگ، مسجدوں کے امام، مدرسوں کے اُستاد، اور انتہا یہ کہ ہر "گھر کا بڑا" سب لوگ اسی حکم میں شامل ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: "تم میں سے ہر شخص حاکم ہے اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال ہوگا۔" ایک ایسا شخص جس کا بظاہر کوئی بڑا اثر نہیں ہے وہ بھی اپنے گھر کے بچوں، عورتوں اور ملازموں کا سردار ہی ہے، اس کی زندگی کا اثر ان سب لوگوں پر پڑتا ہے اور وہ چاہے یا نہ چاہے یہ سب لوگ اس کے طریقوں کو اختیار کرتے ہیں اور ایک اعتبار سے یہ اس کے پیرو ہی ہوتے ہیں۔

(۵) اکثر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ کی نافرمانی کا جو وبال بھی بھگتنا پڑے گا وہ مرنے کے بعد ہی ہوگا۔ لیکن ایسا نہیں ہے، اللہ سے بغاوت کی سزا اس زندگی

میں بھی آخرِ کار بُرا ہی نتیجہ دیتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اگر آپ الگ الگ کچھ لوگوں کی زندگیوں کو دیکھیں تو آپ کو ان کی مالداری اور خوش حالی دیکھ کر یہ دھوکا ہو جائے کہ وہ کامیاب ہیں، لیکن اس معاملے میں ایک ایک شخص کی علیحدہ علیحدہ زندگی کوئی کسوٹی نہیں ہو سکتی، اس دُنیا میں اللہ کی بغاوت کا بُرا نتیجہ یا اس کی فرمانبرداری کا اچھا پھل دیکھنا ہو تو قوموں کے حال پر غور کرنا چاہیے۔ قرآنِ پاک کی روشنی میں قوموں کے عروج اور زوال کا سبب خود اُن کی وہ بُرائیاں ہی ہوتی ہیں جو اُن میں اللہ کی نافرمانی کے باعث پیدا ہو جاتی ہیں۔

اسی بات کے ثبوت میں اللہ تعالیٰ نے خود فرعون اور اس کے سرداروں کے انجام کو پیش کیا ہے، ان کو اس دُنیا میں بھی ذلّت اور نامرادی کا سامنا ہوا اور آخرت میں بھی ان کا انجام ایسا ہی ہوگا +

الحسنات کا تیسرا خاص نمبر (رسالت نمبر) یکم جنوری ۱۹۵۱ء تک شائع ہوگا — (ضخامت سو صفحے سے زائد — قیمت تقریباً ایک روپیہ) "منیجر"

رشید اد شفقتؔ

آزادی

اک کبوتر کو میں نے کل دیکھا جو کسی آدمی نے پالا تھا
اُس سے میں اس طرح ہوا گویا اک ذرا بات تو مجھے بتلا
کیا ہوئی اب وہ تیری آزادی تجھ کو آزادیوں نے پالا تھا
اب پڑا رہتا ہے تو قدموں میں کیا کھلائی ہے آدمی نے غذا
تیرے پاؤں میں بیڑیاں بھی نہیں کیوں نہیں اس جگہ سے اُڑ جاتا
کیا تجھے بات یہ نہیں معلوم رزق دیتا ہے ہر بشر کو خدا
سُن کے یہ ــــ یوں کہا کبوتر نے "تم نے جو کچھ کہا وہ سب ہے بجا
آپ تو لیکن، یہاں وہ راحت ہے جو میں آزادی میں نہیں پاتا
آدمی مجھ کو چوگا دیتا ہے اور سدا میرا جی ہے بہلاتا
کاٹ کر رکھ دیے تھے میرے پَر جب مجھے آدمی نے پکڑا تھا
نئے نکل آئے پَر مرے لیکن اب میں تم سے بھلا کہوں بھی تو کیا
مجھ میں ہے اب بھی طاقتِ پرواز پر سمجھتا نہیں اسے اچھا
کہ کہیں سب نمک حرام مجھے اس لیے میں کہیں نہیں جاتا
سُن کے گفتار اُس کبوتر کی میں نے کچھ آبدیدہ ہو کے کہا

بس ــــ یہی طور ہیں غلاموں کے
بد نصیبوں کے نامرادوں کے
تُف غلامانہ زندگانی پر
اس حقیرانہ زندگانی پر

(جہانِ نو)

محترمہ مہر بانو صاحبہ

جب دل چاہے کہ کچھ خریدیں

چھٹن بڑا پیارا بڑا شریر بچہ تھا، وہ اسکول میں پڑھتا بھی تھا۔ اس کا اسکول
شہر کی گھنی آبادی سے دُور کھُلی جگہ واقع تھا، وہاں ہری ہری گھاس کا فرش بچھا تھا
چاروں طرف اونچے اونچے درخت تھے، گھنے پتّوں والے۔ اسکول کے بچے گھاس پر لوٹتے
اور درختوں پر چڑھتے۔ اسکول اکثر بچّوں کے گھر سے دُور تھا، اس لیے ننھے بچّوں کو لانے
لے جانے کے لیے اسکول کی ایک بس تھی۔ چھوٹے بچّوں کو ہر روز وقت پر اسکول پہنچانا
چھٹی ملنے پر گھر لانا بھی ایک بڑی ذمّے داری ہے۔ اس سے بچنے کے لیے چھٹن کی امّا
نے اس کے لیے بھی بس کا انتظام کردیا تھا۔ بس ہر روز چھٹن کو گھر سے اسکول اور اسکول
گھر پہنچا دیا کرتی۔ وہ تنگ تنگ گلیوں سے گزر کر بڑے بڑے بازاروں سے گزرتی۔ پھر کھُلی سڑک
پر آجاتی، اور سڑک ہرے بھرے کھیتوں کے قریب ہوتی ہوئی اسکول کے پاس چلی جاتی۔

چھٹن بڑے بڑے بازاروں میں سے جب گزرتا، پھل، کھلونوں اور مٹھائیوں کی دکانیں
اسے بڑی اچھی معلوم ہوتیں، رنگ برنگے جھُنجھُنے، گھوڑے، موٹریں، بندوقیں، جھولا جھولتی گڑیا
تین پہیوں کی سائیکلیں، اسے اپنی طرف بُلاتی نظر آتیں، وہ حیرت اور شوق سے انھیں تکیے
"بازار میں اتنی دُکانیں اور دُکانوں میں اتنے کھلونے کہاں سے آجاتے ہیں۔ امّی اور ابا
کھلونوں کی دُکان میں گھر کیوں نہیں بنا لیتے کہ ہم اور مُنّی مزے سے کھیلا کریں۔ پھلوں
دُکانوں پر لال لال مالٹوں کے ٹوکرے بھرے رکھے ہیں، اور سنترے ان کے بھائی ہیں
کیلے کیسے میٹھے اور مزے دار ہوتے ہیں، بالکل حلوہ جیسے۔ اللہ میاں نے بہت سا حلوہ
کیلے کے چھلکوں میں لپیٹ دیا ہے، تاکہ سب کے ہاتھ خراب نہ ہوں اور سب
الگ الگ حصّہ مل جائے۔ کھانا کھاتے ہوئے جب کھیر میرے ہاتھوں پر گر جاتی ہے تو امّی
خفا ہوتی ہیں۔ ہم کیلا چھیل کے کھاتے ہیں۔ اللہ میاں خفا نہیں ہوتا وہ ہمیں روز کیلے دیتا

مگر ایک کیلا کھا کر میرا جی بھرتا نہیں، ارے ارے یہ اچھی اچھی مٹھائیوں کے تھال، مٹھائیوں پر ورق کیسے چمک رہے ہیں، ورق لگی مٹھائی ہوتی بھی مزیدار ہے۔ میں تو ہمیشہ ورق والی مٹھائی لیتا ہوں۔ یہ مٹھائی والے جب کسی کو مٹھائی دیتے نہیں تو باہر نکال کر کیوں رکھتے ہیں۔ امّی جان تو جب پلیٹ میں چیزیں نکال کر باہر لاتی ہیں تو سب کو دیتی ہیں۔

بس کھیتوں میں سے گزر رہی تھی، چھٹن اپنے خیالوں میں کھویا ہوا مٹھائیوں کے تھال کے تھال سجائے دیکھ رہا تھا، منھ میں مٹھائی کا ذائقہ محسوس ہو رہا تھا۔ لڈو، گلاب جامن، ٹھنڈی برفی، کُرکُری جلیبیاں، جب بڑا ہو جاؤں گا ساری دکانیں خرید لوں گا۔ امّی جان کبھی پیٹ بھر کر مٹھائی نہیں دیتیں، کہتی ہیں زیادہ کھانے سے طبیعت خراب ہو جاتی ہے۔ بھلا مٹھائی کھانے سے کہیں طبیعت خراب ہو سکتی ہے، ایسے ہی کہہ دیتی ہوں گی۔ ان کے پاس دکان جتنی زیادہ مٹھائی ہوتی ہی نہیں۔ منّی کو جو حصّہ دینا پڑتا ہے۔ منّی کیسی اچھی ہے۔ اللہ میاں نے اسے میرے ساتھ کھیلنے کو بھیجا ہے، منّی نہ ہوتی تو میں گھر پر کس کے ساتھ کھیلتا، اسکول میں بہت سے بچّوں کے ساتھ کھیل سکتا ہوں۔ اتنے میں اسکول آ گیا بس احاطے کے بڑے پھاٹک میں داخل ہو کر آہستہ آہستہ رُک گئی، سب اپنے اپنے درجوں کے کمروں میں چلے گئے۔

دوپہر کو اس نے گھر پہنچ کر امّی سے روپے مانگنے شروع کیے: "مجھے بہت سے روپے دو، چاہے کچھ بھی ہو جائے میں تو آج بہت سی چیزیں خریدوں گا، قیمت پوچھ کر آیا ہوں، لکڑی کا بڑا سا گھوڑا دس روپے کو ملتا ہے، امی! وہ گھوڑا میں ضرور لوں گا، بسکٹ بھی، گولیاں بھی، آپ کبھی بہت سی چیزیں منگا کر نہیں دیتیں، مٹھائی بھی لاؤں گا، چمکتی چمکتی ورق لگی وہ بڑی مزیدار ہوگی، کیا ایک روپے میں پورا تھال آ سکتا ہے؟ میں اکیلا کھاؤں گا، کسی کو نہیں دوں گا، میں نے بہت سی مٹھائی کبھی نہیں کھائی۔"

اس کی امّی نے بہت بہلانا چاہا کہ تمھارے ابّا جان آ جائیں پھر مٹھائی منگا دیں گے۔ مگر اس نے ایک نہیں سنی، ضد کرتا ہی رہا۔ تھک ہار کر رونا شروع کر دیا۔ اور ایسا دل دکھا دکھا کر رویا کہ اس کی امّی بھی پریشان ہو گئیں، انھوں نے اسے گود میں لے لیا، گالوں سے بہتے آنسو پونچھے، ڈانٹ ڈپٹ سے کام چلتا نہ دیکھ کر پیار سے سر سہلا کر اسے چپ کرنے لگیں: "کہیں اچھے بیٹے رویا کرتے ہیں، تم اس وقت چپ ہو جاؤ، رونا بند کر دو، مٹھائی تمھیں آج مل جائے گی۔ رہا گھوڑا تو وہ بھی دو تین دن بعد منگا دوں گی، پکّا وعدہ ہے، تم رو ؤ نہیں۔"

چھٹن کو معلوم تھا، امّی نے وعدہ کیا ہے تو ضرور پورا کریں گی۔ اس کا رونا آہستہ آہستہ سسکیوں میں تبدیل ہوا۔ امّی کی طرف دیکھا تو خود ہی اپنے رونے پر شرمندہ ہو کر چہرے پر مسکراہٹ آ گئی۔ منّی بھائی کے رونے سے پریشان پاس ہی بیٹھی تھی۔ اسے ہنستا دیکھا تو دو چار کھیلنے کی چیزیں، ایک خالی ڈبّی،

پتھر کی چکنی بٹیا، موم بتی کا ٹکڑا، دیا سلائی کی [illegible] لا کر میرے سامنے ڈال دیں۔

"منی یہ تم کہاں سے لائی ہو؟"

"میں نے تمہارے لیے جمع کی ہیں، صبح سے ڈھونڈھ رہی تھی۔ چلو بھائی جان باہر چل کر کھیلیں۔"

"چلو، اب دیکھنا دو ایک دن میں میرا گھوڑا آنے والا ہے۔ پھر ابا جان کی طرح ہم بھی [illegible] بیٹھا کریں گے اور سیر کو چلا کریں گے۔"

شام کو مٹھائی آ گئی۔ چھبّن کو بہت سی ملی۔ منی کو بھی حصہ ملا۔ چھبّن نے چاہا بچی ہوئی [illegible] وہ اپنے بکس میں رکھے گا، وہ اسی کی مٹھائی تو ہے۔ مگر امی نے ایک ڈبے میں بند کر کے الماری کے [illegible] خانے میں رکھ دی۔ پھر کھانا پکانے باورچی خانے میں چلی گئیں۔ چھبّن اور منی کا کمرے میں راج ہو گیا۔ دونوں نے گھر بھر کی چیزیں لا کر کمرے میں جمع کر لیں، ریل بنی۔ ناشتے کی ضرورت سفر میں پڑتی ہی ہے [illegible] برابر کچھ کھاتے نہ چلیں تو سفر کا مزہ نہیں آتا۔ چھبّن کو فوراً مٹھائی کا ڈبہ یاد آ گیا۔ پلنگ گھسیٹ کر الماری کے برابر لایا، منی کی مدد سے اسٹول پلنگ پر رکھا، اسٹول پر چڑھ کر ڈبہ اتار لیا۔ منی ڈبہ دیکھ کر ڈر گئی "بغیر پوچھے مت لو، امی خفا ہوں گی۔" "واہ اس وقت تو میں ابا ہوں، مجھے پوچھنے کی ضرورت نہیں۔ آؤ دونوں ریل میں بیٹھ کر مزے سے کھائیں۔" پھر وہ کھاتے رہے اور ریل چلتی رہی۔ خالی ڈبہ پھر اٹھا الماری میں رکھ دیا۔

اگلے روز اسکول جانے سے پہلے پھر چھبّن کو کھلونوں کی دکان یاد آ گئی۔ گو اماں نے وعدہ کر لیا تھا۔ مگر اس کا دل کھلونوں کے لیے بے طرح مچل گیا۔ "بڑا ہو جاؤں گا تو میرے پاس بھی بٹوہ ہوگا، اس میں روپے ہوں گے۔ امی سے مانگنے نہیں پڑیں گے۔ اب کس طرح وہ گھوڑا لوں، نہیں تو وہ ہوائی جہاز ہی مل جائے۔ ابا کہتے ہیں ان کے پاس اتنے بہت سے روپے نہیں۔ مگر دکان میں تو بہت سے کھلونے ہیں۔ قریب کرسی پر اس کے ابا جان کا کوٹ پڑا تھا۔ اس پر نظر پڑتے ہی وہ ایک دم خوش ہو گیا، اس نے دونوں جیبیں دیکھیں، ایک میں کچھ کاغذ اور رومال تھا دوسری میں روپے پیسے تھے، اس نے تین چار روپے لے کر اپنی جیب میں ڈال لیے اور چلا گیا۔ آج اسے اسکول میں وقت گزارنا مشکل ہو گیا۔ واپسی میں جب وہ گھر کے قریب سڑک کے موڑ پر بس سے اترا تو بجائے گھر جانے کے بازار کو ہو لیا۔

بازار میں اسے اپنے ابا جان کے دفتر کا چپراسی مل گیا وہ پوچھنے لگا "چھبّن میاں بازار

کیوں ٹھہر گئے ہو چلو گھر لے چلوں"۔ "آج مجھے چیزیں خریدنی ہیں تم میرے ساتھ چلو" چھٹن اُس کی انگلی پکڑے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ بھوک لگی تھی، پہلے بسکٹ نظر پڑے، ایک پیکٹ خرید لیا، انار لیے کچھ مالٹے اور امرود، امرود کی خوشبو ایسی بھائی کہ رہ نہ سکا ایک وہیں کھالیا، آگے چلے ایک ہوائی جہاز خریدا، ایک گڑیا پسند کی، مٹھائی بھی لینی تھی۔ اپنے ہاتھ سے چیزیں خرید کر بڑا پن محسوس ہو رہا تھا۔ وہ فیصلہ نہ کر سکا کہ مٹھائی کی کونسی قسم لے، آخر اس نے چپراسی سے کہا سب طرح کی اکھٹی لے دے۔

مُنی جہاز کو دیکھ کر خوش ہوگی۔ اس کی گڑیا بیٹھے گی اور میں چلاؤں گا۔ بچے ہوئے پیسے احتیاط سے رومال میں لپیٹ کر نیکر کی جیب میں رکھ لیے۔ اور چپراسی پر تاکید کی کہ جلدی گھر چلو۔ خود آگے آگے دوڑنا شروع کر دیا۔ دروازے پر پہنچتے ہی مُنی کو پکارا "مُنی جلدی آؤ" امی جان دیکھیے میں کیا لایا ہوں، یہ ہوائی جہاز ہے، مالٹے ہیں، امرود ہیں، مٹھائی بھی ہے، اور مُنی کے لیے گڑیا لایا ہوں ماں نے پوچھا:

"تمھیں یہ سب چیزیں ملیں کہاں، کس نے دلائی ہیں"؟

"میں نے خریدی ہیں"

"پیسے کس نے دیے"؟

"ابا کی جیب سے لیے"

"تم نے مانگے تھے کیا؟ بغیر پوچھے جیب سے پیسے نکالنا بُری بات ہے نا"

"نہیں میں نے خود نکالے تھے"

امی چُپ کی چُپ رہ گئیں، سخت نازک موقعہ تھا، دوسرے تو اس کو چوری کہیں گے چھٹن نے وہ پیسے لیے تھے، چُرائے نہیں، وہ اس لین دین کو چوری کی سمت موڑنا نہیں چاہتی تھیں لیکن یہ بھی خیال تھا کہ اگر اس کو ٹوکا اور سمجھایا نہ گیا تو دو چار دفعہ میں یہ عادت پڑ بھی سکتی ہے بغیر پوچھے چیز لینے اور چوری میں ایک قدم ہی کا فاصلہ ہے۔ صرف نیت کا فرق۔

چھٹن کی معصوم آنکھیں تعجب سے ماں کو تکتی رہ گئیں کہ یہ خوش کیوں نہیں ہوئیں میں تو بہت خوش ہوں۔ آج ابا کی طرح خود کھلونے اور مٹھائی خرید کر لایا ہوں۔ ابا کی جیب سے پیسے نکالنا بُری بات کیسے ہوگئی؟ ابا جب کچھ خریدتے ہیں، جیب ہی سے پیسے نکالتے ہیں۔ چھٹن کے بھولے بھالے چہرے کی خوشی پر افسردگی کا غبار چھاگیا۔ چوڑی چوڑی آنکھیں کھولے ماں کو دیکھتا ہی رہا۔ ماں اُس کی کھلی آنکھوں میں اُس کی

، اور اپنی بے موقع خاموشی خود ناگوار گذری، جیسے وہ خود مجرم ہو اور اُس کو
ی کرتے کسی نے پکڑ لیا ہو۔ چھٹن کا بھولا چہرہ معصوم آنکھیں سوال کر رہی ہوں ۔
آپ ایسی سنگدل کب سے ہوگئیں، میری خوشی بھاتی نہیں، جان کر بُری بات نہیں
ی، پھر بُری کیسے ہوگئی۔ میں ابھی بڑا نہیں ہوں، بڑوں کی باتیں سمجھ میں نہیں آتیں،
تہ آہستہ بڑا ہو کر سمجھوں گا۔ چھوٹی چھوٹی سیدھی باتیں جانتا ہوں، دیکھیے منّا سا
تو ہوں، میں خوش ہوں، آپ بھی خوش ہو جائیے۔ اور امّی ایک دم چونک پڑیں،
ے پر ہنسی لا کر چھٹن کی پیشانی چوم لی۔" تم بڑی اچھی چیزیں لائے ہو۔ یہ ہوائی جہاز
بالکل سچ مچ کی طرح ہے، امرود میں سے مجھے حصّہ دو گے کہ نہیں، مُنّی کے لیے
یا لائے ہو، میرے لیے کیا ہے۔ تم اپنے ابّا جان کے ساتھ جاتے تو اس سے بھی
دہ چیزیں خرید سکتے تھے۔ پھر تمھیں بغیر پوچھے اُن کی جیب سے پیسے بھی نہ نکالنے
تے، میں اُن کو تمھارے ساتھ ضرور بھیج دیتی۔ میں نے تم سے سب چیزیں
کا دینے کا پکّا وعدہ جو کیا تھا۔ تمھیں یاد نہیں رہا تھا کیا +

چھٹن کو دل ہی دل میں اپنی جلدی پر افسوس ہونے لگا کہ امّی سے
لے کیوں نہ پوچھ لیا۔ سچ مچ اگر ابّا جان نے دو پیسوں کے لیے پوچھا تو
ہ کتنی شرم آئے گی +

جناب شوکت علی صاحب نیازی

مشورہ

روش اپنی اب تم بدلنے کی ٹھانو
گرے جا رہے ہو سنبھلنے کی ٹھانو

یہ تقلیدِ آبا، یہ خواہش پرستی
اب ان ظلمتوں سے نکلنے کی ٹھانو

رضائے الٰہی کی خواہش اگر ہے
تو قانون پر اُس کے چلنے کی ٹھانو

اگر چاہتے ہو بچو تم بدی سے
خدا سے ہمہ وقت ڈرنے کی ٹھانو

بنے جس سے دُنیا بھی اور آخرت بھی
وہی اے مسلمانوں کرنے کی ٹھانو

ہر اک راہ کے تم رہے راہی اب تک
مگر اب مسلمان بننے کی ٹھانو

کرو کلمۂ حق بلند اب جہاں میں
اسی کے لیے جینے مرنے کی ٹھانو

غرور کا انجام

جناب ابوالخیر رضا فاروقی (معلم جامعہ [illegible])

اسلام نے اس حقیقت کو پوری طرح واضح اور روشن کر دیا ہے کہ ہم انسانوں کے پاس جو کچھ بھی ہے ہم اس کے مالک و مختار نہیں ہیں بلکہ ہماری حیثیت ایک امین کی ہے' ہاں یہ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو پورا اختیار دے دیا ہے کہ ہم اپنے مال کو چاہے بُرے کام میں خرچ کر کے اللہ تعالیٰ کے غصے کو خرید لیں اور چاہے اس مال کو نیک کام میں خرچ کر کے اس کی خوشی و رضا مندی کو حاصل کر لیں۔ مال بھی فی الحقیقت آزمائش کی چیز ہے کسی کو مال دے کر آزمایا جاتا ہے اور کسی سے لے کر آزمایا جاتا ہے لیکن یہ مال اپنی جگہ پر بُری چیز نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ اسلام نے مال حاصل کرنے کو منع نہیں کیا ہے ہر شخص کی طاقت اور استعداد پر چھوڑ دیا گیا ہے کہ چاہے جس قدر بھی کوئی شخص کمائے' ہاں اس بات کا اس کو لحاظ خیال رکھنا پڑے گا کہ اس میں حرام کی آمیزش نہ ہونے پائے اور اُس کے لیے اسلام نے جو حدیں مقرر کی ہیں اُن کی پوری طرح پابندی کی جائے لیکن ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ انسان کے پاس مال آئے اور وہ اُس کے حقوق کو بھی ادا کر پائے اور اُس میں غرور و گھمنڈ بھی نہ آنے پائے ہاں جن لوگوں کو اس بات پر پکا اور مضبوط ایمان ہے کہ یہ مال چند روز کے لیے ہے یہ اور ہم ایک دن ختم ہو جائیں گے وہی لوگ بے شک کسی طرح کی شیخی اور غرور کے شکار نہیں ہوتے ہیں اور اپنے مالوں کو اللہ کی رضا حاصل کرنے میں صرف کرتے ہیں ورنہ عام طور پر لوگوں کے پاس جہاں کچھ مال ہاتھ آیا مال کے نشے میں ساری حدود اور پابندیوں کو فراموش کر جاتے ہیں اللہ کے بندوں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھنے لگتے ہیں ان کی ہر ادا اور ہر حرکت سے شیخی و تکبر کا بدترین مظاہرہ شروع ہو جاتا ہے' تواضع اور انکساری کے بجائے فخر و ریا' غرور و نخوت کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے لیکن کب تک آخر ایک روز وہ وقت آتا ہے جبکہ اللہ کا عذاب آ دبوچتا ہے۔ آج حسناتیوں کے سامنے میں ایک بہت بڑے مالدار کا واقعہ پیش کرنا چاہتا ہوں' جس کے پاس بے شمار دولت تھی' جس کا واقعہ بہت عبرت ناک ہے قرآن شریف میں اس کا واقعہ لکھا ہوا ہے۔ فرمایا "قارون موسیٰ کی قوم بنی اسرائیل میں سے تھا' پھر لگا ان پر بڑائی کرنے (یا ظلم کرنے) اور ہم نے اس کو دولت کے اتنے خزانے دیئے تھے کہ کئی زبردست ہٹے کٹے آدمیوں کو اُس کی کنجیاں اُٹھانا مشکل ہوتا۔ ایک بار اس کی قوم والوں نے اس سے کہا:" اتنا مت اترا کیونکہ اترانے والوں کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا اور اللہ تعالیٰ نے جو تجھے دے رکھا ہے اُس میں سے اس آخری ٹھکانے کا سامان کر (خیرات دے) اور دُنیا میں جو تیرا حصہ ہے اس کو مت بھول اور جیسے اللہ تعالیٰ نے تجھ پر احسان کیا ہے تو بھی اللہ تعالیٰ کے بندوں پر احسان کر اور ملک میں فساد مت برپا کر کہ اللہ تعالیٰ فسادیوں کو دوست نہیں رکھتا ہے' قارون نے جواب دیا کہ "میں نے

اپنی عقل کے زور سے کمایا ہے۔" کیا اس کو یہ نہیں معلوم ہوا کہ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے ایسی قوموں کو تباہ کر دیا جو اس سے زیادہ طاقتور اور دولت مند تھیں۔ اس دن گنہگاروں سے ان کے گناہ پوچھے نہ جائیں گے۔ آخر ایک روز ایسا ہوا، قارون اپنا جلوس لے کر اپنی قوم کے سامنے نکلا، جو لوگ دُنیا کی زندگی چاہتے تھے کہنے لگے:

کاش ہم کو بھی یہ سامان ملتا جو قارون کو ملا ہے، بھئی وہ بڑا خوش نصیب ہے۔ اور جن کو علم ملا تھا وہ ان آرزو کرنے والوں سے کہنے لگے "ارے کم بختو اللہ تعالیٰ کے پاس ایمان دار نیک کام کرنے والوں کو جو ثواب ملے گا وہ اس سے کہیں بہتر ہے وہ باقی ہے فانی نہیں اور یہ ثواب انھیں کو ملے گا جو دُنیا کی تنگی اور مصیبت پر صبر کرتے ہیں"۔

پھر ہم نے (خود) قارون اور اُس کے گھر کو خزانوں سمیت زمین میں دھنسا دیا، اور کوئی گروہ ایسا نہ تھا جو اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں اُس کی مدد کرتا، اور نہ آپ وہ اپنی مدد کر سکا۔ اور ایسا ہوا کہ صبح کو دوسرے روز جو لوگ ابھی کل اُس کی طرح مالدار ہونا چاہتے تھے یوں کہنے لگے "ہائے افسوس ہم نے بھی کیا آرزو کی تھی۔ اللہ تعالیٰ تو اپنے جس بندے کو چاہتا ہے فراغت سے روزی دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ہم پر احسان نہ ہوتا تو قارون کی طرح ہم کو بھی دھنسا دیتا۔ ہائے افسوس، کافر کبھی پنپ نہیں سکتے۔ (سورۂ قصص)

اس واقعہ میں سچ مچ ہمارے لیے بہت کچھ سامانِ عبرت ہے۔ کاش ہم سمجھیں اور غور کریں۔ چند باتیں اس قصّے سے بطور سبق ہم کو اپنے ذہن میں یاد کر لینا چاہییں:

(۱) مال کو کبھی اپنی ذاتی ملکیت نہ سمجھنا چاہیے، بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطیہ سمجھنا چاہیے۔ اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے، اپنی سعی و تدبیر کا نتیجہ نہ سمجھنا چاہیے۔

(۲) مال حاصل ہو جانے پر شیخی و غرور ہرگز نہ کرنا چاہیے، اللہ تعالیٰ کو یہ بہت ناپسند ہے۔

(۳) مال کے حقوق کا پورا لحاظ کرنا چاہیے، غریبوں اور کمزوروں کو حقیر نہ سمجھنا چاہیے، بلکہ اُن کی ہر طرح امداد کرنی چاہیے۔

(۴) مال کو رسول کے حکم کے مطابق خرچ کرنا چاہیے، کسی حال میں اُن کی مخالفت نہ کرنی چاہیے۔

(۵) دُنیا کا مال و منال، جاہ و حشمت یہ سب فنا ہو جانے والی چیز ہے۔ ان چیزوں کی طرف کبھی بھی ایک مؤمن کو للچائی ہوئی نگاہ سے نہ دیکھنا چاہیے، بلکہ عملِ صالح کی کوشش کرنی چاہیے۔ اور اُس کے اجر و ثواب کی اُمید اللہ تعالیٰ سے رکھنی چاہیے۔

نقل

جناب نسیمہ خانم صاحبہ

"باجی..... باجی میں آپ کو بہت ہی دل چسپ بات سناؤں" خالدہ نے ہاتھ کتاب پر رکھتے ہوئے کہا۔

"آج شام کو جب میں اوپر گئی تو سڑک پر کیا دیکھتی ہوں کہ ایک نابینا لڑکا چلا آرہا تھا، سامنے اینٹ اور پتھر پڑے تھے، ٹھوکر لگی اور گرپڑا۔ دیکھیے یوں.........." خالدہ نے نقل اُتارتے ہوئے بتایا۔

"صد حیف تمہاری عقل پر خالدہ، تم چھوٹی سے بڑی ہوئیں مگر تمہاری بچپن کی نقلیں اُتارنے کی وہ خراب عادت نہ گئی۔ کئی مرتبہ کہا دیکھو خالدہ کسی کی نقل اُتارنے سے خدا اور اُس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی ناراض ہوتے ہیں اور اُس معذور کا دل بھی دُکھتا ہے۔ تم خود ہی بتاؤ کہ اگر اُس کو معلوم ہوجائے کہ تم اُس کی اس طرح نقل اُتار کر ہنسی مذاق کر رہی ہو تو اُس کے دل سے بددعا کے سوا اور کیا آواز نکل سکتی ہے۔ مگر تم ہو کہ باز ہی نہیں آتیں۔ اور پھر غضب تو یہ ہے کہ نقل کو دل چسپ بات کہا جارہا ہے ــــ توبہ...... توبہ اس لڑکی کو ذرا خدا سے ڈر نہیں لگتا۔" باجی ضرورت سے زیادہ تیز آواز میں کہہ رہی تھیں۔

کھٹ، کھٹ، کھٹ..... کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔

"باجی آپ کے اُستاد صاحب آگئے۔" خالدہ نے کہا۔ ننھے نے جاکر دروازہ کھول دیا۔ اور مولانا صاحب اندر داخل ہوئے۔ تھوڑی دیر تو مولانا صاحب خاموش بیٹھے رہے۔ پھر خالدہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: "بیٹی خالدہ! ادھر آؤ آج میں تمھیں ایک عجب آپ بیتی سناؤں۔"

بی خالدہ نے سمجھا کہ مولانا صاحب معمول کے مطابق کوئی دل چسپ آپ بیتی سنائیں گے۔ کیونکہ وہ جب سے باجی کو پڑھانے آرہے تھے، اپنی زندگی کی مختلف دل چسپ باتیں سنایا کرتے تھے۔ خالدہ اپنی فطرتی شرارت کو چھپانے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے مولانا صاحب کے قریب آبیٹھی ــــ "یہ اُن دنوں کا ذکر ہے جبکہ میرا طالب علمی کا زمانہ تھا۔ حلقۂ درس میں

تقریباً چالیس پچاس طالب علم ہوں گے۔" مولانا صاحب نے آغاز کرتے ہوئے کہا۔

"طالب علمی کے زمانے کے واقعات کا ذکر دلچسپ ہی ہوا کرتا ہے۔" خالدہ نے بہت ہی دلچسپی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"حلقۂ درس میں ایک طالب علم تھا جس کی ٹانگ میں کچھ ایسی خرابی تھی کہ چلتے وقت تھوڑا لنگ معلوم ہوتا تھا۔ اور ہم میں ایک طالب علم تھا جس کا نام شاہد تھا وہ بہت شرارتی اور نقلیں اُتارنے والا تھا، وہ ٹانگ کو اُسی طرح بنا کر چلا کرتا۔ طالب علموں نے کبھی مخالفت نہیں کی۔ اکثر سب ہنستے رہتے، اور وہ نقل اُتارتا رہتا۔ لیکن مجھے ہمیشہ یہ فعل بُرا معلوم ہوا اور میں نے ہمیشہ اس کی مخالفت بھی کی۔"

—— "ہوں" ——

خالدہ نے اس طرح 'ہوں' کی کہ واقعہ کے بیان کی تمام دلچسپی کا خون ہو گیا۔

"وہ طالب علم جس کی یوں نقل اُتاری جاتی تھی ہمیشہ خاموش رہتا۔ لیکن بعض اوقات دیکھا گیا کہ اس کی آنکھوں میں بے اختیار آنسو آ گئے اور اس نے بہت حوصلہ کر کے ضبط کر لیے" —— مولانا صاحب خالدہ کی 'ہوں' سے لاپرواہ ہو کر مسلسل کہتے رہے —— "مجھے اس کی بے بسی پر رحم آجاتا تھا۔ وہ کس قدر دل کڑا کر کے آنسو پی جاتا ہے۔ یہ خیال تڑپا دیتا۔ بے شک وہ ظاہر نہیں کرتا لیکن اس کے دل سے آہیں ضرور نکلی ہیں، اس کے دل کا شیشہ چور چور ہو جاتا ہے۔ میں دل ہی دل میں سوچتا اور پھر اکثر اس کا اظہار کرتے ہوئے رحم کی بھی التجا کرتا۔ لیکن ... ر ... ح ... م ... رحم کو وہاں کون جانتا تھا۔ جبکہ شیطان کا ڈنکا بج رہا ہو۔" مولانا صاحب نے رحم پر خاص طور سے زور دیتے ہوئے کہا ——"ایک دن ہم سب باہر گئے تھے، شاہد ہی اتفاقاً نہیں گیا۔ واپس لوٹے تو دیکھتے ہیں کہ حضرت چارپائی پڑے کراہ رہے ہیں۔ دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ ٹانگ میں ایک پھنسی ہو گئی ہے اس کی وجہ سے بڑی تکلیف ہو رہی ہے۔ آگے بڑھ کے دیکھا تو بالکل معمولی سی پھنسی تھی، سب ہنس دیئے۔" ارے بھئی اتنی سی پھنسی اور یوں واویلا، مرد ہو بھئی مرد" —— یار لوگوں نے طعنے مارتے ہوئے کہا۔

مگر شاہد تمام رات نہ سو سکا اور اس طرح تین رات دن گذر گئے —— سب حیران تھے کہ اتنی سی پھنسی اور اس قدر تکلیف کیا معاملہ ہے۔ "نہیں شاہد کو تکلیف بہت زیادہ ہے۔" سب نے تسلیم کرتے ہوئے کہا۔ چوتھا دن تھا کہ شاہد نے مجھ سے کہا: "دوست میرے والد کو تار دے دو۔" اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ میں نے اُسی وقت جا کر اُس کے والد کو تار دے دیا۔ اُس کے والد اور چچا فوراً چلے آئے اور آتے ہی شاہد کو میو ہسپتال لے گئے —— "آہ کیا انجام تھا شاہد کا" مولانا صاحب نے ایک لمبی اور ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے کہا۔ اور پھر کہنا شروع کیا۔ "جب شاہد ہسپتال سے واپس لوٹا تو اُس کی ٹانگ کاٹی

جا چکی تھی۔ وجہ یہ ہوئی کہ ڈاکٹر صاحبان نے بتایا کہ [illegible] جسم کے اندر اپنا زہر پھیلا رہی ہے اگر ٹانگ [illegible]
پھر جان کی بھی خیر نہیں، مجبوراً یہ منظور کرنا پڑا۔ اور یہ شاہد غریب ہمیشہ کے لیے ٹانگ کھو بیٹھا۔"

تھوڑی دیر خاموشی رہی، سننے والے سبھی متاثر ہوئے۔ پھر مولانا صاحب یوں گویا ہوئے
خالدہ! تم ماشاء اللہ اب سمجھدار ہو، بچہ نہیں ہو۔ میں یہ تو بخوبی جانتا ہوں کہ تم شرارتا
لیکن یہ معلوم نہیں تھا کہ تم نقل بھی یوں اُتارا کرتی ہو۔ آج خلاف معمول وقت جو میں آیا
کھٹکھٹانے سے پہلے تمہیں نقل اُتارنے میں مشغول پایا تو خدائے تعالیٰ سے بہت ڈر
دیکھو بیٹی خالدہ اگر خدا نخواستہ تم اندھی ہو اور راستے میں ٹھوکر کھا کر [illegible]
بتاؤ تمہارے دل پہ اُس وقت کیا گذرے گی۔"

"نہ ...... نہ یوں کسی معذور کی نقل نہ اُتارا کرو۔"

بیٹی جتنے معذور لوگ تم ادھر اُدھر دیکھتی ہو، انھیں اللہ میاں کی طر[ف]
اپنے لیے امتحان اور آزمائش کا سامان سمجھو۔ اللہ تعالےٰ تمہارا امتحا[ن]
چاہتا ہے کہ تم انھیں دیکھ کر ان پر رحم کھاتی ہو یا نہیں، اور ان کی حا[لت]
اپنی حالت کا مقابلہ کرکے اُس کا شکر ادا کرتی ہو یا نہیں۔ اور یہ تو وہی
ہے کہ وہ ان معذور لوگوں کو اس کے بعد ہمیشہ رہنے والی زندگی میں
دے گا اور وہاں ان کا درجہ کیا ہوگا؟"

Regd. No. A - 300 "ALHASANAT" RAMPUR, U. P.

इंसान की ज़िन्दगी में सुधार करने के लिये नमाज़ से अच्छा कोई दूसरा तरीका नहीं। इससे अच्छा कोई दूसरा ट्रेनिंग कोर्स (Training Course) ऐसा नहीं जो इंसान की ज़िन्दगी को अच्छाइयों से भर दे। नमाज़ ऐसे इंसान तय्यार करती है, जो समाज का सबसे ज़ियादा क़ीमती सरमाया होते हैं।

इस किताब में नमाज़ का मतलब बताने के साथ साथ यह बताया है, कि नमाज़ का असली फ़ायदा हासिल करने के लिये किस तरह कोशिश की जा सकती है।

स्कूलों के पढ़ने वालों के लिये और कम पढ़े लिखे लोगों के लिये यह किताब बहुत मुफ़ीद रहेगी मूल्य आठ आने ।।)

अलहसनात पुस्तकालय रामपुर (यू०पी०)

حجاب رام پور

عورتوں لڑکوں لڑکیوں کے لئے

چار آنے

جلد ۵ — نمبر ۹

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مہینے میں دو بار شائع ہونے والا

رسالۂ

الحسنات

رام پور

مسلمان گھرانوں کی اصلاح کے لیے بہت مفید ثابت ہوا ہے

مدیر: ابو سلیم محمد عبد الحی

چندہ
سال بھر کے لیے ۲۴ رسالے — پانچ روپے آٹھ آنے
چھ ماہ کے لیے ۱۲ رسالے — تین روپے
فی کاپی — چار آنے

فہرست مضامین

محمد عبد الحی طابع و ناشر نے مرتضٰی برقی پریس رامپور میں چھپوا کر دفتر الحسنات رامپور (یو۔پی) سے شائع کیا۔

احساسات

پچھلے دو رسالوں میں آپ یہ پڑھ چکے ہیں کہ ملک میں سچا امن اور چین قایم کرنے کے لیے فرقہ پرستی کی لعنت کو دُور کرنا کیسا ضروری ہے۔ آخری رسالے میں آپ کو یہ بھی بتایا جاچکا ہے کہ فرقہ پرستی تین باتوں سے پیدا ہوتی ہے۔ یعنی:

(۱) انسانوں کا خدا سے بےتعلق اور بے نیاز ہوجانا،

(۲) اس زندگی کے بعد کسی دوسری زندگی کا یقین نہ رکھنا،

اور (۳) قوم پرستی،

آپ کو یاد ہوگا کہ ہم نے آپ سے یہ وعدہ کیا تھا کہ فرقہ پرستی کا صحیح علاج بتانے سے پہلے ہم آپ کو دوسروں کے بتائے ہوئے علاج بتائیں گے۔ اس مرتبہ ہم چاہتے ہیں کہ آپ اُن علاجوں پر غور کریں جو فرقہ پرستی کو دُور کرنے کے لیے عام طور پر تجویز کیے جاتے ہیں۔

---

(۱) سب سے پہلے نیشنلزم کو لے لیجیے۔ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ اگر لوگوں کے دلوں سے یہ خیال نکال دیا جائے کہ وہ الگ الگ قومیں یا فرقے ہیں، تو فرقہ پرستی آپ سے آپ دُور ہوجائے گی۔ اس کے لیے وہ پُوری قوّت کے ساتھ لوگوں کو یہ تعلیم دیتے ہیں کہ اس مُلک کے بسنے والے بس ایک ہی قوم یا نیشن بن جائیں ان کو کسی بُنیاد پر الگ الگ خیال کرنا ایک بڑی غلطی ہے۔ سب لوگ جو اس ملک میں بستے ہیں ایک ہی قوم کے لوگ ہیں۔

ہمارے نزدیک یہ علاج نہ تو کارگر ہے اور نہ آسان۔ جب تک کچھ لوگوں کے خیالات ایک جیسے نہ ہوں، اور ان کے پسند کرنے اور ناپسند کرنے کی باتیں بھی ایک ہی نہ ہو جائیں، ان کو کسی ایک ہی وطن میں بسنے کی وجہ سے آپس میں ملا کر ایک قوم بنادینا کچھ آسان نہیں ہے۔ فرض کیجیے میں ایک بات کو پسند کرتا ہوں ا

آپ ناپسند کرتے ہیں، اور صرف اتنا ہی نہیں بلکہ آپ میرے پسند کرنے کو بھی ناپسند کرتے ہیں اور کسی طرح یہ برداشت نہیں کرسکتے کہ میں اپنی پسند پر قایم رہوں تو چاہے ایک تک نہیں ایک کمرے میں ہی ہم دونوں کیوں نہ رہنے لگیں ہمارا مل کر ایک ہوجانا ممکن نہ ہوگا۔ انسانی زندگی کے لیے کچھ باتیں بُنیاد کا درجہ رکھتی ہیں، جب تک ان بُنیادوں پر لوگوں میں اتفاق نہ ہوجائے انھیں ملا کر ایک قوم نہیں بنایا جا سکتا۔ اب اگر یہ بُنیادیں بہت زیادہ مختلف ہیں تو اس وقت تک کوئی متحدہ قومیت نہیں بن سکتی جب تک یا تو کوئی زبردست گروہ دوسرے کمزور گروہ کو بالکل اپنے رنگ میں نہ رنگ لے، یا پھر اپنے میں سے نکال کر پھینک دے۔

اس سے پہلے آپ پڑھ چکے ہیں کہ فساد کی اصلی جڑوں میں سے ایک جڑ انسان کا خدا سے بے نیاز ہوجانا ہے۔ اس لحاظ سے نیشنلزم کو بھی فساد کی جڑ ہی سمجھیے۔ یہ بھی انسان کو خدا سے بے نیازی ہی سکھاتا ہے۔ نیشنلزم کے ماننے والے بھی اپنی زندگی کے معاملات کو خدا سے علیحدہ رکھتے ہیں ——— اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ ہمارے ملک میں پورا نیشنلزم قایم ہو سکتا ہے اور ملک کے سب باشندے ایک ہی قومیت میں جذب بھی ہو سکتے ہیں تب بھی ہماری نظر میں نیشنلزم فساد کا علاج ثابت نہیں ہو سکتا۔

ہمیں معلوم ہے کہ اس لحاظ سے جرمنی اور برطانیہ کا نشینلزم بالکل پکا تھا۔ وہاں سارے ملک کے لوگ ایک متحد قوم بن گئے تھے۔ اگر نیشنلزم کے قایم ہوجانے کے بعد ملک کے اندر فساد نہیں ہوا تو کیا ہوا آپ نے دیکھ لیا کہ اسی نیشنلزم کے نتیجے میں سارے ملک کو جنگ کی آگ میں کودنا پڑا۔ اور اس طرح دو قوموں کے ٹکراؤ سے جو فساد برپا ہوا اُس نے ایک ملک کے ہی نہیں بلکہ ساری دُنیا کے امن کو برباد کردیا۔ پچھلی دو بڑی لڑائیاں قوموں کے اسی طرح ٹکرانے کا ہی نتیجہ تو تھیں۔

فساد کی دوسری جڑ یہ ہے کہ انسان اس زندگی کے بعد کسی دوسری زندگی کا یقین نہ رکھے اور کسی قسم کی پوچھ گچھ کی اسے فکر نہ ہو، وہ اپنے معاملات میں بالکل بے لگام ہو، جو کچھ اُس کی سمجھ میں اس کے اپنے لیے مُفید نظر آئے وہی کرتا رہے حق اور انصاف، سچ اور جھوٹ، ایمان داری اور بے ایمانی کے چکر میں نہ پڑے ———

اس اعتبار سے بھی نیشنلزم فساد کی کوئی روک تھام نہیں کرسکتا، وہ انسان کے س
اس سوال کو آنے ہی نہیں دیتا کہ موت کے اُدھر بھی کچھ ہے یا نہیں ؟ وہ صرف
دُنیا کے مادی نفع نقصان سے بحث کرتا ہے۔ اس لیے ہمارے نزدیک بدامنی اور فس
کے علاج کے طور پر نیشنلزم بالکل مفید نہیں ہوسکتا۔

رہ گیا قوم پرستی کا معاملہ جو ہماری نظر میں فساد کی تیسری بڑی جڑ ہے۔ تو نیشنلز
قوم پرستی کا ہی تو دوسرا نام ہے اور سچ پوچھو تو دُنیا کے ہر چھوٹے اور بڑے فس
میں اس قوم پرستی کا ہاتھ ضرور ہوتا ہے۔ یہی وہ لعنت ہے جس نے آج انسانیت
کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے۔

آپ بھی اگر اس طرح غور کریں گے تو یہ بات مان لیں گے کہ نیشنلزم کو فساد
علاج تو کسی طرح نہیں کہا جا سکتا، بلکہ یوں کہیے کہ فساد کی ایک دوسری شکل کا نا
نیشنلزم ہے، اور اس نیشنلزم یا قومیت کی بُنیاد پر جو فساد ہوتے ہیں وہ تباہی
اور ہلاکت میں دوسرے تمام فسادوں سے کہیں زیادہ بڑھ چڑھ کر ہوتے ہیں

کچھ لوگوں نے بدامنی اور فساد کی روک تھام کے لیے یہ علاج بھی پیش کیا
تھا کہ اس مُلک میں دو قوموں کے حقوق کو بالکل الگ الگ تسلیم کرلیا جائے اور
اُن کو ملا کر ایک قوم بنانے کے بدلے ان کے ساتھ جُدا جُدا دو قوموں کا سا معاملہ
کیا جائے۔ اسی خیال کے لوگوں نے فساد کی روک تھام کے لیے اور ایک قوم کے حقوق کے
تحفظ کے لیے پاکستان کا مطالبہ پیش کیا تھا۔ اس وقت ان کا کہنا یہ تھا کہ پاکستان
بن جانے کے بعد دونوں قومیں اپنے اپنے علاقوں میں حکومت کرنے اور اپنے مفادات
کی حفاظت کرنے کے لیے بالکل آزاد ہوں گی، اور پھر کسی قسم کے لڑائی جھگڑے کی نوبت
نہ آئے گی ــــــ لیکن جہاں تک فساد کے روکنے کا تعلق ہے یہ ترکیب تو اس قدر
غلط ثابت ہوئی کہ اس پر عمل ہوتے ہی فساد کا ایک بہت بڑا طوفان اُٹھ کھڑا ہوا
اور انسانوں کے ہاتھوں وہ ظلم ہوئے جن کی مثال پوری انسانی تاریخ میں بھی مشکل سے
بات وہی ہے۔ اگر آپ بیماری کا اصل سبب معلوم کیے بغیر علاج کریں گے تو یوں ہی
غلطیاں ہوتی رہیں گی۔ اس طرح ہر ہر قوم کے حقوق کی الگ الگ حفاظت سے مستقل بدہ

اور فساد کا علاج نہیں ہو سکتا۔ قوم پرستی کا تقاضا ہی یہ ہے کہ اپنے اور اپنی قوم کے فائدوں کے لیے ہر طرح کی زیادتی اور ظلم کی اجازت دی جائے اور دوسری قوم کے نقصان اور تکلیف کا کوئی خیال نہ کیا جائے۔ قوم پرستی کا نشہ انسان کو خدا اور آخرت دونوں سے بے نیاز کردیتا ہے۔ جب زندگی کے معاملات خدا سے بے پروا ہوکر، اور آخرت کے بدلے اور انجام سے آنکھیں بند کرکے پورے کیے جاتے ہیں تو نتیجے میں سوائے خود غرضی، قوم پرستی، اور فساد کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

یہ حالت تو اُس وقت کی تھی جب ہندوستان تقسیم نہیں ہوا تھا۔ اب تو کسی طرح یہ گنجائش باقی نہیں رہی ہے کہ قوم پرستی کے طریقوں پر کام کرکے کامیابی کی کوئی اُمید لگائی جائے۔ لیکن چونکہ عرصے سے صحیح بات لوگوں کے سامنے آئی نہیں ہے، اس لیے وہ لوگ جو نیشنلزم کو پسند نہیں کرتے اور کسی ایک قوم میں جذب ہوجانے کے لیے تیار بھی نہیں ہیں۔ مجبوراً پھر کچھ اسی انداز پر سوچتے ہیں ــــــــــ لیکن اس سے مسلمانوں کی مشکلیں کچھ بھی کم نہ ہوں گی بلکہ اُلٹی بہت زیادہ بڑھ جائیں گی۔ قومی حقوق، قومی تحفظ اور قومی ترقی کے نعرے اگر پہلے غلط تھے تو اب مُہلک ہیں اور کسی طرح بھی مسلمانوں کی مشکلوں کا حل نہیں ہیں۔

ان دو حلوں کے علاوہ کچھ حل اور بھی پیش کیے جاتے ہیں جو ہماری نظر میں صحیح حل نہیں ہیں۔ ان کا تذکرہ انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ رسالے میں کریں گے ــــــــــ خدا کرے آپ ان سب باتوں کو اچھی طرح سمجھ کر یاد رکھ سکیں +

(باقی)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْقُرٰى نَقُصُّهٗ عَلَيْكَ مِنْهَا قَآئِمٌ وَّحَصِيْدٌ ۝ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَمَآ اَغْنَتْ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِيْ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ لَّمَّا جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ؕ وَمَا زَادُوْهُمْ غَيْرَ تَتْبِيْبٍ ۝

(سورۂ ہود۔ رکوع ۸)

یہ چند بستیوں کی سرگزشت ہے جو ہم تمھیں سُنا رہے ہیں۔ ان میں سے بعض اب بھی کھڑی ہیں اور بعض کی فصل کٹ چکی ہے۔ ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا، انھوں نے آپ ہی اپنے اوپر ستم ڈھایا۔ اور جب اللہ کا حکم آگیا تو ان کے وہ معبود جنھیں وہ اللہ کو چھوڑ کر پکارا کرتے تھے ان کے کچھ کام نہ آ سکے، اور اُنھوں نے ہلاکت و بربادی کے سوا اُنھیں کچھ فائدہ نہ دیا۔ (تفہیم القرآن)

تشریح

(۱) پچھلے تاریخی واقعات میں ہمارے لیے بڑی نصیحت ہے۔ ان باتوں کو محض چند حالات کا مجموعہ سمجھنا غلطی ہے۔ ان واقعات سے مختلف قوموں کے گرنے اور اُٹھنے کا پتہ چلتا ہے اور اگر ان حالات پر غور کیا جائے تو سمجھ میں آجاتا ہے کہ قوموں کا یہ گرنا اور اُٹھنا یوں ہی اَلل ٹپ

نہیں ہوتا ہے کہ بلا وجہ اور بلا سبب کوئی قوم ترقی کرجائے اور بغیر کسی وجہ کے یوں ہی آپ سے آپ کچھ دنوں بعد گرنے لگے اور آخر کار اس کا نام و نشان مٹ جائے۔ تاریخ کے ان واقعات پر نظر ڈالنے سے ایک بات صاف صاف دکھائی دیتی ہے وہ یہ کہ قوموں کے اُبھرنے اور مٹنے میں کچھ اخلاقی قوانین کو دخل ہے۔ جب کسی قوم میں ایک خاص قسم کے اخلاق اور عادات پیدا ہوتے ہیں اسے ترقی نصیب ہوتی ہے اور جب وہ قوم ان اخلاق اور ان عادات سے خالی ہوجاتی ہے تو اسے ترقی کے میدان کو چھوڑنا ہی پڑتا ہے۔

قرآنِ کریم میں کچھ قوموں کا حال نمونے کے طور پر ذکر ہوا ہے۔ ان میں سے اکثر ان ہی قوموں کا ذکر ہے جن کو عرب والے پہلے سے جانتے تھے۔ ان واقعات کی طرف اشارہ کرکے قرآنِ پاک اُن اخلاقی قوانین کی طرف لوگوں کو متوجہ کرنا چاہتا ہے جو انسانوں کی ترقی اور تنزل کے سلسلے میں کام کرتے رہتے ہیں۔

اس سورۃ میں چند واقعات ایک جگہ جمع کردیے گئے ہیں۔ اور ہر ہر واقعہ کے ساتھ ان اسباب کو کھول کھول کر بتایا ہے جن کی وجہ سے مختلف قوموں کو اچھے یا بُرے دن دیکھنا پڑے۔ یہ تفصیل آپ الگ الگ واقعات کے ساتھ پڑھ چکے ہیں۔

(۲) تاریخی واقعات میں ہمارے سامنے دونوں قسم کی قوموں کے حالات آتے ہیں۔ وہ بھی جو ابھی موجود ہیں اور اپنے غلط کاموں کے نتیجے کے طور پر مصیبتیں جھیل رہی ہیں۔ یعنی یہ کہ اُنھوں نے جو کچھ بُویا ہے اُسے کاٹ رہی ہیں اور وہ بھی جو اپنے کرتوتوں کی وجہ سے دُنیا سے مٹ چکی ہیں اور اب سوائے ان کی کہانی کے اور کچھ بھی باقی نہیں ہے۔ یعنی یہ کہ انھوں نے جو کھیتی بوئی تھی وہ کٹ چکی ہے اور اب اُس کا نتیجہ سب کے سامنے ہے۔

(۳) ان تاریخی واقعات کو دیکھ کر آپ یہ بھی فیصلہ کرسکتے ہیں کہ دُنیا کا یہ سارا انتظام یوں ہی اندھا دُھند نہیں چل رہا ہے بلکہ یہاں کچھ قاعدے

اور ضابطے ہیں، جو کوئی ان قاعدوں اور ضابطوں سے ہٹ کر چلنا چاہتا ہے وہ فنا کردیا جاتا ہے اور جو کوئی ان کے مطابق زندگی بسر کرتا ہے وہ باقی رہتا اور ترقی کرتا ہے ـــــــ سمجھ داروں کو یہی بات مجبور کرتی ہے کہ وہ اس کائنات کا ایک مالک اور حاکم تسلیم کریں، ایسا حاکم جو انصاف کرتا ہے اور جس کی حکومت میں بلا وجہ نہ کسی کو دکھ پہنچتا ہے اور نہ نعمتیں بل جاتی ہیں۔ جو قومیں ترقی کرنے کے بدلے برابر گرتی ہی رہتی ہیں اور آخرِ کار فنا ہوجاتی ہیں، ان کو مظلوم نہیں کہا جاسکتا بلکہ وہ ظالم ہوتی ہیں وہ خود اپنے اوپر یہی سب سے بڑا ظلم کرتی ہیں کہ وہ اس کائنات کے حاکم کے قاعدوں اور ضابطوں سے منھ موڑ لیتی ہیں اور ان اخلاقی قوانین کی طرف سے آنکھیں بند کرلیتی ہیں جو انسانوں کی ترقی کے لیے ضروری ہیں۔

(۴) اس کُل کائنات کا رب ایک ہی ہے۔ وہی مالک ہے اور وہی منتظم، یہ بات قوموں کے ان تاریخی واقعات سے بھی ثابت ہوتی ہے۔ بہت سی قوموں نے اس ایک اکیلے مالک کو چھوڑ کر دوسروں کی بندگی اور غلامی اختیار کرلی تھی۔ جب ان کے کرتوتوں کی وجہ سے اللہ کے عذاب نے انھیں گھیر لیا تو اللہ کے علاوہ جن جن کی غلامی اور پرستش میں یہ لوگ پھنسے ہوئے تھے وہ ان کے کچھ بھی کام نہ آئے، اور انھیں اپنے اعمال کے نتیجے بھگتنا ہی پڑے ـــــــ سمجھ دار لوگ ان حالات کو دیکھ کر یہ فیصلہ کرسکتے ہیں کہ در اصل اس دُنیا کا خدا ایک ہی ہے اور اُسی کے قاعدوں اور ضابطوں کے مطابق یہاں کا انتظام ہو رہا ہے۔ جو ان ضابطوں کی پیروی کرتے ہیں وہ پھولتے اور پھلتے ہیں اور کوئی نہیں جو ان کی ترقی کو اپنے اختیار سے روک دے۔ اور جو لوگ ان ضابطوں کی خلاف ورزی کرتے ہیں وہ تباہ و برباد ہوکر رہتے ہیں اور کوئی نہیں جو انھیں ان کے کاموں کے اس بُرے نتیجے سے بچا سکے۔

جناب محمد نیاز صاحب

اللہ تعالیٰ
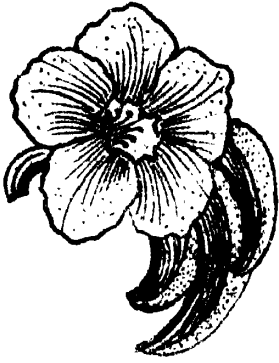
سب سے برتر سب سے اونچا دُنیا بھر سے اعلیٰ
سب کا مالک سب کا حاکم ایک اللہ تعالیٰ

سب کا مولیٰ سب کا آقا سب کا ایک نگہباں
سب کا خالق سب کا رازق گورا ہو یا کالا

اندھوں لنگڑوں لولوں کا اور کمزوروں کا حافظ
اونٹ سے لے کر چیونٹی تک ہر ہر شئے کا رکھوالا

محتاجوں کا داتا سارے داتاؤں کا داتا
کمزوروں کا والی سارے بالاؤں سے بالا

رب کی مرضی جس کو دیدے غربت جس کو دولت
جس کو دیدے ٹاٹ کی چادر جس کو شال دوشالا

بجلی چمکے بادل گرجے رِم جھم پانی برسے
وہ چاہے تو ایک ہی پل میں بھر دے ندی نالا

سُورج چمکے دھرتی دہکے گرمی تاؤ دکھائے
حکم بِن اُس کے ذرّہ ذرّہ تک نہیں ہلنے والا

اُس کا اشارہ پا کر گرمی جائے جاڑا آئے
شبنم ٹپکے برف گرے اولا برسے اور ژالا

حکم سے اُس کے چھا جاتی ہیں کالی کالی راتیں
حکم سے اُس کے ہوتا ہے سنسار اُجالا

سب سے برتر سب سے اونچا دُنیا بھر سے اعلیٰ
سب کا مالک سب کا حاکم ایک اللہ تعالیٰ

جنابہ سعیدہ اقبال صاحبہ
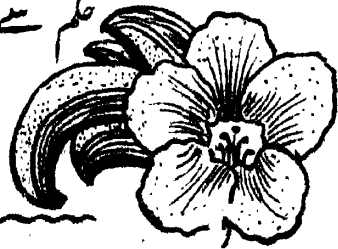
سچّی کامیابی

آج تو گگی کی پتنگیں دیکھ کر نذیر کی آنکھوں میں آنسو چھلکنے لگے: "کاش میرے ماں باپ بھی زندہ ہوتے۔" اس نے ٹھنڈی آہ بھر کر کہا۔ پھر میں بھی کنکوے اُڑاتا، گگی کے پاس ایک درجن کے قریب پتنگ، اور ڈور کی اتنی موٹی ریل! ابھی اس کا کنکوا آسمان سے باتیں کرے گا۔ اور میں..... میں یہاں کھڑا اس کا مُنھ دیکھتا رہوں گا۔"

"نذیر دیکھ میری ڈور کتنی مضبوط ہے، ابھی کاٹ کر رکھ دے گی سب کو۔" گگی خوشی سے چلّایا، ابھی پانچ روپے کی خرید کر لایا ہوں۔"

"پانچ روپے کی!" نذیر نے مُنھ میں اُنگلی دبالی۔" اور پتنگیں کتنے کی ہیں؟" اس نے غیر ارادی طور پر پوچھا۔" یہ بھی پانچ روپے کی ہیں بچو! کیا سمجھے: پانچ روپے کی۔ مجھے...... کل...... دس...روپے...کا...... نوٹ...... ملا...... تھا...... دس روپے ...... کا گگی نے ایک پتنگ کو ڈور باندھتے ہوئے رک رُک کر کہا۔

"دس روپے کے پتنگ اور ڈور!" نذیر کی آنکھوں میں حسرت کے آنسو تیرنے لگے: "کاش" اور وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے گگی کی پتنگ کی طرف دیکھنے لگا۔

"نذیر یار ذرا پتنگ کو پکڑ کر دُور چلو اور وہاں سے ہوا میں چھوڑ دو تاکہ میں آسانی سے اُڑا سکوں" گگی نے ذرا فخر سے کہا۔ نذیر نے اس کا پتنگ ہاتھ میں پکڑ لیا اور چلنے لگا۔ "کتنا بڑا پتنگ ہے۔" اس نے اُلٹ پلٹ کر دیکھتے ہوئے کہا۔ "اوپر پاکستان زندہ باد بھی تو لکھا ہے...... اگر یہ مجھے مل جائے تو! ...... یہ کیسے ہو سکتا ہے...... مگر کیوں؟ ...... اگر میں اسے توڑ کر بھاگ جاؤں تو گگی میرا کیا بگاڑ سکتا ہے۔ اوہو......" یہ خیال آتے ہی خوف سے اس کے ہاتھ کانپنے لگے۔ گگی چلّا رہا تھا کہ اب ٹھیر جاؤ اور پتنگ چھوڑ دو، مگر نذیر

اپنی دُھن میں بڑھاہی چلا جا رہا تھا۔" مالکن کہتی تھی دھوکا دینے والا انسان دوزخ میں جاتا ہے..... پھر..... میں کیوں اسے دھوکا دے کر پتنگ لے بھاگوں؟ کیا پتہ بہشت میں اللہ میاں مجھے کتنے پتنگ دیں؟ اگر میں یہاں ایک پتنگ کے لیے اسے دھوکا دوں تو پھر میرے سارے پتنگ مجھ سے چھین لیے جائیں۔ مالکن مجھے کتنی اچھی اچھی باتیں بتاتی ہے..... مگر پتنگ..... ہاں پتنگ نہیں اُڑانے دیتی کہتی ہے تو خراب ہو جائے گا' آوارہ بن جائے گا' فضول خرچ بن جائے گا' تیری صحت خراب ہو جائے گی۔ ہاں بمبئی میں مہاجر جو ہوا۔ ان کا اپنا بیٹا ہوتا پھر تو کوئی بات بھی تھی۔" اور گگی کے دھکّے نے اُسے چونکا دیا۔" اُلّو کا پٹھا بات ہی نہیں سُنتا۔" وہ چلایا اور نذیر سے پتنگ چھین لیا۔" گگی نے مجھے گالی دی ہے۔" نذیر بڑبڑایا۔" مالکن کہتی تھی تم گندے بھی بن جاؤ گے اور گالیاں بھی دینے لگو گے۔ ٹھیک ہی تو ہے! اب گگی جتنے زیادہ پتنگ اُڑاتا ہے اُتنی زیادہ گالیاں بھی دیتا ہے۔ میں نے تو کبھی کسی کو گالی نہیں دی۔ مالکن کہتی تھی' جو گالیاں دیتا ہے وہ اللہ میاں کو ناراض کرتا ہے' میں تو اپنے اللہ میاں کو کبھی بھی ناراض نہ ہونے دوں گا۔ اس طرح تو میں دوزخ میں پھینک دیا جاؤں گا۔" وہ یہی سوچ رہا تھا کہ گگی زور سے چلایا۔" وہ کاٹا" خوشی سے نذیر کا دل دھڑکنے لگا۔ "اب یہ پتنگ پکڑ لوں گا" مگر اس کے سامنے اتنے اتنے لمبے تڑنگے لڑکے پتنگ کے پیچھے بھاگ رہے تھے کہ اگر وہ ان میں چلا جاتا تو کسی کے پاؤں کے نیچے آجاتا۔ وہ آہستہ آہستہ گگی کے پاس آگیا۔" گگی یہ مانجھا بڑا تیز ہے۔" اس نے اشتیاق سے پوچھا۔" ہاں" گگی نے آنکھیں مٹکا کر کہا۔" کہاں سے لی تھی؟" "ارے یار دُکان سے۔" "اتنے پیسے کہاں سے لیے؟" "اس کی نہ پوچھو' کہیں سے مل ہی گئے۔" "پھر بھی؟" نذیر نے رازدارانہ لہجے میں پوچھا۔" پھر بھی یہی کہ کہیں سے مل گئے۔" گگی نے پتنگ کو ٹھمکی دیتے ہوئے کہا۔" تمھیں بھی طریقہ بتاؤں' مگر پھر آدھے پتنگ میرے۔" "مگر پیسے کہاں سے لاؤں؟ میرے پاس تو ایک دھیلہ بھی نہیں۔" نذیر نے کہا۔" مالکن تمھیں تنخواہ نہیں دیتی" گگی نے ہنس کر پوچھا۔" تنخواہ۔" نذیر نے دُہرایا۔" تنخواہ کسے کہتے ہیں' وہ مجھے اپنے گھر میں رکھتی ہے کھانا کھلاتی ہے' کپڑے پہناتی ہے' رات کو کہانیاں سُناتی ہے

ز ایک آنہ دیتی ہے، جس کی میں کوئی اچھی سی چیز خرید کر کھا لیتا ہوں، کبھی کبھی
رات بھی کر دیتا ہوں۔"
"ارے بدھو یہ تو ہوا مگر اتنا تو سوچو، تم سارا دن اس کا کام بھی تو کرتے
د، بازار سے سودا لاتے ہو، گھر کی صفائی کرتے ہو، آخر ان کے پیسے بھی تو ملنے
ا ہییں۔"
"مالکن کہتی تھی، میں ہر مہینے تمھارے کچھ روپے جمع کرتی جاتی ہوں، پھر جب
ت سے روپے ہو جائیں گے تو تم کوئی اچھی سی چیز خرید لینا۔"
"ہوں! تو یہ بات ہے" گگی نے کہا: "تمھاری مالکن بڑی چالاک عورت...
....." "خاموش" نذیر کی آنکھیں غصّے سے سُرخ ہو گئیں۔ "میری اچھی مالکن کو کچھ
کہنا۔"
"ارے چھوڑو ان باتوں کو، آؤ تمھیں پتنگ حاصل کرنے کا طریقہ بتاؤں"
ں نے بے شرموں کی طرح ہنس کر کہا: "جب تم بازار سے چیزیں لینے جاؤ.....
ں ہی ہی ہی..... تو ہر ایک سودے میں سے ایک ایک دو دو پیسے
چا لیا کرو، بس چند دنوں میں کتنے ہی پیسے ہو جائیں گے، پھر..... ہم.....
...... اور پتنگ۔" "یہ تو دھوکا ہوا" نذیر نے خوف زدہ ہو کر جواب دیا۔
لکن کہتی تھی دھوکا دینے والا انسان بڑا بُرا ہوتا ہے۔" "ارے جانے دو
لکن کی باتیں مجھے دیکھو میں کوئی بُرا ہوں؟" نذیر کا دل کہہ رہا تھا کہ تم بہت
ہو مگر زبان سے بے اختیار نکل گیا۔ "نہیں تو۔" گگی نے قہقہہ لگایا: "میں ہی تو
لوگوں کو دھوکا دیتا رہتا ہوں۔" "تو یہ دس روپے بھی تم نے سودے کے
پیسوں میں سے رکھے ہوں گے؟" نذیر نے دو قدم پیچھے ہٹتے ہوئے کہا۔
"ارے ذرا آگے آ جاؤ ڈر کیوں رہے ہو، یہ تو میں نے ایک اور طریقے
سے حاصل کیے ہیں، کل امی اپنا بٹوہ الماری میں رکھ کر بھول گئیں، میں نے چپکے سے
نوٹ نکال لیا، اور چھپا لیا، امی کو جب معلوم ہوا کہ نوٹ غائب ہے تو انھوں نے
نوکروں کو ڈانٹا، میں نے بھی الزام انھیں کے سر تھوپ دیا۔ اور خود دس روپے
لے چمپت ہوا..... ہاں دیکھی میری عقلمندی؟" اس نے ایک اور منحوس قہقہہ لگایا

اور نذیر نے محسوس کیا جیسے اس کے چاروں طرف بدروحیں ناچ رہی ہیں۔" چوری"۔ وہ چلا اٹھا۔ "پھر جھوٹ، بے گناہوں پر الزام ..... نہیں نہیں، نہیں، تم نے چوری کی ہے، مگر میں ایسا نہیں کروں گا۔ اوہو، اللہ میاں کو ناراض کروں، ایک کاغذ کے بدلے، یہ کبھی نہیں ہوگا، یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ مالکن کہتی تھی چوری کرنے والے لوگ آگ میں ڈالے جائیں گے۔"

"ارے تیری مالکن نے تو تجھے پاگل بنا دیا ہے، اللہ میاں کوئی ایسے ہیں کہ ذرا ذرا سی باتوں پر ناراض ہونے لگیں، اور اس کا علاج بھی تو ہے ... پیسے لے لیا کریں، پتنگ خریدنے کے بعد توبہ کرلیا کریں۔ سمجھے؟ کیا سمجھے؟ خاک سمجھے! ارے بدھو نذیر! نیلے پیلے پتنگ، پکّی سے پکّی ڈور، سب کی کاٹ کاٹ کر رکھ دیں گے، ہاں آسمان سے باتیں کریں گے ہمارے پتنگ، اور پھر بعد میں معافی مانگ لیں گے۔ اللہ میاں تو فوراً معاف کر دیتے ہیں، اچھے جو ہوئے!"

"اللہ میاں فوراً معاف کر دیتے ہیں، یہ تو ٹھیک ہے"۔ نذیر نے دل میں سوچا۔ "مالکن کہتی تھی اللہ میاں بڑے مہربان اور بخشنے والے ہیں، وہ کہتی تھی یہ بات قرآنِ پاک میں، کئی جگہ لکھی ہوئی ہے، پھر تو بالکل سچّی ہے نا! ..... تو پھر چوری کرنے میں کیا حر..... ج ..... نہ نہ نہ میں چوری نہیں کر سکتا۔"
گگی اس کی حالت کا بغور مطالعہ کر رہا تھا۔ اسے یقین تھا کہ اس کی چالاکی کارگر ثابت ہوگی۔ "کیوں نذیر کیا سوچ رہے ہو دیکھو ذرا میرا پتنگ یہ آٹھ آنے کا ہے، اور یہ بارہ کنکوے چار چار آنے کے ہیں، اور یہ... یہ اتنا بڑا پتنگ بتاؤں کتنے کا ہے، پورے ڈیڑھ روپے کا..... ہاں ..... دیکھا تم نے اب میں نے اللہ میاں کے آگے توبہ بھی کرلی ہے۔" "ڈیڑھ روپے کا" نذیر نے زور سے دُہرایا، اس کی موٹی موٹی آنکھیں خوشی سے چمک اٹھیں: "میں... میں ضرور..... ضرور تمہارا کہنا مانوں گا..... اور ضرو..... اوہو" اس کی زبان خود بخود رُک گئی، آنکھیں پھیل گئیں، اور وہ ٹکٹکی لگا کر گگی کو دیکھنے لگا جس کی آنکھوں میں شیطانی کامیابی کی خوشی ناچ رہی تھی۔ "شاباش" وہ مسکرایا۔

"مالکن کی نظر بچا کر کچھ پیسے لے آؤ، میں تمہارا انتظار کرتا ہوں۔"
نذیر ڈر، خوف، اور خوشی کے ملے جُلے جذبات لیے گھر میں داخل ہوا۔ آج وہ ایک ایسا کام کرنے آیا تھا جو اس نے پہلے کبھی نہیں کیا تھا، مگر پھر رنگ بہ رنگ کے پتنگ اس کے سامنے ناچنے لگے۔ اس نے ڈرتے ڈرتے باورچی خانے کی طرف دیکھا، وہ آہستہ آہستہ قدم اُٹھانے لگا۔ اچانک مالکن کسی کام کے لیے باہر نکل آئی، نذیر کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ "چلو نذیر کھانا کھالو۔" مالکن نے محبت سے کہا۔ "مجھے بھُوک نہیں ہے۔" نذیر نے ڈرتے ڈرتے جواب دیا۔ "تمہارا رنگ کیوں اتنا پیلا ہوگیا ہے نذیر۔" مالکن نے فکرمند لہجے میں کہا۔ "کہیں دَرد تو نہیں ہو رہا ہے..... بولتے نہیں..... ارے میں کہتی ہوں یہ تمھیں کیا ہوتا جا رہا ہے۔" مالکن اسے اُٹھا کر کمرے میں لے گئی، نذیر خوف سے تھر تھر کانپ رہا تھا، وہ اسے چارپائی پر لٹا کر چاء لینے باورچی خانے میں چلی گئی۔ "میری مالکن کتنی اچھی ہے! اسے کیا پتہ مجھے چوری کی بیماری ہے مگر خیر یہ موقعہ اچھّا ہے، مجھے اس کے آنے سے پہلے پہلے المارِی میں سے پیسے نکال لینے چاہییں۔" یہ سوچتے ہی وہ اُٹھا اور جھٹ دھڑکتے ہوئے دل سے المارِی کھولی، قسمت دیکھیے، سامنے ہی دس روپے کا نوٹ پڑا ہوا تھا۔ نذیر نے جلدی سے اسے جیب میں ڈالا اور جھٹ چارپائی پر جا لیٹا۔ عین اُسی وقت مالکن چاء لیے کمرے میں داخل ہوئی۔ نذیر کا ضمیر اسے ملامت کر رہا تھا، مگر وہ ضمیر کی آواز دبانے پتنگوں کے خیال میں کھو جانا چاہتا تھا۔ اس نے غَٹ غَٹ چاء پی اور باہر کی طرف جانے لگا، مالکن نے بُہتیرا روکا مگر وہ آدھ گھنٹے کی چھُٹی لے کر چلا ہی گیا۔ مالکن اسے روپے اُٹھاتے ہوئے دیکھ چکی تھی، مگر وہ خاموش رہی تاکہ کسی اچھّے وقت ان کا ذکر کرکے اس کو بُرائی سے بچا سکے —— نذیر پیسے لے کر گلی کی طرف بھاگنے لگا، جوں جوں وہ قدم آگے بڑھاتا ایک نامعلوم آواز اسے پیچھے پکارتی۔ "نذیر واپس آجاؤ، یہ پیسے وہیں رکھ دو، تم چوری کر رہے ہو، اللہ میاں ناراض ہوجائیں گے..... گ پھر کنکوّے..... وہ بڑھتا ہی گیا۔ گلی ابھی تک پیچ لڑا رہا تھا۔ "اب تو میں بھی

پیچ لڑاؤں گا۔" اس نے سوچا۔" مضبوط ڈور لاؤں گا۔ گگی کی بھی کاٹ کر رکھ دوں گا۔" اس کا مَن خوشی سے ناچ اٹھا۔" گگی میں لے آیا، دس روپے۔" وہ دُور ہی سے چلّایا۔" سچ مچ" گگی نے تعجب سے دُہرایا۔ اور دس روپے کا نوٹ دیکھ کر اس نے جلدی سے اپنا پتنگ نیچے اُتار لیا۔" چلو میں خود تمھیں اچھے اچھے پتنگ اور بہترین قسم کی ڈور لا دوں" اور نذیر اس کے ساتھ چلنے لگا۔ راستے میں گگی کی باتیں گرچہ اسے خوش کر رہی تھیں۔ مگر وہ حقیقی خوشی نہ تھی۔ گگی کہہ رہا تھا: "واللہ نذیر تم تو غضب کے لڑکے ہو، میں تو دو ہفتوں میں بھی یہ کام نہ کر سکا، جو تم نے آدھ گھنٹے میں کر دکھایا، یعنی تم تو مجھ سے بھی نمبر لے گئے ہو اس چالاکی اور ہوشیاری میں تو تم جیتے، میں ہارا۔"

" میں جیتا" نذیر نے دل میں دُہرایا۔" ہاں میں نے بہت بڑا کام کیا ہے۔ میں گگی سے نمبر لے گیا ہوں، میں جیت گیا ہوں، میں چوری کرنے میں کامیاب ہو گیا ہوں، میں جیت گیا ہوں، یہ کام انجام دینے میں سب سے زیادہ نمبر لے گیا ہوں۔ آدھ گھنٹے میں میں نے کیا کر دکھایا ہے۔" اور یہی سوچتا سوچتا وہ دُکان کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ گگی نے چھ روپے کے پتنگ اور چار روپے کی ڈور خرید لی اور نذیر سے پیسے مانگے کہ لاؤ حساب چکا کر واپس چلیں۔ جوں ہی نذیر نے جیب میں ہاتھ ڈالا مالکن کا مہربان چہرہ اس کی آنکھوں میں گھوم گیا وہ کہہ رہی تھی: " نذیر یہ تم کیا کر رہے ہو، دس روپوں کے پیچھے بہشت گنوا کر دوزخ خرید رہے ہو، اللہ میاں کو ناراض کر کے تمھیں کبھی سچی خوشی حاصل نہ ہوگی۔ پتنگ چند دنوں میں پھٹ جائیں گے۔ مگر تمھارا گناہ ....." گگی نے اس کا شانہ ہلا کر کہا: " لاؤ پیسے کیا سوچ رہے ہو۔"

" نہیں نہیں، یہ چوری کے ہیں... میں پتنگ نہیں خریدوں گا، مالکن مجھے بلا رہی ہے، میں بُرا لڑکا نہیں بنوں گا، میں اللہ میاں کو ناراض نہیں کروں گا، اللہ میاں بہشت میں مجھے بڑی اچھی اچھی چیزیں دیں گے، میں جا رہا ہوں، مالکن سے معافی مانگنے..... میں جا رہا ہوں، میں جا رہا ہوں" اور گگی نے اسے روکنے کی بہتیری کوشش کی مگر ایک نامعلوم طاقت اسے دوڑا لے گئی، وہ گھر میں

داخل ہوا۔ مالکن چارپائی پر بیٹھی کچھ بُن رہی تھی۔ نذیر نے نوٹ اُس کے آگے رکھ دیا۔ اور سب قصّہ کہہ سنایا۔ پھر سچّے دل سے توبہ کی اور وعدہ کیا کہ آئندہ اپنی ضمیر کی پہلی پکار ہی سُن لیا کروں گا' اور ہر بُرے کام سے بچنے کی کوشش کروں گا۔ نذیر کی دلی کیفیت کا اندازہ لگا کر مالکن کو بہت خوشی ہوئی اس نے دس روپے اسے انعام کے طور پر دیدیے۔ نذیر نے پانچ روپے خیرات کر دیے اور باقی ماں کو جمع کرنے کے لیے دیدیے۔ گگی کی منحوس آواز اس کے کانوں میں آرہی تھی: واللہ نذیر تم تو غضب کے آدمی ہو' تم نے وہ کام آدھ گھنٹے میں کر دکھایا جو میں ہفتوں میں نہ کر سکا۔ ہوشیاری اور چالاکی میں تم جیتے' میں ہارا.....

مگر اصلی جیت تو اس کی اب ہوئی' جب اس نے اپنے بُرے خیالات پر فتح پائی' اپنی ناجائز خواہش کو قابو میں رکھا اور بُرا کام کرتے وقت چونک پڑا اور سیدھے راستے پر چلنے لگا۔ اصلی جیت تو اس کی اب ہوئی۔

اصلی جیت' ہاں وہ کتنا مسرور ہے +

جناب کپتان حیدر علی صاحب حیدر

سردی

حکم رب سے
سردی آئی
تن میں سب کے
ٹھنڈک بھر دی
ٹھنڈی ہوائیں
ہیں اب چلتی
آ ہا آ ہا
ہی ہی ہی ہی
ہو ہو ہو ہو
سی سی سی سی
چھپ جاتا ہے
سورج جلدی
اس کو بھی ہے
سردی لگتی
دن چھوٹے ہیں
راتیں لمبی

دھوم مچاتی
سردی آئی
حکم رب سے
فوراً ڈر کے
گرمی بھاگی!
گرمی بھاگی!!
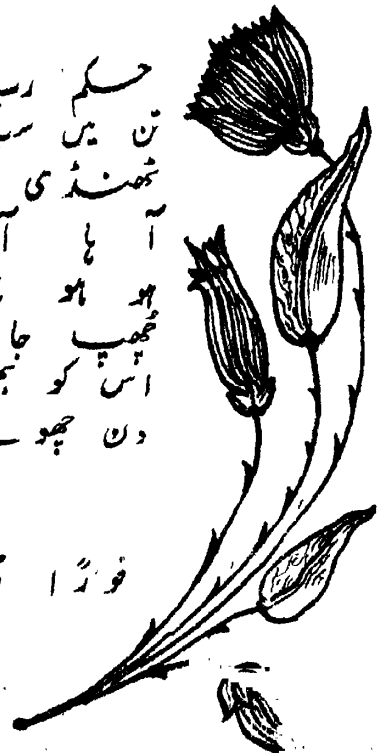
گھاس چرنے والے

سلیم اور نعیم کو سیر کرنے کا بڑا شوق تھا۔ چھٹی کا دن آیا اور انھوں نے حامد بھائی سے شہر کے باہر کہیں میدان میں جانے کو کہا۔ حامد بھائی بھی دونوں کی بات مانتے تھے۔

چھٹی کا دن تھا، اور برسات کی رات۔ بادل گھرا ہوا تھا۔ سلیم اور نعیم نے سیر کو جانے کے لیے کہا۔ حامد بھائی دونوں کو لے کر ایک میدان میں چلے گئے۔ آج حامد بھائی کا دل دوڑنے بھاگنے کو نہیں چاہتا تھا، وہ ایک پتھر سے کمر لگا کر بیٹھ گئے۔ سلیم اور نعیم ہری ہری گھاس پر دوڑ لگانے لگے۔ کچھ دیر بعد خوب پسینہ آگیا تو دونوں حامد بھائی کے پاس آکر بیٹھ گئے اور جنگل کی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کا مزا لینے لگے۔

سامنے میدان میں گائیں اور بیل چر رہے تھے۔ گوالا ایک پیڑ کے نیچے بیٹھا کچھ گا رہا تھا۔ سلیم گایوں کو دھیان لگا کر دیکھنے لگا۔ اسے آج یہ گائیں بڑی بھلی معلوم ہو رہی تھیں۔ سب کی سب گردن جھکائے گھاس چرنے میں لگی ہوئی تھیں۔ بار بار اپنی دُموں کو ایک کوڑے کی طرح ادھر سے اُدھر گھماتی تھیں، اور اپنے لمبے لمبے کانوں کو ہلاتی جاتی تھیں۔ دُور سے ان کی دُموں کا گھمانا اور کانوں کا ہلانا بڑا بھلا معلوم ہوتا تھا۔ ایک گائے تو سلیم کے پاس ہی چر رہی تھی۔ سلیم نے دیکھا کہ مکھیاں گائے کی آنکھوں پر بار بار بیٹھتی تھیں۔ مگر گائے بھی بڑی چالاک تھی، اپنے کانوں کو برابر ہلاتی جاتی تھی اور مکھیوں کو بیٹھنے نہیں دیتی تھی۔ اسی طرح اپنی پیٹھ پر سے مکھیاں اپنی دُم سے اُڑاتی جاتی تھی ——

"سلیم! کیا دیکھ رہے ہو؟" نعیم نے پوچھا۔

"گائے،" سلیم نے آہستہ سے کہا۔

"کیا گائے کبھی دیکھی نہیں ہے جو ایسا دھیان لگا کر دیکھ رہے ہو؟——"

ونسی بات ایسی انوکھی ہے ؟ کچھ ہمیں بھی تو بتاؤ ۔"
"نعیم دیکھو گائے اپنی دُم اور کان کیسی پھرتی سے بار بار ادھر سے اُدھر
ہلا رہی ہے ـــــــ آج میری سمجھ میں آیا کہ گائے کو اللہ میاں نے اتنی لمبی
دُم کیوں دی ہے' اس کی سرے پر بالوں کا گچھا تو دیکھو' ایسا معلوم ہوتا ہے
کہ اللہ میاں نے اسے مکھیاں اُڑانے کے لیے کوئی چنور دے دیا ہے' کان بھی
کیسے بڑے بڑے ہیں' سُننے کا کام تو چھوٹے کانوں سے بھی چل جاتا' مگر اس
بیچاری کو تو اپنی آنکھوں پر سے مکھیاں اُڑانا تھیں' اسی لیے اس کو ایسے لمبے
لمبے کان دیے گئے ہیں' ذرا دیکھو تو سہی اس کے کان گھومتے کیسا ہیں ؟"
سلیم کی باتیں سُن کر حامد بھائی نے بھی کان کھڑے کیے بولے" سلیم میاں
کیسی تقریر کر رہے ہو ؟ آؤ میں تمھیں کچھ اور باتیں بتاؤں ! ـــــــ تم نے
بالکل ٹھیک سوچا کہ گائے کی لمبی دُم اور لمبے لمبے کان اس کے لیے بڑے کام کے
ہیں' برسات کے موسم میں گھاس میں ایسی مکھیاں پیدا ہو جاتی ہیں' جو جانوروں
کا خون چوستی ہیں اور ان کے ڈنک مارنے سے جانور کو بڑا دُکھ ہوتا ہے۔
اللہؐ کی مہربانی دیکھو اُس نے بلا مانگے ان جانوروں کو لمبی لمبی دُمیں اور
بڑے بڑے کان دیدیے ہیں ـــــــ اور بھئی بات بھی تو ٹھیک ہے' جس نے
پیدا کیا ہے اگر وہی زندہ رہنے کے لیے سامان نہ دے اور ہماری پرورش کا
سامان نہ کرے تو کون کرے ؟
ایک دُم ہی کیا ـــــــ ذرا سوچو تو دیکھو سیکڑوں چیزیں ایسی دکھائی
دیں گی جنھیں دیکھ کر تم اُسی مالک کی تعریف کیے بغیر نہیں رہ سکتے ۔"
"مگر حامد بھائی مجھے تو ایک بات کا بڑا تعجب ہے ؟ ـــــــ نعیم نے کہا۔
"گائے بیل کھاتے کتنا ہیں ! کب سے مُنھ لٹکائے کھا رہے ہیں' میدان کا میدان صاف
کیے ڈالتے ہیں' مگر بس کرنے کا نام نہیں لیتے ۔"
یہ سُن کر حامد بھائی مُسکرائے اور بولے: "بھئی وہ بیچارے بریانی اور پلاؤ تو
نہیں کھاتے' گھاس ہی تو کھاتے ہیں۔ گھاس میں اتنی طاقت کہاں' مَن بھر کھائیں
تو پاؤ بھر بریانی کی طاقت ملے۔ اسی لیے دن بھر کھایا کرتے ہیں' پھر یہ بھی تو

دیکھو وہ کام کتنا سخت کرتے ہیں۔ دن بھر چلنا پھرنا، ہل چلانا، گاڑی کھینچنا، انھیں کا کام ہے۔ اُن کی ٹانگیں دیکھو کیسی مضبوط بنائی گئی ہیں۔ یہ اپنے کھروں کی مدد سے چلتے ہیں، اُن کے کھُر آگے سے نوکیلے اور بیچ سے چِرے ہوئے ہیں۔ اسی لیے زمین پر جَم جاتے ہیں ـــــــ"

سلیم حامد بھائی کی باتیں کان لگائے سُن رہا تھا کہ نعیم نے کہا ـــ: "اچھا آؤ ہم بیل بیل کھیلیں، اور میدان میں جاکر گھاس کھائیں ـــ"

"نہیں جناب گھاس کھانا کوئی آسان کام نہیں ہے۔" حامد بھائی نے جواب دیا ـــ "گھاس کھانے کے لیے ایک لمبی سی گردن چاہیے جو کھڑے کھڑے ہی مُنھ زمین تک پہنچ جائے ـــــ"

"کیوں ہم لیٹ کر گھاس نہیں کھائیں گے؟" نعیم نے جلدی سے بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"اچھا! یہ بھی سہی، لیکن موٹی اور کھُردُری زبان کہاں سے لاؤ گے جس کی مدد سے گھاس کو پکڑ سکو؟"

"واہ! اللہ میاں نے ہمیں ہاتھ کس لیے دیے ہیں؟"

"اچھا بھائی مان لیا ـــــ لیکن گھاس کھاؤ گے کیسے؟ گھاس تو بڑی سخت ہوتی ہے۔"

"دانتوں سے!" نعیم نے جواب دیا۔

سلیم جو اب تک نعیم کی باتیں سُن رہا تھا جھٹ سے بولا ـــ "واہ! جب ہی جانیں ذرا گھاس اپنے دانتوں سے کاٹ کر تو دکھاؤ!"

"ہاں بھئی ـــ گھاس کاٹنا بڑا سخت کام ہے۔ وہ تو اتنی مضبوط ہوتی ہے کہ تم اپنے ہاتھوں سے اُکھاڑ بھی نہیں سکتے۔ یہ تو اللہ میاں نے ان مویشیوں کو ہی ایسے دانت دیے ہیں، جو یوں سمجھو گھاس کاٹنے کی مشین ہیں۔ ان کے نیچے کے جبڑے میں سامنے کی طرف آٹھ دانت ہوتے ہیں۔ یہ دانت چھینی کی مانند ہوتے ہیں۔ ان دانتوں کے اوپر کا جبڑا خالی ہوتا ہے، اس میں دانتوں کے بدلے ایک بہت سخت گدّی ہوتی ہے، یہ گھاس کو اپنے دانتوں اور اس گدّی کے بیچ میں دبا کر ایک ہلکا سا جھٹکا دیتے ہیں اور گھاس کٹ کر الگ جاتی ہے۔"

"اچھا ہم گھاس کاٹنے کو قینچی لے آئیں گے" نعیم نے کہا۔

"اچھا تو پھر گھاس چباؤ گے کیسے؟" سلیم بولا "کیا یوں ہی نگل جاؤ گے؟ —— بھائی گھاس کھانا آدمی کا کام نہیں ——"

"تو کیا گائے بیل گھاس کو یوں ہی نگل جاتے ہیں؟" نعیم نے پوچھا۔

"ہاں بھائی! —— مویشی پہلے تو گھاس کو یوں ہی نگل جاتے ہیں۔" حامد بھائی نے جواب دیا —— "جب یہ گھاس چرتے ہوتے ہیں تو انھیں اتنی فرصت نہیں ہوتی کہ یہ اسے چبا چبا کر کھائیں، اس وقت تو یہ اسے یوں ہی نگلتے رہتے ہیں۔ ان کا پیٹ بھی کچھ نرالا ہی ہوتا ہے۔ اس میں الگ الگ تھیلیاں بنی ہوتی ہیں۔ سب سے پہلے گھاس ایک تھیلی میں جاتی ہے، یہ تھیلی سب سے بڑی ہوتی ہے۔ اس تھیلی کو یوں سمجھو کہ یہ گھاس کا گودام ہے، یہاں ان کی چری ہوئی گھاس جمع رہتی ہے۔ اور دھل کر صاف ہو جاتی ہے، پھر یہ گھاس ایک دوسری تھیلی میں جاتی ہے یہاں یہ کچھ نرم ہو جاتی ہے —— اب ایک نیا تماشا ہوتا ہے۔ جب مویشی کام کاج کرکے فرصت سے کہیں بیٹھتے ہیں تو یہ کھائی ہوئی گھاس پھر منھ میں لوٹ آتی ہے —— اور اب یہاں داڑھوں میں چبائی جاتی ہے۔ دونوں جبڑوں میں اوپر نیچے چھ چھ داڑھیں ہوتی ہیں۔ کل داڑھیں چوبیس ہوتی ہیں، داڑھیں کیا ہیں گویا چکی کے پاٹ ہیں ان میں وہ کھائی ہوئی گھاس پسی جاتی ہے، اور اب یہ پھر پیٹ میں چلی جاتی ہے۔ اب یہ ایک تیسری تھیلی میں جاتی ہے۔ اس طرح گھاس چبانے کو "جگالی کرنا" کہتے ہیں۔ گائے، بیل، بھینس، بکری، بھیڑ، سب جگالی کرنے والے جانور ہیں ——"

"معاف کیجیے جناب میں گھاس نہیں کھا سکتا۔" نعیم بولا۔ "یہ کھائے ہوئے کو پھر منھ میں لا کر چبانا میرے بس کی بات نہیں ——"

"اچھا گھاس نہیں کھاتے تو گھاس کھانے والوں کا دودھ تو پی لو گے؟" —— سلیم نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہاں! ہاں! کیوں نہیں، اللہ تعالیٰ نے گھاس کھانے والے جانوروں کا دودھ اور گوشت ہمارے لیے حلال کیا ہے —— یہ تو اس کی مہربانی ہے۔"

"اچھا مَیں گوالے سے تم دونوں کے لیے دُودھ منگاتا ہوں ——" حامد بھائی بولے "جب تک آؤ میں تمھیں ایک اور بات بتاؤں —— بھلا بتاؤ تو سہی جو دُودھ تم پیتے ہو وہ کاہے سے بنتا ہے؟

"کل جو گھاس چری تھی بَن میں دُودھ بنی وہ گائے کے تھن میں"

سلیم نے سر مٹکاتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک! ٹھیک!! دُودھ گھاس سے ہی بنتا ہے۔ لیکن گائے کا خون اور گوبر کاہے سے بنتا ہے؟

"یہ بھی اسی گھاس سے بنتا ہے۔" نعیم جھٹ سے بولا۔

"اب ذرا سوچو! گائے کے پیٹ میں اسی گھاس سے دُودھ بنتا ہے اور وہی گھاس گوبر بن کر نکل جاتی ہے۔ دُودھ کیسا اچھا' سفید' پاک' مزے دار —— گوبر کیسا ناپاک' گندا اور بے کار۔ کیسی بڑی کاریگری ہے! اُس مالک کے سوا کوئی اور ہے جو اس طرح گھاس سے دودھ بنا دے؟ کیا دُودھ گائے بناتی ہے؟ کیا گائے کو دُودھ بنانے اور نہ بنانے پر کچھ اختیار ہے؟ کیا گائے کی خواہش کے مطابق دُودھ بنتا ہے؟ تم یہی جواب دو گے کہ دُودھ بنانے یا نہ بنانے میں گائے کوئی دخل نہیں رکھتی۔ یہ تو ہمارے اور گائے کے مالک کی مہربانی ہے ——"

"لیکن کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جن کا دھیان اِدھر نہیں جاتا۔ وہ مالک کی تعریف کے بدلے گائے کو ماننے لگتے ہیں' اُس کی پُوجا کرنے لگتے ہیں' اس کے گوبر اور پیشاب کو پاک جاننے لگتے ہیں —— یہ بات ٹھیک نہیں' گائے بس ایک جانور ہے۔ ہمارے مالک نے اسے ہمارے فائدے کے لیے پیدا کیا ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اس کی خدمت کریں اس کے آرام اور کھانے پینے کا دھیان رکھیں' اس کا دُودھ پییں' اس کا گوشت کھائیں' اس کی کھال سے جوتے بنائیں' اس کے بچھڑوں سے زمین جوتیں' گاڑیاں چلائیں —— اور اپنے مالک کے گُن گائیں۔

رب کا شکر ادا کر بھائی!

جس نے ہماری گائے بنائی!!

جناب شوکت علی صاحب نیازی

پیام

(۱)

بچّو بتائیں تم ہو

اسلام کے سپاہی — راہ خدا کے راہی
سارے جہاں کے رہبر — اور پیرو پیمبر
توحید کے پیامی — آزادِ ہر غلامی

میری یہ بات سُن لو

(۲)

ہر شے جو یاں ہے باطل

اُٹھو اسے مٹا دو — پیغام حق سُنا دو
اللہ کی اطاعت — ہر چیز کی ہے فطرت
انسان کو سکھاؤ — مسلم اسے بناؤ

ہے فرض سے وہ غافل

(۳)

یہ جان لو خدارا

جھوٹے خدا ہیں جتنے — طاغوت کے ہیں فتنے
ان سب کو ختم کر دو — اب رُخصتِ سفر دو
سب کا بس اک خدا ہو — اک دَر پہ سَر جھکا ہو

یہ فرض ہے تمہارا

(۴)

تاریکی اور ظلمت

دُنیا سے دُور کر دو — اور اس میں نور بھر دو
حق کا ہو بول بالا — باطل کا مُنھ ہو کالا
سب کا بھلا ہو تم سے — راضی خدا ہو تم سے

بن جاؤ خیرِ اُمّت

حق

جناب شمس رحمانی اعظمی صاحب

دو بج رہے تھے ـــــ خالد صبح سے اپنے کمرے میں بیٹھا ہوا تھا، کئی بار اُس کی بڑی بہن خالدہ کھانا لے کر آئی تھی مگر اُس نے اُسے اس زور سے جھڑکا تھا کہ بیچاری کو واپس جاتے ہی بنی۔

"بھاگ جاؤ یہاں سے، میں کھانا نہیں کھاؤں گا۔ بڑی آئیں وہاں سے کھانا لے کر۔"

ٹھیک ہی تو تھا، ششماہی امتحان میں اُسے جغرافیے میں صفر نمبر ملا تھا، اس پر اُس کے والد صاحب نے اُسے پہلے ہی سے "خر دماغ" کا خطاب دے کر کہا کہ "تم جوتا بنانے کے قابل ہو، اور کسی کام کے نہیں ہو۔"

اب ایسی بات پر بھلا خالد راضی نہ ہوتا۔

"خالد! یہاں آؤ" اُس کے ابا جان نے دوسرے کمرے سے پکارا۔

"میں نہیں آؤں گا" خالد نے چلا کر کہا۔ "ایک موچی بھلا آپ لوگوں کے پاس بیٹھ سکتا ہے!"

"مردود" اُس کے والد نے کہا۔ اکلوتے بیٹے کی غلط تربیت ہی رنگ لاتی ہے۔

دو سے چار بج گئے.... پھر پانچ..... اور پھر چھ۔ اب خالد سے بھوک برداشت نہ ہوتی تھی، وہ اپنے کمرے میں جا کر بستر پر کروٹیں بدلنے لگا ـــــ "کیا کیا جائے" اس نے سوچا "باورچی خانے میں کم بخت ماما بھلا مجھے کاہے کو گھسنے دے گی؟ ـــــ بھوک بڑھ رہی تھی۔ اتنے میں اُسے ایک ترکیب سوجھی ـــــ اپنے پچھلے سال کے کورس کی کتابوں میں سے ایک آدھ بیچ ڈالوں دس بارہ آنے مل ہی جائیں گے۔

یہ سوچ کر وہ اُٹھا اور الماری کی کتابوں کو اُلٹ پلٹ کرنے لگا۔ دس پندرہ منٹ کی تلاش کے بعد اُس نے ایک پتلی سی کتاب نکالی "ایشیا، امریکہ اور افریقہ کا جغرافیہ" "ہوں! اس کی ضرورت تو مجھے اگلے سال ہوگی۔ تب تک تو نئی آ ہی جائے گی۔"

جاڑوں کے دن تھے، ساڑھے چھ بجے اندھیرا ہو جاتا ہے، خالد چپکے سے اُٹھا اور سائیکل نکال کر چل دیا۔ اندھیرا ہو رہا تھا، اور خالد جلد لوٹنے کے لیے تیزی سے سائیکل چلا رہا تھا کہ سامنے چار پانچ ناگ پھنی کے کانٹے سڑک پر نظر آئے، خالد نے بریک دبائے مگر کافی دیر ہو چکی تھی، اور اگلا پہیہ پورا ناگ پھنی کے کانٹے پر ایک بار گھوم ہی گیا ـــــ سائیکل پنکچر ہو گئی ـــــ ٹائر ٹیوب دونوں بالکل نئے تھے، اور یہ کہہ کر خریدے گئے تھے کہ احتیاط سے چلانا کم سے کم سال بھر تک تو رہ جائیں گے۔ کوئی اور وقت ہوتا تو خالد میاں بہت گھبراتے۔ مگر اس وقت غصے میں آگے بڑھتے چلے گئے اور ایک کتب فروش کی دکان پر ہی جا کر رُکے۔ "پرانی کتابیں لو گے؟"

"ہاں ہاں، کون سی کتاب ہے؟" دکاندار نے جواب دیا۔

خالد نے کتاب دکھا دی۔

"اوں ہوں، اگر یورپ ہوتا تو بہتر ہوتا۔ بہرحال اس کے تمھیں آٹھ آنے ملیں گے۔"

"مگر مجھ سے کہا گیا تھا کہ کم از کم ایک روپیہ ملنا چاہیے۔" یہ سن کر دکاندار نے کتاب واپس کر دی۔

"اچھا بارہ آنے سہی۔"

"اوں ہوں"

"اچھا لاؤ۔"

دکاندار نے اٹھنی دے دی۔

نمبر ۱۰

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مہینے میں دو بار شائع ہونے والا

رسالہ

الحسنات

رام پور

جو مسلمان گھرانوں کی اصلاح کے لیے بہت مفید ثابت ہوا ہے

۱۹۵۰ء

مدیر: حکیم محمد عبد الحی

چندہ
سال بھر کے لیے ۲۴ رسالے — پانچ روپیہ آٹھ آنے
چھ ماہ کے لیے ۱۲ رسالے — تین روپیہ
فی کاپی — چار آنے

فہرست مضامین

محمد عبد الحی طابع و ناشر نے مرتضی برقی پریس رامپور میں چھپوا کر دفتر الحسنات رام پور۔ یو۔ پی سے شائع کیا

احساسات

فرقہ پرستی اور فساد کو دور کرنے کے لیے مختلف لوگ جو الگ الگ تدبیریں بتاتے ہیں ان میں سے کچھ کا ذکر آپ پچھلے رسالے میں پڑھ چکے ہیں۔ اس قسم کی کچھ تدبیروں کا بیان ابھی باقی ہے۔ آیئے پہلے ان پر غور کریں پھر اس کے بعد ہم اپنی سوچی ہوئی تدبیر آپ کو بتائیں گے۔

ایک تجویز جو آج کل بہت زور شور سے پیش کی جا رہی ہے وہ "سوشلزم" ہے۔ اس سے پہلے کہ ہم آپ کو یہ بتائیں کہ "سوشلزم" کا مطلب کیا ہے اور اس کو پیش کرنے والے ہم سے کیا چاہتے ہیں۔ ہم آپ کو اس کے بارے میں کچھ ابتدائی باتیں بتانا چاہتے ہیں۔

بات تو ذرا لمبی ہے اور انشاء اللہ پھر کسی وقت جب ہم اسی کے بارے میں آپ کو کچھ بتائیں گے تو ذرا تفصیل کے ساتھ سب باتیں بتا سکیں گے اس وقت کچھ موٹی موٹی باتیں جان لیجیے ـــــــــ آپ کو معلوم ہوگا کہ آج سے تقریباً دو سو سال پہلے انسان مشینوں سے بہت کم کام لیتا تھا۔ عام طور پر سارے کام ہاتھوں سے کیے جاتے تھے۔ لیکن اب سائنس کی معلومات اور ترقی کی وجہ سے بے شمار قسم کی مشینیں ایجاد ہو گئی ہیں جن سے بہت تھوڑے وقت میں بہت کم آدمی لگا کر بہت زیادہ کام لیا جا سکتا ہے۔ آپ اگر کپڑا بُننے کی مشین کو دیکھیں تو حیران رہ جائیں، چند آدمیوں کی محنت اور نگرانی سے بہت کم وقت میں اب اتنا زیادہ کپڑا بُن کر تیار ہو جاتا ہے جو اس سے پہلے سیکڑوں آدمی بھی اتنے وقت میں تیار نہیں کر سکتے تھے۔ یہی حال کھیتی باڑی کا ہے۔ زمین جوتنے بونے اور فصل کاٹنے کے کاموں کے لیے ایسی مشینیں بنائی گئی ہیں جن کی مدد سے چند آدمی سیکڑوں آدمیوں کا کام کر ڈالتے ہیں۔ اسی طرح زندگی کے سیکڑوں کام مشینوں کی مدد سے ہو رہے ہیں۔

مشینوں کا یہ استعمال ایک طرح تو بہت اچھا ہے۔ انسان کو ان سے بڑی آسانی ہو گئی ہے۔ اس کے آرام کرنے اور فائدہ اُٹھانے کی مقدار بہت بڑھ گئی ہے۔ لیکن اس بھلائی میں ایک بُرائی بھی چھپی ہوئی ہے۔ مشینوں کے استعمال سے بہت سے لوگ بے روزگار

ہو گئے۔ جیسے جو کپڑا ہزاروں سیکڑوں جلاہے تیار کرتے تھے وہ اب مشینوں کی مدد سے آن کی آن
تیار ہو جاتا ہے اور اس طرح آدمی جو کپڑا بُن کر روزی کماتے تھے بے کار ہوگئے۔ اسی
کھیتی باڑی کے کام کو مشینوں سے پُورا کر لینے کی وجہ سے ہزاروں کسان بے کار ہو گئے
اور یہی حال دوسری سیکڑوں قسم کی مشینوں کے استعمال سے ہوا۔

لوگوں کی بے کاری اور بے روزگاری کے ساتھ ساتھ دوسری بات یہ پیدا ہوگئی کہ
جن لوگوں کے قبضے میں اتنی دولت تھی کہ وہ مشین خرید کر کام لے سکیں صرف وہی مشین
کام میں لائے اور ان مشینوں کی مدد سے اُنھوں نے جو روپیہ کمایا اُس کو اور زیادہ روپیہ
کمانے اور مشینیں چلانے میں لگایا ——— تم جانو یہ لوگ خدا کے خوف، آخرت کی
جواب دہی، اخلاق، ہمدردی اور انسانیت سے تو بالکل خالی تھے نتیجہ یہ ہوا کہ انھوں نے
اپنے نفع کے سامنے دوسروں کی مجبوری کا کوئی لحاظ نہیں کیا اور دونوں ہاتھوں سے خوب
دولت سمیٹی۔ اس کا لازمی نتیجہ یہی ہونا چاہیے تھا کہ بہت سے لوگ مُفلس ہو گئے، ان کو اپنے اور
اپنے بچوں کے پیٹ پالنے کے لیے بھی روٹی ملنا مُشکل ہوگیا اور اسی طرح سماج میں دو طبقے پیدا
ہونے لگے۔ ایک مزدوری کرنے والا مُفلس، غریب اور دست نگر طبقہ، دوسرا مزدوری سے کام لینے والا
سرمایہ دار، دولت مند اور بے رحم طبقہ۔

کچھ دنوں تک تو یہ صورت برداشت کے قابل رہی لیکن جب مزدور طبقہ اور زیادہ مُفلس
اور سرمایہ دار طبقہ اور زیادہ دولت مند بنتا چلا گیا تو آخرِ کار آپس میں کشمکش ہونا ضروری ہوگیا
——— اس زمانے میں کچھ سوچنے والوں نے ایک نئے انداز سے سوچنا شروع کر دیا۔ ان
بے چاروں کے سامنے زندگی کی اصل حقیقتیں تو تھیں نہیں، مذہب اور خدا کا تصور ان کے سامنے
بہت ہی بھونڈے طریقے پر آیا تھا، سچ پوچھیے تو ان بے چاروں کو موقع ہی نہیں ملا تھا کہ
یہ خدا کے بارے میں اور انسان اور خدا کے تعلق کے بارے میں کچھ جان سکتے ——— اس کم علمی
کا نتیجہ یہ ہوا کہ انھوں نے اپنے سوچنے کی تمام قوتیں اس ایک بات پر ہی لگا دیں کہ کس طرح
انسان کی روٹی کا مسئلہ حل کیا جائے۔ ان کے نزدیک روٹی اور پیٹ ہی سب کچھ تھا۔ وہ مزدوروں
کی پریشانی اور سرمایہ داروں کے مظالم سے ایسے متاثر تھے کہ انھوں نے ان دو طبقوں کی کشمکش کو
دور کرنے کے لیے اپنا سب کچھ لگا دیا۔ اور آخرِ کار وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ دولت کی غلط تقسیم
ہی سب مرضوں کی جڑ ہے۔ اس کا علاج انھوں نے یہ سوچا کہ کسی شخص کی ملکیت میں کوئی

[illegible]

وہ ساری چیزیں جن سے آمدنی ہوتی ہے کسی ایک آدمی کی ملکیت نہ رہیں بلکہ [illegible]
کی ملک ہوں۔ لوگ جو کچھ کمائیں وہ حکومت کو پہنچے [illegible] حکومت کے ہاتھ [illegible]
کی ہوں، سب پیداوار حکومت کے خزانوں میں جائے، سارے مکانوں کی ملکیت حکومت کی ہو
یعنی الگ الگ لوگوں کی ملکیت میں سوائے ان کے استعمال کی چیزوں اور پہننے کے کپڑوں
کے اور کچھ نہ ہو۔

یہی بات سوشلزم یا کیمونزم کی بنیاد ہے۔ یہ بات کیسی ہے اس کا ذکر تو پھر کبھی ہوگا لیکن
تو یہ بتانا ہے کہ کچھ لوگ اس تجویز کو بھی ملک کے فساد اور فرقہ پرستی کو دور کرنے کے لیے پیش
کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک سارے فسادوں کی جڑ روٹی اور پیٹ ہے اور اس کے لیے وہ یہی
نسخہ تجویز کرتے ہیں۔ ان کے خیال میں اگر ملک میں وہی نظام قایم ہو جائے جو سوشلزم پیش کرتا
ہے تو پھر یہاں ہر طرح کے فساد بند ہو جائیں گے اور ملک میں پورا پورا امن ہو جائے گا۔

ہم نے جہاں تک سوچا ہے مرض کا یہ علاج بھی مفید نہیں ہو سکتا۔ سچے امن کے قایم
کرنے کے لیے ہم جن شرطوں کا ذکر پہلے کر آئے ہیں ان کو سوشلزم کسی درجے میں بھی پورا
نہیں کرتا ــــــــ آپ کو ایک بات ابھی ہم نے بتائی ہی نہیں ہے، سوشلزم کو پیش
کرنے والوں نے جو کچھ سوچا ہے اس کی ابتدا یہاں سے ہوتی ہے کہ اس جہان کا کوئی خدا
نہیں ہے، یہ سب کچھ آپ سے آپ پیدا ہوا ہے اور یہ سارا کارخانہ آپ سے آپ ہی
چل بھی رہا ہے۔ دوسری بات جسے سوشلزم کے ماننے والے بڑے زور شور سے پیش
کرتے ہیں یہ ہے کہ اس زندگی کے بعد کوئی اور زندگی نہیں ہے۔ انسان کے لیے جو کچھ ہے
وہ موت سے پہلے پہلے ہے اس کے بعد کچھ نہیں۔ اب آپ ہی سوچ لیجیے کہ ان دو
بنیادوں کو مان کر جس قسم کے لوگ تیار ہوں گے وہ امن کو زیادہ دنوں تک کیسے
قایم رکھ سکیں گے۔ خدا اور آخرت کے خیال سے خالی ہو جانے کے بعد خود غرضی، ہوس،
ناجائز فائدہ اٹھانے اور دوسروں کے حق مار لینے کے خیال سے انسان کو روکنے والی
کوئی چیز باقی نہیں رہ جاتی۔ پارٹی اور سماج کا دباؤ ان برائیوں کو زیادہ دنوں تک
دبانے میں کامیاب نہیں ہوتا اس لیے ہمارے نزدیک سوشلزم بھی امن اور سکون

کے [illegible] نہیں ہوسکتا۔ انسانوں کو پالتو جانوروں کی طرح راتب دے کر زیادہ دنوں تک نہیں رکھا جاسکتا۔ انسان کی فطرت کو اندرونی اصلاح کے بغیر محض بیرونی دباؤ کے اثر سے کسی ایک بات کا پابند نہیں بنایا جاسکتا۔ سوشلزم کی کامیابی صرف اُسی وقت تک ہوسکتی ہے جب تک سرمایہ داری کی لعنت باقی ہے اور اس کو دُور کرنے کے لیے انسان کے سامنے کوئی اور اچھی تدبیر نہیں ہے۔ لیکن اگر سرمایہ داری کی مصیبت انسان کے سر سے کسی طرح ٹل جائے تو پھر اسے نظر آجائے کہ سوشلزم خود کتنی مصیبتوں کا مجموعہ ہے اور یہ کہ انسان کی فطرت سے اس کو کچھ بھی لگاؤ نہیں ہے۔

فسادات کے دُور کرنے کی ایک تجویز اور سُن لیجیے، یہ تو اتنی بھونڈی ہے کہ اس کو سُن کر آپ خود ہی فیصلہ کرلیں گے کہ یہ کس قدر قابلِ نفرت ہے۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اگر مظلوم، ظالم کی خوشامد کرنا شروع کردیں اور ان کو ہر قیمت پر راضی کرلیں تو فساد بند ہوجائیں گے۔ اس خیال کے لوگ اپنی بات کو ایسے صاف صاف انداز میں تو کہہ نہیں سکتے اس کے لیے وہ بہت سے پھیر کے راستے اختیار کرتے ہیں۔ کبھی کہتے ہیں کہ دُنیا کا ہر مذہب سچا ہے۔ حالانکہ آپ جانتے ہیں بعض مذہبوں کی بُنیادوں میں ایسا فرق ہوتا ہے جیسے سیاہ اور سفید اور دن اور رات میں فرق ہو۔ کبھی کہتے ہیں شادی کرنے میں مذہب کو آڑے نہیں آنا چاہیے۔ " روٹی بیٹی" جب تک ایک نہ ہو فساد کیسے دُور ہوسکتا ہے۔ غرض یہ کہ اسی طرح قدم قدم پر یہ لوگ عجیب عجیب باتیں پیش کیا کرتے ہیں۔ آپ کو سُن کر تعجب ہوگا کہ ایسے لوگ دونوں ملکوں میں موجود ہیں۔ اگر ایک طبقہ ہندوستان میں لوگوں کو یہ سبق پڑھاتا ہے تو دوسرا طبقہ یہی کام پاکستان میں کرتا ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ ان بے چاروں کو اپنے فائدے عزیز ہیں، یہ کسی قسم کا نقصان برداشت کرنے کی ہمت نہیں رکھتے اور اپنے نفعے کی خاطر یہ ایسی باتیں کہا کرتے ہیں۔

آپ نے فسادات کو دُور کرنے کے سلسلے میں اب بہت سی تجویزوں پر غور کرلیا۔ اور یہ دیکھ لیا کہ دراصل ان میں سے کوئی ایک تدبیر بھی مُشکل کو حل نہیں کرتی۔ آئندہ انشاءاللہ آپ کو بتائیں گے کہ ہماری نظر میں اس مُشکل کا حل کیا ہے۔ (باقی)

وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ

اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ ۝ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰ

لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْاٰخِرَةِ ۭ ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ

لَّهُ النَّاسُ وَذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ ۝

(سورہ ہود۔ رکوع ۹)

اور تیرا رب جب کسی ظالم بستی کو پکڑتا ہے تو پھر اس کی پکڑ ایسی ہی ہوا کرتی ہے، فی الواقع (سچ تو یہ ہے کہ) اُس کی پکڑ بڑی سخت اور دردناک ہوتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس میں ایک نشانی ہے ہر اُس شخص کے لیے جو عذابِ آخرت کا خوف کرے۔ وہ ایک دن ہوگا، جس میں سب لوگ جمع ہوں گے اور وہ دن دیکھنے کا ہوگا۔

(تفہیم القرآن)

تشریح

(۱) انسان کی پچھلی تاریخ کے اُن واقعات کو دیکھ کر جن میں سے کچھ کا ذکر آپ نے اس سورۃ میں پڑھا ہے ایک اور بات آپ کی سمجھ میں آسکتی ہے اور وہ یہ کہ اس جہاں کا مالک جب کسی قوم یا کسی بستی کو اُس کے بُرے کاموں کی سزا دینا چاہتا ہے تو پھر کوئی طاقت اور کوئی قوت اُسے ایسا کرنے سے روک نہیں سکتی۔ جب تک وہ مالک چاہتا ہے سزا کو ٹالتا رہتا ہے لیکن جب وہ فیصلہ کر

زبردست اس کی پکڑ بہت سخت ہوتی ہے۔ ان واقعات کو دیکھ کر انسان اس دُنیا کے اس پیچھے کام کرنے والی طاقت کا ٹھیک ٹھیک اندازہ لگا سکتا ہے۔ یہ واقعات اُسے بتا سکتے ہیں کہ جب قوموں اور شخصوں کے بُرے دن آگئے تو پھر کوئی تدبیر اُنھیں بربادی سے بچا نہ سکی اللہ کے عذاب نے اُنھیں اس طرح اچانک پکڑ لیا کہ وہ اپنی تدبیر کو کام میں لانے کے لیے ارادہ بھی نہ کر سکے اور ساتھ ہی ساتھ اُنھیں یہ اندازہ بھی ہوگیا کہ ان کی کوئی بڑی سی بڑی تدبیر بھی اللہ کے عذاب کا مقابلہ کرنے کے لیے کس قدر بے کار تھی۔ ہواؤں کے طوفان' پانی کے سیلاب' زمین کے زلزلے آسمان کی بجلیاں' بیماریوں کے حملے' اور اسی طرح کے سینکڑوں عذاب انسانی تاریخ میں آچکے ہیں اور ہمیشہ کی طرح آج بھی انسان اپنی ساری طاقتوں کے ہوتے ہوئے بھی ان کا مقابلہ کرنے میں بالکل بے بس ہے۔ اس کی یہ بے بسی اسے یہ یاد دلاسکتی ہے کہ جو ہستی اس عالم کا انتظام کر رہی ہے اس کی قوت بہت زیادہ ہے اور اُس کی پکڑ سے انسان کبھی باہر نہیں جاسکتا۔

(۲) قوموں کے اُبھرنے اور مٹنے کے جو واقعات انسان اپنی تاریخ میں دیکھ سکتا ہے ان سے وہ اس نتیجے پر بھی پہنچ سکتا ہے کہ آخرت ہونا چاہیے ـــــــ یہ بات بالکل صاف ہے۔ ان تاریخی واقعات سے یہ بات ثابت ہوجاتی ہے کہ ہر کام کا نتیجہ ضرور نکلتا ہے۔ اور وہ نتیجہ ویسا ہی ہوتا ہے جیسا کام ہو۔ انسان کی پوری زندگی کاموں کے مجموعے کا ہی نام ہے۔ اس کے ہر کام کا نتیجہ نکلنا چاہیے اور ویسا ہی نکلنا چاہیے جیسا وہ کام ہو۔ لیکن ایک ایک شخص کی زندگی کو اگر الگ دیکھا جائے تو بظاہر یہ اصول ٹوٹتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک شخص زندگی بھر بُرے کام کرتا رہتا ہے۔ ویسے ہی بُرے کام جیسے بُرے کام کرنے کی وجہ سے کوئی قوم برباد ہوا کرتی ہے لیکن مرتے دم تک وہ بظاہر پھولتا پھلتا دکھائی دیتا ہے۔ مثلاً ڈاکہ ڈالنے اور دوسروں کے حق مار لینے کے معاملے کو ہی لے لیجیے' اگر کوئی قوم اس کام کو اپنا قومی کام بنالے تو ظاہر ہے کہ وہ زیادہ دنوں تک نہیں پنپ سکتی۔ لیکن ایسا اکثر ہوتا ہے کہ ایک شخص دوسروں کا حق مارتا رہتا ہے' اُنھیں نقصان پہنچاتا رہتا ہے اور مرنے دم تک خوب عیش کی زندگی گذارتا ہے اور اسی حال میں مرجاتا ہے ـــــــ اب آپ ہی سوچیے کہ یہ کس طرح ہوسکتا ہے کہ جن کاموں کی وجہ سے قومیں برباد ہوجاتی ہیں وہی کام جب کوئی ایک شخص کرے تو پھولتا پھلتا رہے۔ یہ بات تو انصاف سے دُور ہے۔ یہ تو بڑا اندھیر ہے۔

اس دُنیا کا مالک نا انصاف نہیں ہے۔ اس کے یہاں اندھیر نہیں ہے۔ اس انصاف

گئے ہیں وہ ایک دن پھر سب انسانوں کو زندہ کرے گا ... اور ان سے پوچھ
لے گا۔ اس نے اس زندگی میں جو کام کیے ہوں گے اور ان کاموں کے جو نتیجے نکلے ہوں گے
ان سب کا بدلہ اسے دے گا۔ اچھے کاموں کا اچھا بدلہ دے گا۔ بُرے کاموں کے بُرے
نتیجے بھگتنے پڑیں گے۔ اس کا جو قانون قوموں کو ابھارتا اور گراتا ہے وہی قانون ... تمام
انسانوں کو اُس دن دو حصّوں میں تقسیم کر دے گا۔ کچھ لوگ آرام اور عزت کا مقام
پائیں گے اور کچھ کو تکلیف اور ذلت نصیب ہوگی۔
جو شخص اس طرح انسانوں کی پچھلی تاریخ پر نظر ڈالے گا اور صحیح عقل سے کام لے گا
وہ آخرت کا انکار نہیں کرسکتا۔ ان باتوں کو سامنے رکھ کر آخرت کے انکار کا مطلب
اس کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے کہ ایسا شخص یا تو کسی خدا کے وجود کو ماننا ہی نہیں ہے یا پھر
اسے ناانصاف اور ظالم ٹھیراتا ہے۔ خدا کو اس کی تمام صفتوں کے ساتھ مان لینے کے
بعد آخرت کا انکار ہو ہی نہیں سکتا۔

(۳۷) یوں تو اس زندگی کے علاوہ کسی دوسری زندگی میں اچھے کاموں کے اچھے بدلے
اور بُرے کاموں کے بُرے بدلے ملنے کو بہت سے لوگ کسی نہ کسی شکل میں مانتے ہی ہیں۔
کیوں کہ جب تک کوئی شخص اس ساری دُنیا کو بے خدا کی دُنیا نہ مان لے یا اس دُنیا کے
خدا کو ناانصاف، ظالم، اور اُس کی حکومت کو اندھیر نگری نہ کہنے لگے اُس وقت تک وہ
مجبور ہے کہ ان سب باتوں کو دل سے مانے۔ لیکن دوسری زندگی میں بدلہ ملنے کی
جو صورت قرآن شریف میں بیان ہوئی ہے اس کی کچھ خاص خاص باتیں ہمیشہ یاد
رکھنے کے قابل ہیں:

(الف) انسان اپنی زندگی میں جو کام کرتا ہے ان میں سے بہت سے
کاموں کا اثر اس کے مرنے کے بعد بہت دنوں تک باقی رہتا ہے۔ اور اُس سے اچھے
یا بُرے نتیجے برابر نکلتے رہتے ہیں۔ انصاف یہی ہے کہ ہر کام کرنے والے کو اُس کے
کاموں کے تمام نتیجوں کے حساب سے بدلہ دیا جائے۔ مثلاً اگر کسی شخص نے کوئی بھلی
بات لوگوں کو سکھائی اور اس بات سے لوگوں کی زندگیاں سدھرنے لگیں تو اس کی
بات سے جتنے زیادہ لوگوں کی زندگیوں میں سُدھار پیدا ہو اُتنا ہی زیادہ اچھا بدلہ ملنا
چاہیے، اور اگر وہ مرجائے لیکن اس کے مرنے کے بعد بھی اس کے بتائے ہوئے ...

لوگوں کو فائدہ پہنچا رہے تو اس کے بعد بھی جتنی نیکی پھیلے اُس کو اُتنا ہی زیادہ اجر ملتا رہے گا ـــــ یہی حال بُرائیوں کا سمجھ لیجیے۔ جس طرح کسی بُرے کام کرنے والے کے بُرے کاموں کے اثرات اس کے مرتے ہی ختم نہیں ہو جاتے۔ اسی طرح یہ بھی انصاف نہ ہوگا اگر اس کے مرتے ہی اس کی سزا بھول دی جائے اور اسے سزا بھگتنے کے لیے پھر ایک دوسری زندگی دے دی جائے۔ حالانکہ ابھی اس پہلی زندگی میں اس نے جو کچھ کرتوت کیے ہیں ان کی بُرائیاں برابر پھیل رہی ہیں اور معلوم نہیں وہ کب تک پھیلتی رہیں گی۔ اور ان سے کیا کیا نتیجے نکلیں گے۔

(ب) انسان اپنی تھوڑی سی زندگی میں جو کام کرتا ہے اُس کا نتیجہ بھگتنے یا اُس کا اچھا بدلہ پانے کے لیے ایک بہت ہی لمبی زندگی کی ضرورت ہے۔ مثلاً وہ شریر جس نے پچھلی لڑائی میں ہیروشیما پر ایٹم بم گرا کر لاکھوں انسانوں کو آن کی آن میں فنا کے گھاٹ اُتار دیا ـــــ ذرا اُس کی سزا کا خیال کیجیے، اس نے لاکھوں جانیں لی ہیں اور معلوم نہیں اس کے اس کام کے بُرے نتیجے قیامت تک کتنی اور جانوں کی ہلاکت کا سبب بنیں گے۔ اب اگر اس کے لیے ہلکی سے ہلکی سزا کا بھی تصور کیجیے تو وہ اُس سے کہیں زیادہ ہونا چاہیے کہ اسے موت کا سا مزا اتنی مرتبہ چکھایا جائے جتنی جانیں اس کے اس کام سے گئی ہیں۔ پھر یہ بھی تو سوچیے کہ یہ سب سزا تو اسے چند منٹ کے کام کے بدلے میں ملنا چاہیے۔ رہ گئے وہ سارے کام جو اس نے اپنی پوری زندگی میں کیے ہوں گے ان کے لحاظ سے تو ایک ایسی لمبی زندگی کی ضرورت ہے جس کا تصور بھی ہم نہیں کر سکتے۔

(ج) اگر انعام یا سزا پانے والے کو یہ معلوم ہی نہ ہو کہ یہ اس کے کن کاموں کا بدلہ ہے تو پھر انعام اور سزا کا مقصد ہی ختم ہو جاتا ہے۔ ایک ایسا شخص جو اندھا پیدا ہوا ہے اگر آپ اُس سے یہ کہیں کہ تیرا اندھا پیدا ہونا تیرے اُن کاموں کی سزا ہے جو تو نے اِس سے پہلے والی زندگی میں کیے ہوں گے تو وہ بے چارہ ضرور پوچھے گا کہ وہ کام کونسے ہیں تاکہ میں اب اس زندگی میں تو اُن سے بچ سکوں۔ اسی طرح آپ یہ سمجھ سکتے ہیں کہ یہ خیال کہ انسان سزا کے طور پر بار بار پیدا ہوتا ہے صحیح نہیں ہے۔ جزا اور سزا کی صحیح صورت وہی ہے جو قرآن شریف میں بتائی

گئی ہے یعنی یہ کہ دنیا [illegible]

ختم ہو چکی ہوگی، اور لوگوں نے جو کام کیے ہوں گے ان کے اثرات پھیلنے کی حد بھی ختم ہو چکا ہوگا۔ اُس وقت وہ خدا جو علیم[1] اور خبیر[2] ہے ہر شخص کا حساب کرے گا اور یہ معلوم ہو جائے گا کہ کسی شخص کے اچھے یا بُرے کاموں کا کتنا بدلہ اسے ملنا چاہیے (۲) پھر ہر شخص کو اس کا تفصیلی اعمال نامہ اس کے ہاتھ میں دے دیا جائے گا اور جسے دیکھ کر وہ خود یہ فیصلہ کر سکے گا کہ اس کو اپنے کاموں کا کیا بدلہ ملنا چاہیے چھوٹے سے چھوٹا جرم اور معمولی سے معمولی اچھا کام سب کچھ اس میں درج ہوگا۔ اور اُسے یہ دیکھ کر بڑا تعجب ہوگا کہ اس کی زندگی کا ایسا مکمل ریکارڈ اور اُس کے کاموں کی ایسی تفصیلی رپورٹ کیسے تیار ہو گئی؟ وہ کہہ رہا ہوگا،

مَا لِهٰذَا الْكِتَابِ لَا يُغَادِرُ صَغِيرَةً وَّلَا كَبِيرَةً اِلَّا اَحْصٰهَا۔

"یہ کیسی کتاب ہے جس میں معمولی سے معمولی لغزشوں سے لے کر بڑے سے بڑے کارناموں تک سب کچھ ہی درج کر دیا گیا ہے!"

انسان کی سب سے بڑی دانائی یہی ہے کہ وہ اس دُنیا کے حالات پر غور کر کے اس کے انجام کے بارے میں ایک صحیح بات پا لے۔ انجام کا دن وہی ہوگا جب سب لوگ اپنے مالک کے حضور جمع ہوں گے اور اُس وقت سب اپنی زندگی کے پُورے کارناموں کو اور اُس کے نتیجوں کو اپنے سامنے دیکھیں گے۔

---

[1] بہت زیادہ علم رکھنے والا۔ [2] ہر بات کی پُوری پوری خبر رکھنے والا۔

جناب حکیم [illegible] صاحب

نماز

"ابا جان! میں بھی نماز پڑھنے جاؤں گا۔" احمد نے محلے کے لڑکوں کو مسجد کی طرف جاتے ہوئے دیکھ کر کہا۔

محمود درزی تھا، کپڑا سینے میں منہمک تھا۔ اسے اکلوتے بیٹے کے اس جملے نے چونکا دیا۔ غصے سے سرخ ہوکر نارنگی کی قاش والی عینک جو ایک موٹے ڈورے سے ناک پر اٹکی ہوئی تھی نوچتے ہوئے کڑک کر بولا:

محمود: "گیا تھا نہ تو بھی جماعت والوں کے اجتماع میں! بول، بولتا کیوں نہیں۔ میں نے تجھے کل ہی تو منع کیا تھا کہ ان امیروں کے لڑکوں کے ساتھ مسجد وسجد میں مت جائیو۔ بول کیوں گیا؟ ابے بولتا کیوں نہیں! کیوں گیا تھا بے تو جب میں نے منع کر دیا تھا۔"

احمد بچہ نہ تھا چودہ پندرہ سال کی عمر کا ہوشیار لڑکا تھا۔ عقل رکھتا تھا۔ باتیں سمجھتا تھا۔ اگرچہ اتنا سادہ اور نیک تھا کہ باپ کے ساتھ دکان جاتا اور بالعموم اسی کے ہمراہ واپس آتا۔ چھوٹے بچوں کی طرح باپ سے بے حد ڈرتا تھا اور اس کا ادب کرتا۔ اسی سادگی کی وجہ سے وہ اب بھی اکثر بچوں کی طرح باپ کے ہاتھوں مار کھالیتا، باپ کی یہ ڈانٹ ڈپٹ سن کر سکتے میں آ گیا۔ کل اجتماع کی باتیں اس کے دماغ میں گونج رہی تھیں۔ اس نے سوچا کہ اگر جھوٹ بولتا ہوں تو باپ کے غصے سے بچ جاؤں گا۔ مگر جھوٹ بول کر اللہ کے غصے میں پھنس جاؤں گا۔ اس نے ہمت کر کے بہت سنجیدگی کے ساتھ کہا:

احمد: "ہاں ابا! میں جماعت اسلامی کے اجتماع میں گیا تھا۔ مگر ابا وہ لوگ تو بڑے اچھے ہیں۔ بڑی اچھی اچھی باتیں بتاتے ہیں۔"

احمد کے اس سنجیدہ جواب نے محمود پر بجلی گرا دی وہ کچھ سہم سا گیا۔ یکایک نرم لہجے میں کہنے لگا:

محمود: "بیٹا ہمارے یہاں نماز نہیں سجتی، تمہارا بھائی بھی تمہاری عمر سے زائد کا ہو چکا تھا۔ انہیں مولویوں کے چکر میں پڑا نماز پڑھنے لگا، حالانکہ ہمارے گھر کبھی کوئی نماز نہیں

پڑھتا تھا۔ بس دو حرفی بات ہی کہہ دی اور ایک جھٹکے کے بعد [illegible] لیا۔ کیونکہ محمود آگے کچھ نہ کہہ سکا اور خاموش ہو گیا اور بہت دیر تک کچھ خیالات میں ڈوبا رہا ....

....

محمود قمیص کا دامن چُن کر شین چلانا ہی چاہتا تھا کہ سامنے سے احمد ننگے پیر آتا ہوا دکھائی دیا۔ چونک کر پوچھا:

محمود: "جوتا کیا ہوا؟"

احمد: "ابا! میں مسجد میں جوتا اُتار کر نماز پڑھ رہا تھا کہ اس کے بعد مولوی صاحب کی باتیں سننے لگا۔ اسی درمیان میں کوئی میرا جوتا اُٹھا لے گیا۔"

محمود نے سر پیٹ لیا جھنجلا کر بولا:

محمود: "دیکھا تو نے نماز کا کرم؟ ارے کم بخت اگر تجھے اپنی جان کی پرواہ نہیں ہے تو میرے بڑھاپے کا تو خیال کر کیوں میری اور اپنی جان کا ...."

احمد سُن کر خاموش رہا اس نے یوں ہی دل میں کہا کہ 'وہی ہوتا ہے جو منظورِ خدا ہوتا ہے۔ نماز سیکھنے کا کیا سوال ہے' یہ سب غلط چیز ہے۔ جب غائب ہونا تھا تو دُکان سے بھی غائب ہوسکتا تھا۔ ابا، یا میں اسے روک تھوڑی لیتے۔ ابھی پچھلے مہینے کی بات ہے کہ ابا جان کی چھتری بازار سے غائب ہوگئی۔ اُس دن وہ کوئی نماز پڑھنے گئے تھے۔

اگلے جمعے کو کچھ سردی تھی کیونکہ رات ہی سے بارش کا سلسلہ تھا۔ مگر احمد نہا دھو کر کپڑوں میں عطر لگا کر مسجد میں جا پہنچا۔

محمود اب اسے اکثر مسجد جاتے اور آتے ہوئے دیکھتا اور ہر بار اس کا کلیجہ ہل جاتا اور اکثر دل میں سوچتا کہ کوئی مصیبت نہ آجائے۔ مگر اب وہ عادی ہوگیا تھا۔ اور احمد کو نماز پڑھتے آٹھ دن ہو گئے تھے، اور کوئی بات بھی نہ ہوئی تھی۔ مگر آج بیٹے کا یہ اشتیاق اور لگاؤ دیکھ کر کچھ دیر تک سوچتا رہا ....

اتفاق کہیئے کہ آج احمد جب مسجد سے آیا تو بخار لے کر لوٹا۔ محمود بیٹے کو [illegible] دیکھ کر وحشی سا ہوگیا۔ قریب گیا، چہرہ تمتمایا دیکھ کر سر پہ ہاتھ رکھا، سر بخار سے [illegible] سر پکڑ کر بیٹھ گیا، آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے منہ سے کچھ آواز نکلنے لگی [illegible] رونے لگا۔ اس نے روتے ہوئے کہا۔ "بیٹا میرے کہنے کو [illegible]

بھی ہیں گے۔ میں نے کتنا کہا کہ نماز ہمارے گھر نہیں سہی مگر یہ نہیں مانتا۔ اللہ مجھے موت دے کر اسے ٹھیک کر دے۔ آہ! اب میں جینا نہیں چاہتا۔ اللہ مجھے اٹھا لے مگر اسے چھوڑ دے۔"

احمد باپ کی زبان سے اللہ کا نام سن کر یکایک چونک پڑا اور کراہتے ہوئے بولا:

احمد: "ابا!"

محمود: "بیٹا!" (دھیمے اور دکھے ہوئے دل سے)

احمد: "ابا! اللہ میاں بخار اچھا کر دیتے ہیں؟"

محمود: "ہاں بیٹا جو چاہیں تو مرتے کو اچھا کر دیں۔"

احمد: "اور چاہیں تو کسی کو مار بھی سکتے ہیں۔"

محمود: "اور ہاں مار بھی سکتے ہیں (دھیمی آواز سے)

احمد: "ہاں ابا! مولانا کہتے تھے کہ اللہ میاں ہی بیمار ڈالتے ہیں اور وہی اچھا کرتے ہیں۔ وہی اچھائی دیتے ہیں وہی برائی دیتے ہیں۔ ہر چیز کا مالک وہی ہے۔ مگر شیطان یہ کرتا ہے کہ جب کسی کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ یہ سمجھاتا ہے کہ فلاں نیک کام کرنے سے یہ تکلیف پہنچی ہے تاکہ آدمی اللہ کی طرف متوجہ نہ ہونے پائے۔ ابا! مولوی صاحب یہ کہتے تھے کہ اگر آدمی نیک کام پر جما رہے اور نماز پڑھکر اللہ سے دعا کرے تو اللہ سب مصیبت دور کرتا ہے.....

تو ابا ہم نہیں چھوڑیں گے، آپ بھی نماز پڑھنے چلیے اور اللہ سے دعا کیجیے۔ جب اللہ میاں سب کچھ کرتا ہے تو ضرور اچھا کر دے گا۔ ابا آپ اپنے لیے مرنے کو یوں کہتے ہیں، کیا اللہ میاں بغیر بدلے کے نہیں اچھا کر سکتا۔ مولانا کہتے تھے کہ اللہ کو کچھ ضرورت نہیں وہ سب کچھ کر سکتا ہے۔"

بھولے احمد کی بات باپ کے دل کو لگ گئی۔ محمود اپنے بیٹے کے سر پر ہاتھ رکھے ہوئے محبت سے بات سنتا رہا۔ عصر کے وقت باپ بیٹے دونوں نماز کو گئے۔ مغرب کے وقت تک بخار ہلکا ہوگیا۔ دوسرے دن احمد بالکل اچھا تھا۔

محمود کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی کہ سب کچھ اللہ کرتا ہے — مگر شیطان یہ سمجھاتا ہے کہ یہ تکلیف فلاں نیک کام کرنے کی وجہ سے پہنچی.......

اُٹھو راہِ حق میں بڑھو راہِ حق میں
اَڑو راہِ حق میں ہٹو راہِ حق میں

عبادت یہی ہے
اطاعت یہی ہے

سُنو راہِ حق میں کہو راہِ حق میں
لکھو راہِ حق میں پڑھو راہِ حق میں

عبادت یہی ہے
اطاعت یہی ہے

رکو راہِ حق میں جُھکو راہِ حق میں
چلو راہِ حق میں پھرو راہِ حق میں

عبادت یہی ہے
اطاعت یہی ہے

ملو راہِ حق میں کٹو راہِ حق میں
لڑو راہِ حق میں مٹو راہِ حق میں

عبادت یہی ہے
اطاعت یہی ہے

رہو راہِ حق میں بَسو راہِ حق میں
جیو راہِ حق میں مَرو راہِ حق میں

عبادت یہی ہے
اطاعت یہی ہے

آباد شاہ پوری

ایک بھکاری بچّے کا خط

(وزیر اعظم پاکستان کے نام)

اچھے وزیر اعظم

میں کئی دن سے آپ کو یہ خط لکھنے کا ارادہ کر رہا تھا۔ مگر ہمت نہ پڑتی تھی۔ آپ تک پہنچے یا نہ۔ اگر پہنچ بھی جائے تو کہیں آپ ناراض نہ ہو جائیں۔ آپ بڑے آدمی ٹھیرے۔ دادی اماں کہتی ہیں بڑے لوگوں کو غصہ بڑی جلد آجاتا ہے۔ پر آج آپ کے غصّے کی پرواہ نہ کرتے ہوئے خط لکھنے بیٹھ ہی گیا ہوں۔ اس وقت کل کی مار سے میرا انگ انگ دکھ رہا ہے، آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہیں اور کانوں میں لاتیں، مکّے اور تھپڑ گونج رہے ہیں۔ یہ مار مجھے جیب کاٹنے کے الزام میں پڑی۔ مگر آپ سچ مانیے میں جیب کترا نہیں ہوں۔ نہ میں نے کسی کی جیب کترنے کی کوشش ہی کی تھی۔ میں اُس وقت تو مار سہار گیا پر گھر میں قدم رکھتے ہی میری چیخیں نکل گئیں۔ دادی اماں بھی رو پڑیں۔ ساری رات وہ مجھے ٹکور کرتی رہیں اور میں دَرد سے کراہتا رہا۔ اور آج میں نے طے کر لیا ہے چاہے کچھ بھی ہو۔ میں آپ کو خط ضرور لکھوں گا:

اچھے وزیر اعظم! آپ اس خط کو ایک بھکاری کا خط سمجھ کر پھاڑ کر نہ پھینک دیں۔ میں آج بھکاری ضرور ہوں مگر کل نہ تھا۔ یہ کل ہی کی بات تو ہے، جب میں دلّی میں اپنے ابّا، امّی، دادی اماں جان، زبیدہ آپا اور منیرہ باجی کے ساتھ رہتا تھا۔ سبزی منڈی کے ڈاک خانہ کے سامنے جو سڑک لال مسجد کو جاتی ہے اُسی سڑک پر ہمارا مکان تھا۔ اوپر کی منزل میں ہم خود رہتے تھے اور نیچے کا حصّہ کرائے پر دے رکھا تھا۔ ابّا جان علی گڑھ کے ایم۔ اے تھے اور بڑے لاٹ صاحب کے دفتر میں نوکر تھے۔ علی گڑھ میں نے نہیں دیکھا۔ پر میں نے چوتھی کی کتاب میں پڑھا ہے۔ وہاں مسلمانوں کا بہت بڑا سکول ہے، شاید آپ نے تو وہ اسکول دیکھا ہوگا۔ ہمارے مکان کی پچھلی گلی میں ہندوؤں کے گھر بھی تھے۔ ہم سب ہندو مسلمان بھائی بھائی کی طرح امن چین کے ساتھ رہتے تھے۔ ڈاکٹر کیلاش سے ابّا جان کی دانت کاٹی دوستی تھی۔ ہم سب بچّے ان کو چچا جان کہتے تھے۔ امّی جان، زبیدہ آپا اور منیرہ باجی ڈاکٹر کیلاش کے گھر جاتی تھیں، اور اُن کے گھر کی عورتیں ہمارے یہاں آتی تھیں۔ زبیدہ آپا اور سوشیلا بڑی پکی سہیلیاں تھیں۔ چچا جان کا لڑکا کیدار میری ہی عمر کا تھا اور ہم دونوں بھی ابّا جان اور چچا جان کی طرح جگری دوست تھے۔ ہم سب لوگ بڑے آرام سے رہ رہے تھے۔ نہ کوئی لڑائی نہ جھگڑا، سب بھائی بھائی بن کر گذر کر رہے تھے۔ کہ حالات نے پلٹا کھایا۔

ایک روز میں سکول سے گھر آرہا تھا۔ راستے میں میں نے بہت سے مسلمانوں کو چاند تارے والا ہرا جھنڈا

اُٹھائے جلوس کی شکل میں آتے دیکھا۔ وہ لوگ نعرے لگا رہے تھے' پاکستان زندہ باد... مسلم لیگ زندہ باد ـــــ جلوس تو پہلے بھی مَیں نے کئی دیکھے تھے' مگر پاکستان کا نام اس روز مَیں نے پہلی بار سُنا۔ ابّا جان دفتر سے آئے مَیں نے پوچھا' پاکستان کیا ہے ـــ کہنے لگے' مسلمانوں کے بننے والے دیس کا نام ہے "یہ دیس کہاں بنے گا؟" مَیں نے حیران ہو کر پوچھا۔ "اسی ہندوستان میں" اُنھوں نے جواب دیا۔ "اسی ہندوستان میں؟" میں نے دوبارہ پوچھا۔ "ہاں اسی ہندوستان میں"۔ وہ بولے۔ پھر ابا جان نے کھول کر بتایا کہ انگریز اب ہندوستان کو آزاد کر کے اپنے دیس جانے والے ہیں۔ ہندو چاہتے ہیں انگریزوں کے جانے کے بعد سارے دیس میں ان کا راج ہو' اور مسلمان ان کے نوکر بن کر رہیں۔ پر مسلمان کہتے ہیں ہم ہندو کے نوکر بن کر نہیں رہیں گے۔ ہندوستان کے جن علاقوں میں مسلمان زیادہ ہیں وہ مسلمانوں کو دے دیے جائیں' اور جہاں ہندو زیادہ ہیں وہ ہندوؤں کو۔ پھر ابّا جان نے پوچھا "ریاض بیٹا جانتے ہو' پاکستان میں کس کا راج ہوگا؟" مَیں نے کہا "مسلمانوں کا۔" کہنے لگے "نہیں' وہاں اللہ پاک کا راج ہوگا' اللہ کا بھیجا ہوا قانون چلے گا اور سب لوگ اللہ پاک کی مرضی کے مطابق رہیں گے۔ پھر پوچھا: "اچھا بتاؤ' اللہ کا بھیجا ہوا قانون کون سا ہے"۔ مَیں نے کہا "اسلام" کہنے لگے "شاباش بیٹا شاباش. پاکستان میں اسلام ہی کی بادشاہی ہوگی"۔ ابّا جان کی باتیں سُن کر مَیں بڑا خوش ہوا۔ مَیں نے کوئلہ سے اپنے مکان کی دیوار پر موٹے موٹے حرفوں میں "پاکستان زندہ باد" لکھ دیا۔ کیدار مجھ سے ملنے آیا تو کہنے لگا: "یہ پاکستان کیا چیز ہے؟" مَیں نے کہا "تم نون مرچ بیچنے والے بنیوں کے لونڈے ہم مسلمانوں پر راج کرنا چاہتے ہو' پر ہم ایسا نہیں ہونے دیں گے۔ ہم اپنا الگ دیس بنائیں گے۔ اسی دیس کا نام پاکستان ہے۔" کیدار میری باتیں چپ چاپ سُنتا رہا' مگر وہ بڑا حیران نظر آتا تھا۔

دوسرے روز مَیں اس کے گھر گیا تو دروازے اور دیواروں پر چاک سے موٹا موٹا لکھا ہوا تھا: "اکھنڈ ہندوستان زندہ باد" مَیں بھی بازار سے چاک لے آیا اور اُس کے نیچے ہی لکھ دیا ـــ "لے کے رہیں گے پاکستان" شام کو بازار سے واپس آیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ہمارے دروازے پر چاک سے لکھا ہوا ہے: "نہیں بنے گا پاکستان اکھنڈ رہے گا ہندوستان"۔

اُدھر زبیدہ آپا اور سوشیلا میں بھی یہی جنگ چھڑی ہوئی تھی۔ ابّا جان اور چچا جان بھی کچھ کچھ نظر آنے لگے۔ رنت نئے نعرے لگتے رہے اور نفرت بڑھتی رہی۔ ایک روز ابّا جان دفتر سے آئے تو اُنھوں نے بتایا کہ بہار میں مسلمانوں پر ہندو بڑا ظلم کر رہے ہیں' انھیں لوٹ مار رہے ہیں' ان کی بستیاں جلا رہے ہیں۔ مجھے ہندوؤں سے اور زیادہ نفرت ہو گئی۔ اب تک تو ہم لوگ کبھی کبھی کیدار کے یہاں چلے جاتے تھے۔ مگر اب جانا بالکل بند کر دیا۔ ابّا جان روز دفتر سے آکر ہندوؤں کے ظلم کے واقعات بیان کرتے: آج فلاں گاؤں میں ہندوؤں نے مسلمانوں

قتل کر ڈالا' فلاں گاؤں کو آگ لگا دی' فلاں بستی کی مسلمان عورتوں کو پکڑ کر لے گئے۔ یہ خبریں سُن سُن کر مجھے ہندوؤں پر بڑا ہی غصہ آتا' پر دانت پیس کر رہ جاتا۔ ایک روز میں ڈاک خانے کے پاس کھڑا تھا کہ کیدار آگیا۔ کہنے لگا: "ریاض بھیا! تم نے ہمارے گھر آنا کیوں چھوڑ دیا؟" "تم ہندو بڑے ظالم ہو' مجھے تم سے نفرت ہوگئی ہے۔ ابّا جان کہتے ہیں: تم بہار کے مسلمانوں پر بڑا ظلم کر رہے ہو" میں نے نفرت سے جواب دیا۔ "اور تم مسلمان کون سے بڑے رحم دل ہو' نواکھالی میں تم نے کیا نہیں کیا' یہ نواکھالی کا بدلہ ہے" اُس نے جل کر جواب دیا۔ "تم جھوٹ کہتے ہو' مسلمان کسی پر ظلم نہیں کرتے" میں نے کہا۔ "آئے بڑے سچے کہیں کے" وہ بڑبڑایا اور چلا گیا۔

اب یہ نفرت ہم دو گھرانوں ہی میں نہیں تھی' بلکہ پُورا محلہ اس کی لپیٹ میں آگیا تھا۔ کیدار نے اپنی عمر کے ہندو لڑکوں کی ایک سینا بنالی تھی' میں نے بھی ایک اسلامی فوج بنالی۔ کیدار کا گھر اور میرا مکان ان دونوں فوجوں کا مورچہ تھا۔ یہ دونوں فوجیں چھت پر چڑھ کر ایک دوسرے کے خلاف نعرے لگاتیں۔ ابّا جان اور چچا جان منع بھی کرتے' مگر ہم نہ مانتے۔ جونہی وہ کہیں باہر جاتے۔ دونوں فوجیں آمنے سامنے ڈٹ جاتیں اور نعرے لگنے شروع ہو جاتے۔ کبھی کبھی موقع پاکر ہم ہندو لڑکوں کو پیٹ بھی ڈالتے۔

جس روز پاکستان بنا ہماری خوشی کی حد نہ تھی۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ دلّی پاکستان میں نہیں آیا' ہم بڑے خوش تھے۔ اُس روز ہم نے جی کھول کر نعرے لگائے اور مٹھائی بانٹی۔ مگر پاکستان بننے کے ساتھ ہی یہ خبریں آنے لگیں کہ ہر جگہ مارا ماری ہونے لگی ہے۔ اِدھر بھرت پور' الور اور گوڑگاؤں کے مسلمان لُٹ لٹا کر دلّی آنے لگے۔ اُدھر پنجاب سے ہندوؤں اور سکھوں نے آنا شروع کر دیا۔ ان لوگوں کا کہنا تھا کہ مسلمانوں نے ان کا گھر بار لوٹ لیا ہے' اور یہ لوگ بڑی مشکل سے جانیں بچا کر پہنچے ہیں۔ پر مجھے تو یقین نہ آتا تھا۔ پچھلے سال چھٹی میں اوّل آنے پر ماموں جان نے کچھ چھوٹی چھوٹی کتابیں لا کر دی تھیں۔ ان میں لکھا تھا کہ مسلمان کسی پر ظلم نہیں کرتے۔ اپنے جانی دشمنوں کو بھی معاف کر دیتے ہیں۔ پھر بھلا پنجاب کے مسلمان ہندوؤں اور سکھوں کو کیوں مارنے لگے۔ یوں ہی ڈر کے مارے بھاگ آئے ہوں گے۔ دن بہ دن ہندوؤں اور سکھوں کی تعداد زیادہ ہونے لگی۔ گلیوں اور سڑکوں پر ہر طرف یہی لوگ دکھائی دیتے تھے۔ اِدھر طرح طرح کی جھوٹی خبریں اُڑ رہی تھیں۔ رفتہ رفتہ حالت اتنی خراب ہوگئی کہ مسلمان باہر نکلتے ہوئے بھی گھبراتے تھے۔ پھر دلّی میں بھی مارا ماری ہونے لگی۔ ہندوؤں کے محلے میں اگر کوئی مسلمان بھولے بھٹکے جا نکلتا تو وہ اُسے ختم کر دیتے اور مسلمانوں کے ہاتھ کوئی ہندو آجاتا تو وہ اُسے قتل کر دیتے۔ ایک روز خبر ملی کہ ہندو اور سکھ سبزی منڈی کے مسلمانوں پر حملہ کرنے والے ہیں۔ ہم سب بڑے گھبرائے' اور ایک روز سچ مچ حملہ ہوگیا۔ ڈر کے مارے ہمارے منہ پیلے پڑ گئے۔ پر ابّا جان نے یہ کہہ کر ڈھارس بندھائی' ڈرو مت اللہ حافظ ہے۔ مسلمان اللہ کے سوا اور کسی سے

نہیں ڈرتے، نعرے لگتے رہے، گولیاں چلتی رہیں۔ پتھر برستے رہے۔ پھر فوج آگئی اور اُس نے حکم دیا کہ سب مسلمان فوراً گھروں سے باہر نکل آئیں۔ فساد کی آگ پر قابو پانا مشکل ہوگیا ہے۔ اور ان کی جانیں اسی طرح بچ سکتی ہیں۔ حکم پاتے ہی سب مسلمان اپنے گھروں کو چھوڑ کر خالی ہاتھ باہر سڑک پر جمع ہوگئے۔ ہر طرف افراتفری مچی ہوئی تھی۔ اسی افراتفری میں کئی عورتیں بُرقعے تک نہ لے سکیں۔ یہاں سے ہم سب فوج کی نگرانی میں جامع مسجد پہنچے، یہاں کئی روز ٹھہرے رہے۔ پھر پُرانے قلعے چلے گئے۔ جہاں دلّی کے ہزاروں مسلمان پہلے ہی جمع تھے۔ پُرانے قلعے میں ہم دو ڈھائی مہینے تک پڑے رہے۔ یہاں تک کہ پاکستان جانے والی گاڑیاں چلنی شروع ہوگئیں۔ آپ کو یاد ہوگا۔ ایک گاڑی امرتسر کے نزدیک کٹی تھی۔ اسی گاڑی میں ہم سب سوار تھے۔ ابّا جان، امی جان، ماموں جان، ممانی جان، خالہ جان اور منیرہ باجی تو وہیں ماری گئیں۔ زبیدہ آپا کو سکھ پکڑ کر لے گئے۔ میں لاشوں کے تلے دب جانے سے بچ گیا۔ اور دادی امّاں کو ان ظالموں نے اس لیے جیتا چھوڑ دیا کہ وہ اپنے خاندان کی بربادی کا صدمہ جھیل جھیل کر جان دیں۔ اس طرح گھر کے نو آدمیوں میں سے ہم دو زندہ پاکستان پہنچ سکے۔

پاکستان پہنچ کر دادی اماں نے بڑی کوشش کی کہ کسی گھر میں نوکری مل جائے۔ مگر انھیں بُڑھیا جان کر کوئی بھی نوکر رکھنے پر تیار نہ ہوا۔ آخر بہت دوڑ دھوپ کے بعد ایک گاؤں کے زمیندار کے یہاں پانچ روپے مہینہ اور روٹی کپڑے پر جگہ مل گئی۔ دادی امّاں نے کچھ روز تو کام کیا، مگر زمیندار کی عورت بڑی تنک چڑھی تھی، بات بات پہ ٹوکتی اور ہر کام میں مین میخ نکالتی۔ زمیندار بھی لفنگا سا آدمی تھا۔ ایک روز دادی امّاں سے کہنے لگا بُڑھیا تو کسی کام کی بھی نہیں۔ اس چھوکرے کی بجائے کوئی جوان چھوکری ہی [illegible] ساتھ ہوتی۔ تب بھی کوئی بات تھی۔ دادی اماں کو نہ جانے کیوں غصّہ آگیا۔ انھوں نے نوکری چھوڑ دی۔ [illegible] پھر شہر میں آگئے۔ شہر پہنچ کر دادی امّاں نے پھر کوشش کی۔ پر کچھ نہ بنا۔ میں بھاگا دوڑا کہ کہیں مجھے ہی [illegible] مل جائے۔ پر اس میں بھی ناکامی ہوئی۔ تنگ آکر بھیک مانگنے لگا۔ اب اور کر بھی کیا سکتا تھا۔

اچھے وزیرِ اعظم! جب ہم دلّی میں تھے تو ابّا جان پاکستان کے متعلق بڑی عجیب باتیں سُنایا کرتے۔ پاکستان میں اسلام کا راج ہوگا، قرآن کا قانون چلے گا، امیر غریب سب ایک نظر سے دیکھے جائیں گے، اور غریبی جاتی رہے گی، کوئی شخص بے کار نہ ہوگا، ہر شخص کے کھانے کمانے اور رہنے سہنے کا انتظام حکومت کرے گی، مگر یہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ وہ سب باتیں خواب تھیں۔ ابّا جان ان دنوں کہا کرتے: ریاض بیٹا! خوب جی لگا کر پڑھا کرو، تاکہ بڑے ہوکر پاکستان کی خدمت کرسکو۔ اگر آج ابّا جان زندہ ہوتے، تو وہ دیکھتے کہ ان کا بیٹا ریاض پاکستان کی کتنی بڑی خدمت کر رہا ہے۔ وہ دن بھر شہر کے گلی کوچوں

ارا مارا پھرتا ہے، لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلاتا ہے، ان کی گالیاں سنتا ہے گڑگڑیاں سہتا ہے۔ اور اگر کوئی
للہ کا بندہ اس پر ترس کھا کر کچھ دے دیتا ہے تو اُس سے اپنا اور اپنی بوڑھی دادی کا پیٹ پالتا ہے۔

اچھے وزیرِ اعظم! میں اکثر سوچا کرتا ہوں، کیا ابا جان، امی جان، اور ماموں جان نے اپنا خون اس
لیے بہایا تھا کہ ان کا بیٹا اور بھانجا بھیک مانگ کر اپنا اور اپنی دادی کا پیٹ پالے۔ رات کو جب ساری
دنیا سو جاتی ہے، میرے کان میں آوازیں آنے لگتی ہیں جیسے زبیدہ آپا دُور سرحد پار سے مجھے پکار
رہی ہیں اور کہہ رہی ہیں، ریاض بھیا تم مجھے بھول گئے، دیکھو میں کتنی مصیبت میں ہوں، کیا تم مجھے
اس مصیبت سے نہ نکالو گے۔ پر زبیدہ آپا کا بھیا ریاض کیا کر سکتا ہے، وہ بے بس ہے، بارہ برس کا بے بس
بھکاری۔

مجھے وہ تاریخ ٹھیک یاد نہیں، آپ کو تو یاد ہی ہوگی۔ وہ جس روز آپ نے تقریر کی تھی کہ اب
پاکستان میں اسلام کا قانون چلے گا۔ میں نے یہ تقریر مٹھائی والے کی دکان پر ریڈیو سے سنی تھی۔ وہاں
اور بھی بہت سے لوگ کھڑے ہوئے تھے۔ بڑی اچھی تقریر تھی۔ میں نے دادی اماں کو خوش خبری سنائی کہ اب
پاکستان میں خالص اسلام کا راج ہوگا۔ ہمارے خدا نے کا نظام حکومت کرے گی۔ اب میں بھیک مانگنا
چھوڑ دوں گا۔ بھیک مانگنے سے اللہ میاں ناراض ہو جاتے ہیں۔ ماموں جان کہتے تھے جو لوگ بھیک
مانگتے ہیں قیامت کے روز اُن کے چہرے پر گوشت نہ رہے گا۔ دیکھو تو میرا چہرہ ابھی سے کتنا سوکھ
گیا ہے۔ پھر میں سکول میں داخل ہو جاؤں گا۔ اور جی لگا کر پڑھوں گا۔ تمہیں یاد ہے نا دادی اماں! ابا جان
کہا کرتے تھے۔ میرا بیٹا ریاض بڑا ہی ذہین اور محنتی ہے۔ خدا نے چاہا تو بڑا آدمی بنے گا۔ مگر دادی اماں!
میں ایسا بڑا آدمی نہیں بنوں گا جو لوگوں کو دُکھ دیتے ہیں۔ اس رات کو ہم دیر تک جاگتے رہے ——
میں دادی اماں کو اس اسلامی راج کی باتیں سناتا رہا، جو تیرہ سو سال پہلے عرب میں قائم ہوا تھا۔
یہ باتیں مجھے ابا جان اور ماموں جان نے بتائی تھیں۔ میں نے دادی اماں کو بتایا کہ ایک مرتبہ مسلمانوں
کے بادشاہ حضرت عمرؓ رات کو شہر کا چکر لگاتے ہوئے شہر سے باہر نکل گئے وہاں دیکھا کہ ایک خیمے میں
ایک عورت بیٹھی ہے، چولھے میں آگ جل رہی ہے اور اُس پر ہنڈیا دھری ہے۔ اس عورت کے چھوٹے
چھوٹے بچے رو رہے تھے۔ عورت ہنڈیا میں چمچ ہلاتی جاتی تھی اور کہتی جاتی تھی ذرا ٹھہرو ابھی کھانا
پک جاتا ہے۔ حضرت عمرؓ کھڑے دیکھتے رہے۔ جب بہت دیر ہو گئی اور بچے اسی طرح روتے رہے
تو آپ سے نہ رہا گیا۔ آپ خیمے کے اندر چلے گئے اور پوچھا: "بہن! تو ان بچوں کو کھانا کیوں نہیں
دیتی کب سے رو رہے ہیں۔" وہ کہنے لگی "کھانا ہے ہی کہاں جو انھیں کھلاؤں میں تو انھیں بہلا رہی ہوں۔

آپ نے دیگچی کا ڈھکن اُٹھا کر دیکھا، پانی میں پتھر کے ٹکڑے تھے اور پانی اُبل رہا تھا۔ آپ فوراً شہر میں واپس آئے، اور خزانے سے آٹے کی بوری اور گھی کا کنستر اُٹھا کر خیمے میں پہنچے۔ بچے رو دھو کر سو گئے تھے۔ آپ نے خود آٹا گوندھا، سالن پکایا اور روٹیاں پکا کر بچوں کو اُٹھایا۔ اور انھیں کھانا کھلایا۔ جب بچے کھانا کھا کر خوش خوش سو گئے تو حضرت عمرؓ نے عورت سے کہا۔ بہن تو نے حضرت عمرؓ سے اپنا حال جا کر کیوں نہ کہا، کہ وہ تیرا اور تیرے بچوں کا روزینہ مقرر کر دیتے۔ وہ کہنے لگی: "اللہ عمرؓ کو ہلاک کرے، یہ اس کا کام ہے کہ وہ دیکھ بھال کرے، کہ اُس کی رعایا میں کوئی بھوکا تو نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ عورت کی بد دعا سُن کر کانپ اُٹھے اور کہنے لگے: اچھا کل تم عمرؓ کے دربار میں آنا۔ مَیں وہیں ہوں گا، تمھارا وظیفہ مقرر کرا دوں گا۔ دوسرے روز وہ عورت حضرت عمرؓ کے دربار میں گئی اور اُنھوں نے اُس کا وظیفہ مقرر کر دیا۔ دادی امّاں چُپ چاپ سُنتی رہیں، مگر وہ اُسی طرح اُداس تھیں، شاید اُنھیں ابّا جان یاد آ رہے تھے۔ یا پھر اُنھیں یقین نہیں آ رہا تھا کہ پاکستان میں خالص اسلام کا راج قایم ہو گیا ہے۔

دوسرے دن میں بھیک مانگنے نہ گیا، دن بھر دادی امّاں کو پُرانی اسلامی حکومت کی باتیں سُناتا رہا۔ دن توکل کے مانگے ہوئے پیسوں سے نکل گیا۔ شام ہوتے بھوک لگنے لگی، سُورج ڈوب گیا، اور مَیں انتظار کرتے کرتے تھک گیا۔ ذرا سا کھٹکا ہوتے ہی میری آنکھیں باہر کی طرف دیکھنے لگتیں، کہ اب آپ یا آپ کا کوئی افسر ہمارے لیے کھانا لے کر آیا۔ مگر باہر بالکل خاموشی تھی۔ اور کوئی شخص بھی نظر نہ آتا تھا۔ اسی طرح راہ دیکھتے دیکھتے میری آنکھ لگ گئی۔ صُبح اُٹھا تو بھوک بڑے زوروں کی لگ رہی تھی، مَیں سوچنے لگا۔ شاید کل رات آپ ہمارے لیے کھانا لانا بھُول گئے۔ لیکن آج بھی میں نے بھیک نہ مانگی اور آپ بھُول گئے تو کیا بنے گا۔ یہ سوچ کر مَیں باہر نکلا۔ سڑک پر ایک شریف آدمی جا رہا تھا۔ مَیں نے اُس سے کہا: "بابوجی! مَیں اور میری دادی امّاں کل شام سے بھوکے ہیں۔ مَیں کل بھیک مانگنے اس لیے نہ گیا تھا کہ ہمارے وزیرِ اعظم نے اسلامی حکومت بننے کا اعلان کر دیا ہے۔ اور اب ہمارے کھانے کا انتظام خود حکومت کرے گی۔ پر راہ تکتے تکتے رات گذر گئی اور حکومت کا کوئی افسر ہمارے لیے کھانا لے کر نہیں آیا خدا کے لیے ہم پر رحم کیجیے .... وہ شخص چلتے چلتے رُک گیا۔ اُس نے غور سے میری طرف دیکھا، اپنی جیب میں ہاتھ ڈال کر اٹھنّی نکالی اور مجھے دیتے ہوئے بولا: بچے!

اسلامی حکومت ضرور قایم ہو گی۔ پر اُن لوگوں سے نہیں جن کی تقریروں سے تم آس لگائے بیٹھے ہو۔ میں اٹھنی لے کر گھر چلا آیا۔ اب میں روز بھیک مانگنے جاتا ہوں۔ اس بات کو بہت دن ہو چکے ہیں۔ میں اسے بالکل بھول گیا تھا۔ مگر کل جب میں بھیک مانگنے نکلا تو اخبار بیچنے والا چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا۔ اسلام ہی ہمارے دُکھوں کی دوا ہے۔ وزیر اعظم کا ارشاد۔ یہی بات آپ نے اُس روز بھی کہی تھی۔ اگر سچ مچ اسلام ہمارے دُکھوں کی دوا ہے۔ تو یہ دوا ہم بیماروں کو کب دی جائے گی۔ کیا اُس وقت جب ہماری جان نکل جائے گی۔

اچھے وزیرِ اعظم! شاید آپ سمجھتے ہیں کہ لوگ آپ کی تقریریں سُن کر پہلے کی طرح واہ واہ کرنے لگتے ہیں۔ نہیں، اب وہ زمانہ نہیں رہا۔ میں نے اپنے کانوں سے لوگوں کو یہ کہتے سُنا ہے کہ وزیر اعظم اب بھی ہمیں اُلو بنانا چاہتے ہیں۔

اچھے وزیرِ اعظم! اب تقریروں سے کچھ نہ بنے گا۔ اگر آپ سچ مچ اسلام کا راج قایم کرنا چاہتے ہیں تو ملک کی باگ ڈور ایسے ہاتھوں میں دیجیے جو اس کام کو کرنا جانتے ہیں۔ لوگ کہتے ہیں یہ آپ کے بس کی بات نہیں۔ یہی بات کہنے کے لیے میں آپ کو کئی دنوں سے خط لکھنے کا ارادہ کر رہا تھا۔ پر ہمت نہ پڑتی تھی کل اخبار بیچنے والے کی زبان سے آپ کا ارشاد سُن کر اور پھر اس سپاہی کی مار نے مجھے مجبور کر دیا کہ میں آپ کو خط لکھوں۔ اُمید ہے، آپ اس خط سے ناراض نہ ہوں گے۔

(ایک بھکاری بچہ) (ماہنامہ رحیل)

ہمارے وہ ایجنٹ

جنھوں نے ابھی تک اپنا حساب صاف نہیں کیا ہے، دو باتیں نوٹ کرلیں:

(۱) وہ اپنی سُستی کی وجہ سے ہمارے کام میں رُکاوٹ کا سبب بن رہے ہیں، اور اس طرح ہمارے پیش نظر مقصد کو جو نقصان پہنچ رہا ہے اس کے لیے وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہ ہوں گے۔ ہمارا مشورہ یہی ہے کہ روزِ جزا کی داروگیر کے مقابلے میں اگر وہ یہیں اپنا حساب صاف رکھیں تو بہتر ہے (۲) اگر پاکستانی ایجنٹ صاحبان نے اپنا حساب اس ماہ میں صاف نہیں کیا تو اُنھیں رسالت نمبر نہیں بھیجا جا سکے گا۔

ہندوستان کے جملہ ایجنٹ صاحبان کو رسالت نمبر معہ سابقہ حساب ذریعہ وی۔ پی روانہ ہوگا۔ "منیجر"

اکبر بادشاہ

(۱)

مغل بادشاہوں میں اکبر مشہور بادشاہ ہوا ہے۔ یہ بابُر کا پوتا اور ہمایوں کا بیٹا تھا۔ ہندوستان میں جتنے بھی مسلمان بادشاہ ہوئے ہیں ان میں یوں تو کسی نے بھی ایسی حکومت نہیں کی جیسی حکومت اسلام چاہتا ہے۔ اسلام تو بادشاہی کو غلط جانتا ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ باپ بادشاہ ہو تو بیٹا بھی بادشاہ بنا دیا جائے۔ مسلمانوں کا حاکم تو خلیفہ ہوتا ہے۔ جسے سب اچھے مسلمان مل کر چُنتے ہیں اور پھر وہ اُن پر اللہ کے قانون اور اُس کی مرضی کے مطابق حکومت کرتا ہے۔ ہندوستان میں کبھی کوئی اسلامی حکومت نہیں ہوئی۔ مسلمان بادشاہوں کی "بادشاہی" رہی۔ اُن بادشاہوں میں اگر کوئی اسلام پر چلنے والا ہوا تو رعایا کو سُکھ اور چین مل گیا، نہیں تو وہی راجا مہاراجوں والی لُوٹ کھسوٹ ہوتی رہی۔

اکبر کو اسلام سے بڑا بَیر تھا۔ اس کے دربار میں فیضی اور ابوالفضل جیسے لوگ موجود تھے جو اس کو بہکایا کرتے تھے۔ اسلام پر چلنا انھیں بالکل پسند نہیں تھا۔ وہ نماز کا مذاق اُڑاتے تھے۔ اللہ کی کتاب کو جھوٹا جانتے تھے، مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کو ہنسی ٹھٹھا سمجھتے تھے، جنت دوزخ کی ہنسی اُڑاتے تھے، اللہ کے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بُری باتیں مُنھ سے نکالتے تھے، آپ پر الزام لگاتے تھے۔ یہاں تک کہ احمدؐ اور محمدؐ نام رکھنے کو بھی بُرا جانتے تھے۔ جن لوگوں کے نام احمد اور محمد ہوتا تھا اُن کے نام بدل دیے جاتے تھے۔

اکبر کے دیوان خانے میں کوئی نماز نہیں پڑھ سکتا تھا۔ ابوالفضل نے نماز، روزہ، حج، اور زکوٰۃ کا خوب مذاق اُڑایا، شاعروں نے پھبتیاں کہیں۔ اور آہستہ آہستہ اکبر اور اُس کے درباریوں کے خیالات باہر بھی پھیلنے لگے۔

اب اکبر کو ایک نئے مذہب کی سوجھی۔ اس نے چاہا اسلام اور ہندو مت

ملا کر ایک نیا مذہب نکالے، اور اس طرح اپنی بادشاہی کی جڑوں کو مضبوط کرے۔ اس کے دربار میں بہت سے ہندو خوشامدی بھی تھے۔ انھوں نے اکبر کو اور ہی پٹی پڑھانا شروع کی۔ اُنھوں نے کہا ہمارے یہاں یہ لکھا ہے کہ اس زمانے میں ایک گئو رکشک (گائے کی حفاظت کرنے والا) مہاتما بادشاہ پیدا ہوگا۔ اسی طرح دولت کے بھوکے مولویوں نے بھی کہنا شروع کر دیا کہ بادشاہ تو خدا کا سایہ ہے۔

عام لوگوں کو دھوکا دینے کے لیے کہا جانے لگا کہ سچائی سب مذہبوں میں موجود ہے۔ ہر مذہب خدا تک جانے کا راستہ ہے۔ سب راستے اُس تک ہی پہنچاتے ہیں۔ خدا نے کوئی ایک دین نہیں بھیجا ہے۔ سب مذہب اُسی کے بتائے ہوئے ہیں۔

اکبر نے جو نیا مذہب نکالا تھا، اُس کا نام "دینِ الٰہی" رکھا تھا۔ اس نے کلمہ سے "محمد رسول اللہ" کے الفاظ نکال کر "اکبر خلیفۃ اللہ" کے الفاظ رکھے تھے۔ جو لوگ دینِ الٰہی اکبر شاہی میں داخل ہوتے تھے اُنھیں چیلا کہا جاتا تھا۔ یہ لوگ آپس میں ملتے تھے تو اسلام کے بتائے ہوئے ڈھنگ سے سلام نہیں کرتے تھے، ایک کہتا تھا "اَللّٰہُ اَکْبَرُ" دوسرا کہتا تھا "جَلَّ جَلَالُہٗ"

یہ تو آپ جانتے ہی ہوں گے کہ اکبر بادشاہ کا نام جلال الدین تھا۔ چیلوں کو بادشاہ کی تصویر دی جاتی تھی جسے وہ اپنی پگڑی میں لگاتے تھے۔ بادشاہ کی پوجا "دینِ الٰہی" میں ضروری تھی۔ ہر روز صبح سویرے بادشاہ کا درشن کیا جاتا تھا۔ جو لوگ اُس کے سامنے آتے تھے وہ اُسے سجدہ کیا کرتے تھے۔ بڑے بڑے مولوی اور پیر جو بادشاہ کے ٹکڑوں پر پلتے تھے بلا جھجک سجدہ کرلیا کرتے تھے اور اس سجدے کے لیے اُنھوں نے نئے نئے نام گڑھ لیے تھے۔

ہندوؤں کو خوش کرنے اور اپنی بادشاہی کو مضبوط کرنے کے لیے اکبر نے گائے کا گوشت حرام کیا۔ ہندو تیوہار دیوالی، دسہرہ، شیوراتری وغیرہ دھوم دھام سے منائے جانے لگے۔ بادشاہ کے محل میں "ہون" ہونے لگا۔ دن میں چار بار سورج کی پوجا کی جاتی تھی۔ اور سُورج کے ہزار ناموں کا جاپ کیا جاتا تھا۔ ماتھے پر تلک لگایا جاتا تھا، گائے کی پوجا کی جاتی تھی۔

آپ نے دیکھا اکبر کو اسلام سے کتنا بَیر تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ وہ نام کا مسلمان تھا۔ نہیں تو اُس سے بڑا کافر اور اسلام کا دشمن کوئی اور بادشاہ نہیں ہوا ہے۔ اس نے ایسی چال چلی تھی کہ وہ تو اسلام کا نام ہی ہندوستان سے مٹا دیتا لیکن اللہ کو ابھی اس ملک میں اسلام کا نام باقی رکھنا تھا۔ اللہ نے چاہا تو اگلے رسالے میں آپ کو بتائیں گے کہ یہاں اسلام کیسے باقی رہا+ (باقی)

(بچوں کے ہندی رسالے "اُجالا" سے)

Regd. No. A. - 306. "ALHASANAT" RAMPUR, U. P.

إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ

بلاشبہ نیکیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں

نمبران ۱۱ و ۱۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مہینے میں دو بار شائع ہونے والا

رسالہ

الحسنات

رام پور

جو

مسلمان گھرانوں کی اصلاح کے لیے نہایت مفید ثابت ہوا ہے

۱۹۵۰ء

مدیر: ابو سلیم محمد عبدالحی

چندہ: سال بھر کے لیے ۲۴ رسالے ۔ پانچ روپے آٹھ آنے
چھ ماہ کے لیے ۱۲ رسالے ۔ تین روپے
اس پرچے کی قیمت ۔ ۸

فہرست مضامین

محمد عبدالحی طابع و ناشر نے مرتضٰی برقی پریس رامپور میں چھپوا کر دفتر الحسنات رام پور یو۔ پی سے شائع کیا

احساسات

پچھلے کئی رسالوں میں آپ یہ پڑھ چکے کہ فساد اور بدامنی کی اصل وجہ کیا ہے، اور آپ نے یہ بھی جان لیا کہ لوگ اپنے اپنے طریقے پر اس بُرائی کو دُور کرنے کی جو تدبیریں بتاتے ہیں وہ کس قدر ناکام ہیں اور ان میں سے کسی تدبیر سے بھی مدعا حاصل نہیں ہو سکتا ــــــ اب ہم آپ کو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اس مرض کا اصل علاج کیا ہے۔

اب تک جو باتیں آپ کو بتائی جاچکی ہیں، اُن سے یہ بات آپ اچھی طرح سمجھ چکے ہوں گے کہ ہر طرح کے فساد کی جڑ وہ سبق ہیں جو ہم نے یُورپ سے سیکھے ہیں، خدا سے بے نیازی، اس زندگی کے بعد کسی دوسری زندگی کا انکار، اور قوم پرستی۔ یہی وہ لعنتیں ہیں جو انسانیت کے سُکھ اور چین کو برباد کرنے والی ہیں۔ دُنیا والوں کے لیے امن اور سلامتی کا ایک ہی راستہ ہے، اور وہ یہ کہ وہ اس سارے عالم میں سب سے پہلے اپنا مقام سمجھیں اور اللہ کی دی ہوئی عقل کی روشنی میں یہ پتہ لگا لیں کہ ان کے لیے صحیح راہ کیا ہے۔ دُنیا کی پچھلی تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ انسان کو سچّا امن اُسی وقت نصیب ہوا جب اس نے اپنے آپ کو آزاد اور بے لگام سمجھنے کے بدلے اس جہان کے مالک کے سامنے جواب دہ اور ذمّے دار سمجھا اور اس دُنیا میں جو کچھ کیا وہ اِس زندگی کو مقصود بناکر کرنے کے بدلے ایک اور آنے والی اور ہمیشہ رہنے والی زندگی کو مقصود بناکر کیا۔

آپ یہ بات بلا کسی دقّت کے سمجھ سکتے ہیں کہ کسی شہر میں امن قایم کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہاں کا انتظام کسی ایک ہی کے ہاتھ میں ہو۔ یہی بات دُنیا کے بارے میں بھی سچ ہے۔ دُنیا میں بھی امن قایم کرنے کے لیے سب سے پہلی ضرورت یہی ہے کہ دُنیا کے بسنے والے ایک ہی حاکم کی رعایا بن کر رہیں۔ یوں تو یہ بات ہمیشہ سے سچّی تھی، لیکن اب تو ساری دُنیا سچ مچ ایک شہر ہی بن گیا ہے۔ آنے جانے کی

آسانیاں، ریڈیو، تار اور ہوائی جہاز کی سہولتوں نے دُنیا کے ملکوں کے فاصلوں کو بالکل ہی ناقابلِ لحاظ کر دیا ہے۔ اور اب یہ سب ایک دوسرے سے ایسے ہی قریب ہیں جیسے کسی شہر کے مختلف محلّے۔ اس حالت نے تو ان لوگوں کو بھی جو اب تک اس دُنیا کو بے خدا کی دُنیا سمجھتے ہیں یہ کہنے پر مجبور کر دیا ہے کہ جب تک دُنیا کا نظام ایک نہ ہوگا امن قائم نہیں ہو سکتا۔

اب آپ ہی سوچیے ساری دُنیا کس کو اپنا حاکم مانے؟ کس کے حکموں پر زندگی گذارنے کا فیصلہ کرے ـــــ یہ درجہ نہ کسی ایک انسان کو دیا جا سکتا ہے اور نہ کسی ایک قوم کو اور نہ ہی اس کام کے لیے مختلف ملکوں اور مختلف قوموں کے چُنے ہوئے آدمیوں کی کوئی پارٹی مناسب ہو سکتی ہے۔

دُنیا کی بدامنی اور فساد کی سب سے بڑی وجہ یہی ہے کہ لوگوں نے اس دُنیا کے سچے مالک کو چھوڑ کر جھوٹے حاکم بنا لیے ہیں۔ اس دُنیا پر حکومت کرنے کا حق اُسی کو حاصل ہے جس نے اسے پیدا کیا ہے اور جو اس کو زندہ رکھتا ہے، جو اس کائنات کا انتظام کر رہا ہے، اور جس کے جلائے سب جی رہے ہیں۔ وہی انسان کا اور اس کی پُوری زندگی کا حاکم ہے، اور جب تک انسان اس حاکم کی اطاعت اور تابعداری سے بھاگتا رہے گا اور اپنی زندگی کے لیے دوسروں کو حاکم بناتا رہے گا، بگاڑ جوں کا توں موجود رہے گا ـــــ وہی ایک ذات ایسی ہے جس کو سب اپنا حاکم مان بھی سکتے ہیں۔ وہ کسی ملک اور کسی قوم کا خدا نہیں ہے، وہ کائنات کا رب اور پُورے سنسار کا خدا ہے۔ سب اُسی کی رعایا ہیں۔ لہٰذا سچے امن اور چین کے لیے پہلی ضروری بات یہ ہے کہ انسان اُس خدا کو جو اس جہان کا مالک ہے اپنا اور اپنی پوری زندگی کا آقا اور مالک مان لے۔

دُنیا کے بسنے والے انسان اپنی اصل کے اعتبار سے ایک ہی ہیں۔ یہ سب ایک ہی باپ اور ایک ہی ماں کی اولاد ہیں، اور اس اعتبار سے رنگوں کا فرق، نسلوں کا فرق، ملکوں کا فرق، یا زبانوں کا فرق یا کوئی اور فرق ایسا نہیں ہو سکتا جو انسانوں کو بنیادی طور پر الگ الگ کر دے ـــــ دُنیا کے امن کے لیے اس سچی بات کو بھی بار بار سامنے

لانا ہوگا۔ جو لوگ انسانیت کو تقسیم کرتے ہیں اور رنگ، نسل، ملک یا زبان جیسی باتوں کو سامنے رکھ کر انھیں الگ الگ کرتے ہیں، وہ در اصل سارے عالم کے امن کے لیے سب سے زیادہ مضر ہیں۔ امن اور چین کے ساتھ زندگی بسر کرنے کے لیے جو اصول بھی پیش کیے جائیں وہ سب انسانوں کے سامنے پیش کرنا چاہییں۔ جو لوگ صرف کسی ایک ملک یا کسی ایک نسل کے لوگوں کے لیے کچھ اچھی باتیں پیش کرتے ہیں وہی امن کے سب سے بڑے دشمن ہیں۔ ایسے لوگ کسی ایک ملک یا ایک نسل کی بھلائی اور بہتری کے لیے سوچا کرتے ہیں، لیکن انھیں یہ نہیں معلوم ہوتا کہ اس طرح وہ عالم کے امن کے ساتھ سب سے بڑی دشمنی کرتے ہیں۔

سچے امن اور چین کے لیے دوسری ضروری بات یہی ہے کہ دُنیا کی بھلائی کے لیے جو کچھ پیش کیا جائے وہ سب انسانوں کو ایک سمجھ کر پیش کیا جائے۔ انسانیت کو تقسیم کر دینے کے بعد امن کے خیال کو ایک خواب ہی سمجھنا چاہیے۔

آپ جانتے ہیں کہ زندگی بسر کرنے کے لیے بہر حال کچھ قاعدوں اور ضابطوں کی ضرورت ہے۔ دُنیا کے امن و امان کا مدار بڑی حد تک ان قاعدوں اور ضابطوں پر ہی ہے۔ اگر آپ نے اپنی زندگی میں کچھ غلط قاعدے اور غلط اصول اختیار کر لیے تو زندگی کا بگاڑ یقینی ہے۔ دُنیا کی اصلاح کے لیے ایسے ضابطوں کی بہر حال ضرورت ہے جن پر انسانی زندگی کو چلایا جا سکے ـــــ جو لوگ آج کل امن تلاش کر رہے ہیں اور انھیں کسی طرح امن میسر نہیں آتا، ان کی سب سے بڑی غلطی جس کی وجہ سے انھیں ناکامی ہو رہی ہے، یہ ہے کہ وہ اپنی زندگی کے لیے ضابطے بنانے کا کام خود ہی کرنا چاہتے ہیں ـــــ انسان کی عقل بہت تھوڑی ہے۔ اس کے ساتھ خواہشات بھی لگی ہوئی ہیں، اس کو پچھلی تاریخ کا پُورا اور صحیح علم نہیں، اور آئندہ کے بارے میں تو وہ یہ بھی نہیں جانتا کہ ابھی ایک سکنڈ بعد کیا ہونے والا ہے۔ پھر انسانی زندگی کے واسطے ایک مکمل ضابطہ بنانے کے لیے سارے انسانوں کی فطرت کا جاننا اور ان سب کی ضروریات کا اندازہ لگانا انتہائی ضروری ہے۔ کوئی ایک انسان یا بہت سے انسان مل کر بھی یہ کام نہیں کر سکتے۔

ایسا ضابطہ بنانا در اصل انسان کا کام ہی نہیں ہے۔ یہ کام اُسی ہستی کا ہے جس نے انسان کو بنایا ہے، جس نے اس کے زندہ رہنے کے لیے آسمانوں سے بارش کا انتظام کیا ہے۔

زمین کو سورج سے گرم کیا ہے، ہواؤں کو زندگی کا سبب بنایا ہے، مٹی کو دانا اُگانے کی طاقت بخشی ہے۔ غرض یہ ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انسان کو دُنیا میں زندہ رکھنے کے لیے اُس نے ساری کائنات کو خدمت پر لگا رکھا ہے ـــــ ذرا سوچیے تو سہی یہ سارا سامان تو فقط زندگی باقی رکھنے کے لیے ہے۔ لیکن زندگی کس طرح گذاری جائے؟ زندگی گذارنے کے لیے کیا ضابطہ اور کیا طریقہ ہو؟ یہ ضرورت تو زندگی کے سارے سامانوں سے بڑھ کر ہے۔ یوں بے ضابطہ اور بے قاعدہ زندگی تو سارے جاندار ـــ حیوان، کیڑے، مکوڑے اور پرندے ـــــ گذارتے ہی ہیں، انسان تو ایسی زندگی بسر نہیں کرسکتا، اس کو تو زندگی کے ساتھ ساتھ زندگی کے ضابطے کی بھی ضرورت ہے ـــــ تو کیا آپ ایک لمحے کے لیے بھی یہ سوچ سکتے ہیں کہ جس رب نے اس ساری کائنات کی قوتوں کو انسان کے زندہ رہنے کے لیے کام پر لگا رکھا ہے اُس نے انسان کی اس سب سے بڑی ضرورت کا کوئی انتظام نہ کیا ہوگا؟ ـــــ ایسا نہیں ہے۔ ایسا ہو بھی نہیں سکتا۔ یہ بات اس کے رب ہونے کے خلاف ہے اور اُس کے انصاف سے دُور۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کی اس سب سے بڑی ضرورت یعنی اُس کی ہدایت کا انتظام اُسی دن سے کیا ہے جس دن سے اُس کو زمین پر لبایا ہے۔ سب سے پہلے انسان ـــ حضرت آدم علیہ السلام ـــ کو اللہ نے اپنا نبی بنایا۔ ان کو زندگی بسر کرنے کا صحیح ضابطہ سکھایا۔ پھر اُس کے بعد ہزاروں نبیوں کے ذریعے بار بار اس ضابطے کو بتایا۔ سب سے آخری بار یہ ضابطہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے دُنیا والوں کو بتایا۔ اس پر دُنیا کے سارے کاموں کو چلا کر دکھایا۔ اور یہ ثابت کر دیا کہ اب یہ ضابطہ رہتی دُنیا تک انسانوں کے کام آئے گا۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ آپ کی بتائی ہوئی باتیں، خاص طور پر آپ پر اُتری ہوئی کتاب ـــ قرآن شریف ـــ قیامت تک اسی صورت میں باقی رہے گی جس صورت میں یہ آپ پر اُتری تھی۔ اور یہی وہ روشنی کا منارہ ہے جس سے بھٹکے ہوئے مسافروں کو قیامت تک صحیح منزل کا نشان ملتا رہے گا۔

پیچھے امن اور چین کے لیے انسانی زندگیوں کو اللہ کے اُتارے ہوئے ضابطے کے موافق بنانا پڑے گا۔ جو زندگیاں اس ضابطے کے خلاف دوسروں کے بنائے ہوئے ڈھنگ پر ڈھالی جائیں گی وہ سوائے بد امنی اور فساد کے کچھ نہ کرسکیں گی۔

جہاں تک ایسے لوگوں کا تعلق ہے جو اللہ کے رسولوں کو مانتے، قیامت پر یقین رکھتے اور اللہ کی آخری کتاب پر ایمان لانے کا دعویٰ کرتے ہیں اس بات کا سمجھنا کچھ مُشکل نہ ہونا چاہیے کہ وہ اپنی پُوری زندگی کو اسی ضابطے کے موافق ڈھال لیں جو اللہ کے رسولوں نے ہر زمانے میں بتایا اور سکھایا ہے اور جس کی آخری اور مکمل شکل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مکمل زندگی اور اللہ کی اُتاری ہوئی کتاب —— قرآن شریف —— کی صورت میں دُنیا والوں کے سامنے پیش فرمائی ہے۔ لیکن آپ جانتے ہی ہوں گے کہ اس وقت دُنیا کی سب سے بڑی بدقسمتی یہی ہے کہ وہی لوگ جن کے پاس دُنیا کے درد کا علاج ہے خود بدترین مرضوں میں مبتلا ہیں۔ ان کی زندگیاں اس بات کی گواہی دے رہی ہیں کہ ان کے پاس کچھ نہیں ہے۔ وہ دوسروں کی طرف للچائی ہوئی نظروں سے دیکھتے ہیں۔ وہ بھٹکے ہوئے قافلوں کی طرح ہر گھنٹی کی آواز پر چل پڑتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان بے چاروں کے سفر کا کوئی مقصود ہی نہیں ہے۔ یہ جس طرف بھیڑ کو جاتا دیکھتے ہیں اُسی طرف اپنا رُخ کرلیتے ہیں ——

ایسے وقت میں آپ ہی سوچیے بھٹکی ہوئی دُنیا کو امن و امان کے راستے کی طرف لانا کیسا مُشکل کام ہے۔

مُشکل کام؟ —— اچھا یہ تو سوچیے، مُشکل کام کسے کہتے ہیں؟

فرض کیجیے کسی آبادی پر جنگلی جانور برابر حملہ کیا کرتے ہیں، جانوروں کی بڑی کثرت ہے۔ آبادی کو چاروں طرف سے گھیر رکھا ہے، جدھر نکل جائیے کوئی نہ کوئی موذی مل ہی جاتا ہے۔ ایسے وقت میں آبادی کو جانوروں سے بچانا یقیناً مشکل کام ہے۔ سخت مُشکل کام۔

دوسری صورت یہ ہے کہ جنگلی جانوروں کا خاتمہ ہو چکا ہے، پُوری بستی

چین کی نیند سوتی ہے، کہیں کہیں بڑی تلاش اور جستجو کے بعد اگر کوئی موذی جانور مل جائے تو مل جائے ورنہ چاروں طرف امن ہی امن ہے۔ ایسے حال میں بستی کو جنگلی جانوروں سے بچانے کو سب آسان ہی بات بتائیں گے۔

لیکن اب ذرا ایک اور انداز سے سوچیے۔ حکومت کی طرف سے بستی کو محفوظ رکھنے کا جو انعام مقرر ہے وہ اس پر منحصر ہے کہ آپ نے کتنے جانوروں کو مارا۔ جو شخص جتنے جانور مارے گا اُتنا ہی انعام پائے گا۔ اب ذرا بتائیے جس شخص کے سامنے انعام حاصل کرنا ہو اور جو اپنے آپ کو بستی کا ٹھیکیدار نہ جانتا ہو اُس کے لیے آسانی کی صورت کونسی ہے؟ پہلی یا دوسری؟ ـــــــ آپ جھٹ سے بول اُٹھیں گے کہ اس کے لیے تو پہلی صورت ہی آسانی کی ہے۔ جدھر جائے گا کسی نہ کسی موذی کو پائے گا۔ اب اگر وہ اپنے اندر اس جنگلی جانور کے شکار کر لینے کی قابلیت رکھتا ہے تو اُس کے لیے موقع ہے کہ وہ صبح سے شام تک جتنا چاہے انعام پانے کا بندوبست کرلے ـــــ رہ گئی دوسری صورت تو اس میں شکاریوں کی کثرت اور جانوروں کی کمی کے باعث ایک تو یوں ہی شکار ملنا دوبھر ہوگا پھر ایسے حال میں شکار کر لینا معمولی شکاری کے بس کی بات بھی نہیں رہتی، ایسے وقت تو جانور بھی بڑے ہی چالاک اور پھرتیلے ہوتے ہیں اور ان کو پھانس لینا ہر شکاری کا کام نہیں ہوتا۔

ہمارے نزدیک ایک گندے ماحول میں جب چاروں طرف اللہ سے بغاوت پھیل رہی ہو، اللہ کی خوشنودی کے لیے خیر اور اصلاح کا کام کرنا بہت زیادہ فائدہ مند ہے۔ ایسی صورت میں توقع ہے کہ کم قابلیت رکھنے والے اور بہت معمولی کام کرنے والوں کو بھی ان کے کام کی اُجرت کچھ زیادہ ہی مل جائے گی۔ ایک مومن جو دُنیا میں نیکی پھیلانے اور بدی کو مٹانے کا کام کرتا ہے، وہ اپنے آپ کو اس کا ٹھیکیدار نہیں جانتا کہ دُنیا سے بُرائی کو مٹا ہی دے۔ وہ تو اپنے مالک کو خوش کرنا چاہتا ہے اور اپنے بس بھر کام کر کے ایسے حال میں اپنے رب کے حضور جانا چاہتا ہے کہ اس پر اس کی کسی کوتاہی کا الزام نہ ہو، اور وہ یہ معذرت پیش کرسکے کہ اپنی حد تک کوشش کرنے کے بعد بھی وہ دُنیا کی رفتار کو بدل نہ سکا۔

نیکی پھیلانے اور بدی کو روکنے کا کام کچھ ایسا نہیں ہے کہ اس کا تعلق بس مسلمانوں سے ہی ہو۔ اور اس ملک میں جہاں ہم بستے ہیں وہاں تو کسی طرح بھی کوئی نتیجہ نکل ہی نہیں سکتا اگر ہم اپنے اصلاحی کاموں کا دائرہ صرف مسلمانوں تک محدود رکھیں۔ جب تک کسی ملک کے اکثر لوگ کسی ایک بات کو نہیں اپنا لیتے ہیں اُس وقت تک اس بات کا کوئی نتیجہ نہیں نکل سکتا۔ ہمارے نزدیک ملک کے امن اور سلامتی کے لیے پہلے قدم کچھ باتوں کی سخت ضرورت ہے۔ جب تک ان باتوں کی حد تک ملک کے اکثر لوگوں کے ذہنوں میں تبدیلی نہیں پیدا ہو جاتی اس وقت تک فساد، بدامنی اور بے چینی کو دُور کرنا ممکن نہیں ہے اگر یہ مان لیا جائے کہ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ کبھی ہندوستان اور پاکستان کے بسنے والوں میں مختلف فرقوں کا وجود باقی نہ رہے، اکثریت والا فرقہ اقلیت والے فرقے کو یا تو نکال باہر کر دے، یا وہ اس میں اس طرح گُھل مل جائے کہ اس کا کوئی علیحدہ وجود ہی باقی نہ رہے۔ لیکن ہمارے نزدیک ایسی صورت پیدا ہو جانے کے بعد بھی امن و امان نہ ہندوستان میں قائم ہو سکتا ہے اور نہ پاکستان میں —— امن اور چین قائم ہونے کے لیے کچھ باتوں کی بُنیادی طور پر ضرورت ہے۔

(۱) زیادہ سے زیادہ لوگوں کے دلوں میں یہ یقین پیدا کیا جائے کہ یہ دُنیا بغیر خدا کی دُنیا نہیں ہے اس کا ایک آقا اور مالک ہے۔ وہی اس دُنیا کا اور ہم سب کا حاکم ہے۔ اور یہ کہ وہ خدا صرف اس لیے نہیں ہے کہ بس اُسے مان لیا جائے اور اپنے اپنے طریقے پر اُس کی کچھ پوجا پاٹ کر لی جائے۔ بلکہ ہمیں اپنی پُوری زندگی میں اُس کا بندہ بن کر رہنا چاہیے۔

(۲) زندگی بس یہی زندگی نہیں ہے، بلکہ اس زندگی کے بعد ایک اور زندگی بھی ملنا ہے، اور اس زندگی میں ان سب کاموں کا اچھا یا بُرا بدلہ پانا ہے جو ہم یہاں کرتے ہیں —— یہ بات بھی بس مان لینے کی ہی نہیں ہے بلکہ لوگوں کی پُوری زندگی اور اس کے تمام کاموں سے اس بات کا پتہ چلنا چاہیے کہ وہ سچ مچ آنے والی زندگی کا یقین رکھتے ہیں اور اسی لیے وہ کوئی کام ایسا نہیں کر سکتے جس کے بُرے نتیجے دوسری زندگی میں مل کر رہیں گے، اور یہ کہ ان کی ساری دوڑ دُھوپ ان کاموں کے لیے ہے جو انھیں آئندہ زندگی میں اچھا پھل دے سکتے ہیں۔

(۳) انسان اپنی زندگی کے لیے خود کوئی مکمل ضابطہ بنا لے یہ اس کے بس کی بات نہیں ہے، بلکہ اسے اپنی زندگی کے لیے اُسی قانون کو اختیار کرنا چاہیے جس کا آنا اُس مالک کی طرف سے ثابت ہو جو اس جہان کا سچا حاکم اور آقا ہے ——— یہ بات غلط ہے کہ ملک کسی کا ہو اور حکم کسی کا چلے۔

اوپر لکھی ہوئی تین بنیادیں ایسی ہیں کہ بہت تھوڑے ہی ہٹ دھرم ایسے ملیں گے جو ان سے اصولی حد تک انکار کریں۔ انکار جہاں سے شروع ہوتا ہے وہ ان اصولوں کی تفصیل اور تشریح ہے۔ مثلاً خدا کو مان لینے کے بعد اور اُس کی تمام صفتوں پر ایمان لے آنے کے بعد زندگی میں جن تبدیلیوں کا کرلینا آپ کے نزدیک ضروری ہو ممکن ہے کہ دوسرے لوگ اُس سے پُورا پُورا اتفاق نہ کریں۔ اسی طرح دوسری زندگی کی تفصیل میں آپ جنت، دوزخ اور حساب و کتاب پر ایمان لائیں اور دوسرے لوگ اس کی کوئی اور صورت پیش کریں یا اللہ کی مکمل ہدایت آپ قرآن شریف میں پائیں لیکن دوسرے لوگ اس بارے میں آپ سے اتفاق رائے نہ کریں، تو اس موقع پر ہمیں یہ کوشش نہ کرنا چاہیے کہ پہلے یہ اختلافات ختم ہولیں تب آگے قدم بڑھایا جائے۔ بلکہ ہمیں اپنی کوششوں کو دو سمتوں میں لگا دینا چاہیے:

(۱) جہاں تک غیر مسلموں کا تعلق ہے ان سے اس وقت ہم یہی مطالبہ کریں کہ وہ اوپر بیان کیے ہوئے تین اصولوں کو بنیاد مان کر لوگوں کی اصلاح کا کام کریں۔ خدا سے بے نیازی، اچھے یا بُرے کاموں کے نتیجوں کی طرف سے بے پرواہی اور زندگی کے لیے اپنے یا دوسرے انسانوں کے بنائے ہوئے اصولوں پر دارومدار کو ختم کریں۔ اور اس کے بدلے سماج میں ایسے لوگ پیدا کریں جو خدا سے ڈرتے ہوں۔ اس زندگی کے بعد آنے والی زندگی کو مقصود بناتے ہوں، اور زندگی کے لیے خدائی ضابطوں اور خدائی قوانین کو تلاش کرکے اُن پر چلنے کے لیے آمادہ ہوں ــ اس طرح ہمیں اُمید ہے کہ ملک میں ایک طرف تو انسانیت کی بُنیادیں مضبوط ہوں گی، درندگی اور بربریت کا خاتمہ ہوگا اور لوگوں میں ایسا کیرکٹر پیدا ہونے لگے گا جس پر بھروسہ کیا جا سکے جبتک کوئی اس قسم کا ابتدائی کام نہ ہولے اور ذہنوں سے آزادی اور بے لگامی کی اس

کیفیت کو ختم نہ کر دیا جائے جو الحاد اور انکار آخرت کا لازمی نتیجہ ہیں، لوگوں کو اللہ کی صحیح بندگی کے لیے تیار کرنا ممکن نہیں ہے۔

(۲) جہاں تک مسلمانوں کا معاملہ ہے ان میں سے جلد سے جلد ایسے افراد کو چھانٹ لیا جائے جو اپنی زندگی سے اسلامی اصولوں کو پیش کرنے کی جرأت رکھتے ہیں اور جو بہر حال مسلمان جینا اور مسلمان مرنا چاہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو اپنے عمل اور اپنے روز مرہ کے معاملات سے یہ بات دکھانا چاہیے کہ اللہ کی بندگی اختیار کرنے کے بعد کیسے آدمی بنتے ہیں۔ بہت زمانہ ہوچکا ہے جب سے لوگوں نے یہ دیکھا ہی نہیں ہے کہ اللہ پر سچا ایمان رکھنے اور اُس کو ہی اپنا آقا اور مالک مان لینے کے بعد انسان کی زندگی میں کیسی تبدیلیاں پیدا ہو جاتی ہیں، جب تک خالص خدا پرستی کے چلتے پھرتے نمونے دُنیا کے سامنے نہیں آئیں گے یہ سمجھانا بہت مشکل ہے کہ اللہ پر ایمان لانے کا واقعی مطلب کیا ہے۔ اسی طرح ان لوگوں کو یہ بھی دکھانا ہوگا کہ آخرت پر ایمان زندگی میں کیا اصلاح پیدا کرسکتا ہے۔ اکثر لوگ دوسری زندگی پر ایمان لانے یا اس کو اپنا مقصود بنانے کا مطلب کچھ یہ جانتے ہیں کہ انھیں اس دُنیا کے کاموں سے بے تعلق ہوجانا پڑے گا اور شاید آخرت پانے کے لیے دُنیا کا چھوڑنا ضروری ہے۔ اسلام آخرت کی زندگی کے لیے دُنیا کو چھوڑنے کا مطالبہ نہیں کرتا۔ وہ تو اس زندگی کو آخرت کی زندگی کی کھیتی بتاتا ہے۔ اب یہ کام مسلموں کا ہے کہ وہ دُنیا کو دکھائیں کہ آخرت کی خاطر دُنیا کا کام کرنے والے کس طرح اس زندگی کی رونق بڑھاتے ہیں۔ اور اللہ کی رضامندی کے لیے وہ دُنیا کو چھوڑتے نہیں ہیں بلکہ اُسے سجاتے اور سنوارتے ہیں۔ بہت زمانے سے دُنیا والے اس تصور کو بھی بھلا چکے ہیں۔ وہ دُنیا اور آخرت کو ایک دوسرے کی ضد جانتے ہیں۔ صحیح اصلاح کے لیے اس خیال کو بھی درست کرنا ہوگا۔

بہت سے لوگ پُوری سنجیدگی کے ساتھ یہ سمجھتے ہیں کہ زندگی کے لیے قانون بنانا خود ان کا اپنا ہی کام ہے۔ اگرچہ وہ اپنے بنائے ہوئے قانون کو بار بار ناکام ہوتے ہوئے دیکھتے ہیں، لیکن ان کے ذہن میں یہ بات نہیں آتی کہ ان کی ناکامی کا سبب یہ ہے کہ وہ ایک ایسا کام کرنا چاہتے ہیں جو ان کے کرنے کا نہیں ہے۔ ایسے لوگوں کے اطمینان کے لیے ایک ایسے سماج کی ضرورت ہے جو اللہ کے بتائے ہوئے ضابطوں

اور قانون پر چل کر دکھا سکیں کہ ان ضابطوں سے انسانی زندگی میں کس طرح سُدھار پیدا ہوتا ہے۔ مسلمان اس وقت اللہؐ کی ہدایت اور اُس کے رسول کے لائے ہوئے دین کے حامل ہونے کے مدعی ہیں۔ انھیں اس بات پر فخر ہے کہ اللہؐ کی سب سے بڑی نعمت ـــــ یعنی اُس کی ہدایت ـــــ ان کے پاس موجود ہے۔ لیکن شاید انھیں معلوم نہیں ہے کہ اس دعوے اور اس فخر کے بعد ان کی ذمّے داری کس قدر بڑھ جاتی ہے ـــــ اس وقت دُنیا والے امن اور سکون کے بھوکے ہیں، وہ اپنے سوچے ہوئے سیکڑوں طریقوں کو آزما چکے ہیں اور ابھی کچھ اور تجربے کرنے والے ہیں۔ ایسے حال میں وہ لوگ جو ایک آزمایا ہوا علاج جانتے ہیں اس بات کے ذمّے دار ہیں کہ دُنیا میں فساد بدامنی اور جنگ کیوں ہورہی ہے۔ انھیں اپنے مالک کو اس بات کا جواب دینا ہوگا کہ ایسے حال میں اُنھوں نے اللہؐ کی نعمت کا حق ادا کیوں نہیں کیا اور دُنیا والوں کو ایک ایسا کامیاب نظام قایم کرکے کیوں نہ دکھایا جو ان کو مطمئن کرسکتا۔

الحسنات کے بہت سے پڑھنے والے تھوڑے ہی دنوں میں دُنیا کے کاروبار خود سنبھالیں گے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک مسلمان پر جو ذمّے داریاں ہوتی ہیں وہ سب ان پر بھی آ پڑیں گی۔ ایسے وقت میں اگر انھیں یہ معلوم ہوگا کہ ان کے کرنے کا کام کیا ہے اور انھیں دُنیا کے رُخ کو کدھر پھیرنا ہے۔ تو ہمیں اُمید ہے کہ وہ زمانے کی ہوا کے رُخ پر چلنے کے بدلے اس کا مقابلہ کریں گے اور اس طرح دُنیا کی کامیابی اور آخرت کی سرفرازی حاصل کریں گے +

الحسنات کے تیسرے خاص نمبر "**رسالت نمبر**" کا اعلان تو آپ عرصے سے دیکھ رہے ہیں۔ اب انشاءاللہ تعالیٰ اس رسالے کے بعد آپ رسالت نمبر ہی پڑھیں گے۔ یہ رسالہ دسمبر اوّل و دوم یک جائی شائع کیا جارہا ہے تاکہ اس کے بعد کام کرنے والوں کو رسالت نمبر کی تیاری کے لیے یکسوئی حاصل ہوسکے اور اس خاص نمبر کو آپ کے لیے زیادہ سے زیادہ مُفید بنا کر پیش کیا جاسکے۔ اس رسالے میں

صفحات کے بجائے ۸۰ صفحات سے زائد کے مضامین دیے جا رہے ہیں۔ اشتہارات وغیرہ کے صفحات ان کے علاوہ ہیں۔

یوں تو زندگی کے جس شعبے سے بھی اخلاق اور دیانت کو نکال دیا جائے وہی ب ہو جاتا ہے، لیکن ڈاک کا شعبہ اگر بد اخلاقی اور بد دیانتی پر اتر آئے تو نظام ، بہت زیادہ خرابی آ سکتی ہے، ہمیں افسوس ہے کہ زندگی کے دوسرے شعبوں طرح محکمۂ ڈاک کے لوگوں میں بھی اخلاق اور دیانت کا وہ معیار نہیں ہے جو نا چاہیے۔ رسائل کے گم ہونے اور خطوط کے نہ پہنچنے کی شکایتیں آئے دن آتی رہتی ں، لیکن جب کوئی خاص نمبر نکلتا ہے تو اس شکایت کا بھی گزجہ خاص ہو جاتا ہے۔ م رسائل کی نسبت خاص نمبران بہت زیادہ ضائع ہوتے ہیں۔ وہ تو یہ کہیے کہ سنات چونکہ لوگوں کے اس بازاری۔ ذوق کو پورا نہیں کرتا جس کے وہ عام طور پر کار ہیں، اس لیے الحسنات پر غالباً دوسرے رسالوں کی بہ نسبت کم ہاتھ صاف رتا ہے، مگر پھر بھی دوبارہ بھیجنے کی اوسط اچھی خاصی رہتی ہے۔

رسالت نمبر کے ضائع ہونے کے امکانات کچھ زیادہ ہی ہیں، اور غالباً ہم ، خاص تعداد سے زائد دوبارہ بھیجنے کی بھی ہمت نہیں رکھتے اس لیے جن صاحبان ے یہاں ڈاک کا انتظام قابلِ اطمینان نہیں ہے وہ چار آنے کے ٹکٹ (ہندوستانی ٹکٹ) بھیج کر رجسٹری کے ذریعے منگائیں۔ پاکستان کے خریداران ۴ر منی آرڈر کے ذریعے دفتر فبار کوثر بھیج دیں اور ہمیں مطلع کر دیں۔ البتہ اگر آپ اپنا رسالہ کسی ایجنٹ صاحب سے خریدتے ہیں تو آپ کو اس بارے میں کسی فکر کی ضرورت نہیں ہے۔

ایک بات اور قابلِ اظہار ہے۔ اگرچہ ہمیں اس کے ظاہر کرنے سے بہت تکلیف سوس ہوتی ہے ـــــ الحسنات جس حلقے میں جاتا ہے اور الحسنات کے مطالعے ے جس قسم کا ذہن بنتا ہے ہمیں یہ اعتماد ہے کہ وہ لوگ دیانت، اخلاق اور پابندی کے معاملے میں دوسرے عام لوگوں سے کچھ بہتر ہی ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہم آج تک پورے بھروسے اور پورے اعتماد کے ساتھ اپنے ایجنٹ صاحبان کو رسائل بھیجتے رہے

اور اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ہمارے گمان کے مطابق ان میں سے اکثر معاملے کے کھرے اور دیانت دار ہی ثابت ہوئے، لیکن پھر بھی ہمیں افسوس ہے کہ ہمارا معاملہ کچھ ایسے لوگوں سے بھی پڑ گیا جو اس بارے میں کمزور ثابت ہوئے۔

ہماری مالی حالت گویا کہ کچھ نہ ہونے کے برابر ہے۔ پھر بھی یہ محض اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ الحسنات کو آج تک اپنی مالی مشکلات کے بارے میں اپنے پڑھنے والوں سے ایک لفظ بھی کہنے کی حاجت نہیں ہوئی ——— لیکن اب ہمارے بعض ایجنٹ صاحبان کے "کرم" کی وجہ سے ہمیں مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے اگر یہ صاحبان ہماری واجب الادا رقمیں بروقت ادا کرتے رہیں تو ہمیں دشواری کا سامنا نہ کرنا ہو۔ لیکن باوجود اس کے کہ ہم ان سے کچھ طلب نہیں کرتے بلکہ ان رسائل کی قیمت ہی طلب کرتے ہیں جو وہ فروخت کر چکتے ہیں اور جس کا کمیشن حاصل کر لیتے ہیں، مگر پھر بھی ہمیں وقت پر رقمیں نہیں ملتیں اور اس طرح بلا وجہ ہماری مشکلات میں اضافہ ہوتا ہے۔

اس مرتبہ یہ طے کر لیا گیا ہے کہ رسالت نمبر صرف انھیں لوگوں کو بھیجا جائے گا جن کے معاملے کی طرف سے ہمیں پورا پورا اطمینان ہو۔ ہندوستان میں رہنے والوں کو یہ نمبر وی۔ پی کے ذریعے جائے گا۔ جس کے ساتھ ان کا کل سابقہ مطالبہ بھی شامل ہوگا۔ اور پاکستان کے ایجنٹ صاحبان کو اس وقت تک رسالہ نہیں بھیجا جائے گا جب تک کہ ان کا سابقہ حساب بیباق نہ ہو جائے اور دس آنے فی رسالے کے حساب سے رسالت نمبر کے لیے پیشگی رقم داخل نہ ہو جائے۔ ایجنٹ صاحبان براہِ کرم بروقت اس کا انتظام کر لیں۔

اگر آپ رسالہ کسی ایجنٹ سے خریدتے رہے ہیں تو آپ اُن سے رسالت نمبر بھی طلب کریں۔ اگر وہ جنوری ۱۹۵۱ء کے پہلے ہفتے میں آپ کو رسالت نمبر نہ دے سکیں تو سمجھ لیجیے کہ ان کا معاملہ صاف نہیں ہے۔ ہم ایسے ایجنٹوں کو رسالہ نہیں بھیجیں گے۔ ایسی صورت میں آپ سے یہ درخواست ہے کہ آپ اپنے ایجنٹ پر زور ڈالیے کہ وہ ہمارا حساب جلد سے جلد صاف کر دیں اور بلا وجہ ہماری راہ کا پتھر نہ بنیں۔

رسالت نمبر کے لیے اب تک جو کچھ ہو چکا ہے اور جس قسم کے مضامین اس کے لیے حاصل کیے جا چکے ہیں ان کے پیشِ نظر ہمیں توقع ہے کہ آپ اس مجموعے کو اس موضوع پر بالکل انوکھا اور سب سے پہلا مجموعہ پائیں گے۔ خدا کرے یہ مجموعہ آپ کے لیے مفید اور اس مقصد کے لیے کامیاب ثابت ہو جس کے پیشِ نظر اسے شائع کیا جارہا ہے اور اللہ تعالیٰ ہماری حقیر کوششوں کو قبول فرمالے۔ یہی اس کا سب سے بڑا کرم ہے جہاں تک ظاہری حُسن اور خوب صورتی کا تعلق ہے انشاء اللہ آپ اسے پہلے دونوں نمبروں سے بڑھا چڑھا پائیں گے۔

رسالت نمبر

ایجنٹ صاحبان کے لیے شرائط

رسالت نمبر کے سلسلے میں جملہ جدید اور قدیم ایجنٹ صاحبان مندرجۂ ذیل شرائط پر غور فرمالیں:

(۱) ۲۰ یا اس سے زائد رسائل منگانے والے صاحبان کو کمیشن ۲۰ فیصدی کے بجائے ۳۳ فیصدی دیا جائے گا۔ (۲) مطلوبہ رسائل کی تعداد کی اطلاع ۲۰ دسمبر تک ضرور مل جانی چاہیے ورنہ ہم رسائل اُسی تعداد میں بھیجیں گے جو آپ کے لیے مقرر ہیں (۳) ہندوستان کے جملہ ایجنٹ صاحبان کو رسالت نمبر وی۔ پی سے بھیجا جائے گا۔ اور ان کا سابقہ حساب اس میں شامل کر دیا جائے گا البتہ جو صاحبان پیشگی رقم بھیج دیں گے یا اس بارے میں خصوصی طور پر کوئی معاملہ کرلیں گے انھیں سادہ رجسٹری سے رسائل روانہ کیے جا سکتے ہیں۔ (۴) پاکستان کے جن ایجنٹ صاحبان کے نام ہماری رقم باقی ہے وہ فوراً اپنا سابقہ حساب بیباق کردیں اور تخمیناً ۱ر فی رسالہ کے حساب سے رسالت نمبر کے لیے پیشگی رقم دفتر کوثر گوال منڈی لاہور بھیج دیں اور ہمیں فوراً مطلع کردیں۔ جو صاحبان اپنا سابقہ حساب بیباق نہ کریں گے انھیں رسالت نمبر نہیں بھیجا جائے گا۔ روانگی رقم کی اطلاع ہمیں زائد سے زائد آخر دسمبر تک ضرور مل جانی چاہیے۔ (۵) ایسے ایجنٹ صاحبان جن کا معاملہ اب تک صاف رہا ہے خواہ وہ پاکستانی ہوں یا ہندوستانی محض اپنا سابقہ حساب بیباق کرنے پر بھی رسالت نمبر طلب فرما سکتے ہیں اور ہماری رقم رسالت نمبر فروخت کرکے روانہ فرما سکتے ہیں۔

منیجر الحسنات رامپور یو۔ پی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَمَا نُؤَخِّرُهٗۤ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعۡدُوۡدٍ ؕ يَوۡمَ يَاۡتِ لَا تَكَلَّمُ
نَفۡسٌ اِلَّا بِاِذۡنِهٖ ۚ فَمِنۡهُمۡ شَقِىٌّ وَّسَعِيۡدٌ ۝ فَاَمَّا الَّذِيۡنَ
شَقُوۡا فَفِى النَّارِ لَهُمۡ فِيۡهَا زَفِيۡرٌ وَّشَهِيۡقٌ ۝ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا
مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالۡاَرۡضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ؕ
اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيۡدُ ۝ وَاَمَّا الَّذِيۡنَ سُعِدُوۡا
فَفِى الۡجَـنَّةِ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالۡاَرۡضُ
اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ؕ عَطَآءً غَيۡرَ مَجۡذُوۡذٍ ۝ فَلَا تَكُ
فِىۡ مِرۡيَةٍ مِّمَّا يَعۡبُدُ هٰٓؤُلَاۤءِ ؕ مَا يَعۡبُدُوۡنَ اِلَّا كَمَا
يَعۡبُدُ اٰبَآؤُهُمۡ مِّنۡ قَبۡلُ ؕ وَاِنَّا لَمُوَفُّوۡهُمۡ نَصِيۡبَهُمۡ
غَيۡرَ مَنۡقُوۡصٍ ۝

(سورۂ ھود۔ رکوع ۹)

.........ہم اُس (قیامت کے دن) کے لانے میں کچھ بہت زیادہ تاخیر نہیں کر رہے ہیں۔ بس ایک گنی چنی مدّت اس کے لیے مقرر ہے۔ جب وہ آئے گا تو کسی کو بات کرنے کی مجال نہ ہو گی۔ اِلّا یہ کہ

خدا کی اجازت سے کچھ عرض کرے۔ پھر کچھ لوگ اُس روز بدبخت ہوں گے اور کچھ نیک بخت۔ جو بدبخت ہوں گے وہ دوزخ میں جائیں گے (جہاں گرمی اور پیاس کی شدّت سے) وہ کاہیں گے اور پھنکارے ماریں گے اور اس حالت میں وہ ہمیشہ رہیں گے جب تک کہ زمین اور آسمان قایم ہیں۔ الّا یہ کہ تیرا رب کچھ اور چاہے۔ بے شک تیرا رب پورا اختیار رکھتا ہے کہ جو چاہے کرے۔ رہے وہ لوگ جو نیک بخت نکلیں گے، تو وہ جنّت میں جائیں گے، اور وہاں ہمیشہ رہیں گے جب تک زمین و آسمان قایم ہیں، اِلّا یہ کہ تیرا رب کچھ اور چاہے ایسی بخششیں ان کو ملیں گی جس کا سلسلہ کبھی منقطع نہ ہوگا۔

پس اے نبی تو ان معبودوں کی طرف سے کسی شک میں نہ رہ۔ جن کی یہ لوگ عبادت کر رہے ہیں یہ تو (بس لکیر کے فقیر بنے ہوئے) اس طرح پوجا پاٹ کیے جا رہے ہیں جس طرح پہلے ان کے باپ دادا کرتے تھے۔ اور ہم ان کا حصّہ انھیں بھرپور دیں گے بغیر اس کے کہ اس میں کچھ کاٹ کسر ہو۔

(تفہیم القرآن)

تشریح

(۱) قیامت کے بارے میں جو باتیں بتائی جاتی ہیں انھیں سُننے کے بعد فوراً یہ سوال دل میں آتا ہے کہ یہ دن کب ہوگا؟ اور اس کے آنے میں کتنی مُدّت باقی ہے؟۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اچھے یا بُرے اعمال کرنے کے لیے اس دُنیا میں مُہلت عطا فرمائی ہے اور اس طرح اس کو ہر ہر انسان کا امتحان لینا ہے کہ وہ اطاعت اور فرمانبرداری کی راہ اختیار کرتا ہے یا بغاوت اور سرکشی پر کمر باندھ لیتا ہے۔ یہ امتحان اُسی وقت ٹھیک ہوسکتا ہے جب کسی انسان کو یہ معلوم نہ ہو کہ اس کی مہلت کب ختم ہو جائے گی۔

اس لیے جس طرح انسان اپنی موت کا وقت نہیں جانتا' اسی طرح اسے یہ بھی معلوم نہیں ہوسکتا کہ دُنیا کا یہ نظام کب ختم کردیا جائے گا۔ لیکن جس طرح موت کا آنا یقینی ہے اسی طرح قیامت کے آنے میں بھی کسی شبہ اور شک کی گنجائش نہیں ہوسکتی' اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس دن کے آنے میں کچھ زیادہ دیر نہیں ہے۔

(۲) قیامت کے یقین اور جزا اور سزا پر ایمان کا دعوی کرنے کے بعد بھی بہت سے لوگوں کی زندگیوں میں اصلاح نہیں ہوتی وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہی کا اقرار کرتے رہتے ہیں' لیکن زندگی کے کاموں میں ویسے ہی بے پرواہ ہوتے ہیں جیسے کوئی ان سے پوچھنے گچھنے والا ہی نہیں۔ اس حالت کے پیدا ہونے کے بہت سے سبب ہیں' ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ کچھ لوگوں کو قیامت کے دن گناہوں کے بخشوا لینے کی غلط اُمیدیں لگ جاتی ہیں۔ یہ بے وقوف اپنی جگہ اس بھروسے میں رہتے ہیں کہ فلاں حضرت ہماری سفارش کرکے ہمیں بچالیں گے۔ فلاں بزرگ اَڑ کر بیٹھ جائیں گے اور اپنے ایک ایک نام لیوا کو بخشوائے بغیر نہ مانیں گے' فلاں صاحب جو اللہ میاں کے بڑے چہیتے ہیں مچل جائیں گے اور جس جس نے ان کا دامن تھاما ہوگا اُن سب کو جنّت میں لے جاکر ہی رہیں گے۔ حالانکہ قرآن شریف میں بار بار یہ بات بتائی گئی ہے کہ وہاں اَڑنا اور مچلنا کیسا اُس عدالت کا رُعب اور خوف تو ایسا ہوگا کہ کسی بڑے سے بڑے انسان اور کسی بزرگ سے بزرگ فرشتے کو دم مارنے کی بھی طاقت نہ ہوگی۔ اگر کوئی کچھ بھی کہے گا تو اُس شہنشاہ کی اجازت سے ہی کہہ سکے گا۔

جو لوگ اس دھوکے میں ہیں کہ اللہ کے سوا دوسروں کے آستانوں پر نذریں چڑھا کر اور نیازیں لُٹا کر وہ اپنی آخرت کے لیے کچھ سامان کر رہے ہیں انھیں یہ معلوم ہونا چاہیے کہ سفارش کے یہ جھوٹے سہارے اُس دن کچھ کام نہ آئیں گے۔ ایسے لوگوں کے لیے اُس دن مایوسی ہی مایوسی ہوگی۔

(۳) قیامت کے دن انسانوں کی تقسیم نسلوں' خاندانوں' ملکوں' رنگوں اور زبانوں کے اعتبار سے نہ ہوگی۔ اُس دن لوگوں کو الگ الگ کرنے کے لیے ایک ہی بُنیاد ہوگی ــــ جن لوگوں نے اپنے مالک کو پہچانا ہوگا اُس کی بھیجی ہوئی ہدایت کو اپنی پوری زندگی میں قبول کیا ہوگا اور دُنیا میں جو کچھ کیا ہوگا اس یقین کے ساتھ کیا ہوگا کہ ایک نہ ایک دن

انھیں اپنے کاموں کا لیکھا جوکھا اپنے مالک کے سامنے پیش کرنا ہے۔ ایسے لوگ ایک گروہ ہوں گے، نیک بخت اور خوش نصیب۔ جن لوگوں نے اس جہان کے مالک کو نہیں پہچانا ہوگا، اُس کی ہدایت سے مُنھ موڑ کر اپنی زندگی کے لیے خود اپنی خواہش کے مطابق قانون بناتے ہوں گے اور زندگی اس طرح گزاری ہوگی گویا کہ ان کو کسی کے سامنے جواب دینا ہی نہیں ہے، تو ایسے لوگ دوسرا گروہ ہوں گے ــــــ بدبخت اور بدنصیب۔

(۴) قیامت کا جو حال قرآن شریف سے معلوم ہوتا ہے اُس سے پتہ چلتا ہے کہ اُس دن زمین اور آسمان کا یہ نظام تو باقی نہ رہے گا، البتہ اُس وقت زمین اور آسمان کچھ اَور ہوں گے ــــــ کیسے ہوں گے؟ اس کا حال کچھ معلوم نہیں، اور نہ یہ ہی معلوم ہے کہ پھر وہ نظام کب تک رہے گا۔

قیامت آجانے کے بعد لوگوں کو ان کے کاموں کے لحاظ سے اچھا یا بُرا بدلہ مل جائے گا اور وہ جنّت یا دوزخ میں پہنچا دیے جائیں گے۔ وہاں وہ ہمیشہ رہیں گے جب تک کہ اس دوسری زندگی والے زمین اور آسمان قایم ہیں ــــــ لیکن جنّت میں داخل ہونے یا دوزخ میں چلے جانے کے بعد بھی انسان اللہ تعالیٰ کی قدرت سے باہر نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کو پورا اختیار ہوگا کہ اگر چاہے تو اس ہمیشہ کے عذاب سے کسی کو بچا لے اور ایک مُدّت تک عذاب بُھگتنے کے بعد اسے معاف فرما دے۔ اسی طرح کسی شخص کے جنّت میں جانے کے بعد بھی اللہ تعالیٰ مجبور نہ ہوگا کہ اسے وہاں سے نکال ہی نہ سکے، بلکہ یہ سراسر اُس کی عنایت ہوگی کہ وہ کسی شخص کو جب تک چاہے اپنی نعمتوں سے نوازے۔ لیکن اگر وہ ان کی حالت کو بھی بدلنا چاہے تو اُسے ایسا کرنے کا پورا اختیار ہوگا ــــــ وہ ہر زمانے میں ہر کام کرنے کی پوری قدرت اور پورا اختیار رکھتا ہے۔

(۶) بہت سے لوگوں کو کسی نہ کسی درجے میں یہ شُبہ رہتا ہے کہ اللہ کے سوا جو دوسروں کی بندگی میں لوگ لگے ہوئے ہیں تو شاید وہ بھی کچھ ٹھیک ہی کام ہو۔ ایسے لوگ کبھی کہتے ہیں کہ سب مذہب سچے ہیں، کبھی کہتے ہیں، سب راستے اُسی ایک مرکز تک پہنچنے کے لیے الگ الگ راستے ہیں۔ کبھی یہ دیکھ کر کہ اللہ کے سوا دوسروں

لگا کر بھی کچھ لوگ کچھ پالیتے ہیں' ان کے دل کچھ ڈھکر پکر ہونے لگتے ہیں ــــــ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ یہ بات بالکل غلط ہے انسان کو اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات پر ایمان لانے کے بعد کسی شک اور شبہ میں مبتلا نہ رہنا چاہیے۔ جب اُسے خالق' مالک اور رازق مان لے تو پھر زندگی کے کسی کام میں کسی دوسرے کی غلامی اور بندگی کا دھیان بھی دل میں نہ لائے اور اُس کے سوا کسی دوسرے سے کوئی آسرا اور سہارا نہ لگائے۔

ان آیات میں بظاہر اس بات کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا ہے لیکن مراد عام انسانوں کو بتانا ہے۔

(۷) اللہ کے سوا دوسروں کی بندگی اور پوجا پاٹ میں جو لوگ لگے ہوئے ہیں انھوں نے خود سوچ سمجھ کر کوئی فیصلہ نہیں کیا ہے انھوں نے عقل کی روشنی میں اس بات کو طے نہیں کیا ہے کہ ایک اللہ کے سوا جو اس جہان کا خالق اور مالک ہے دوسروں کی بندگی کرنا ان کے لیے ٹھیک ہے ــــــ بلکہ ان کا اس کرنا باپ دادا کی تقلید کے سوا کچھ اور نہیں ہے۔ انھوں نے اپنے بزرگوں کو جو کام کرتے دیکھا ہے اور پوجا پاٹ کی رسمیں ادا کرتے پایا ہے اُسی طرح وہ بھی ان کاموں کو کرنے لگے ہیں۔ خود سوچ سمجھ کر کوئی فیصلہ نہیں کیا ہے کہ ان کا یہ کام کیسا ہے؟۔

اگر انسان خالص عقل کی روشنی میں بات کو سمجھنے کی کوشش کرے اور معمولی سمجھ بوجھ سے بھی کام لے' تو اس کے لیے اس نتیجے پر پہنچنا مشکل نہیں ہے کہ اس جہان کا ایک پیدا کرنے والا ہے' وہی اس کا مالک اور بادشاہ ہے اور انسان کے لیے صرف یہی طریقہ ٹھیک ہے کہ وہ اُس مالک کی مرضی کو معلوم کرے' اُس کے مطابق پوری زندگی گذارے' اور اس بات کا ہمیشہ دھیان رکھے کہ جس مالک نے زندگی بخشی ہے اور زندگی گذارنے کا ایک صحیح طریقہ بتایا ہے وہ ایک نہ ایک دن ضرور یہ پوچھے گا کہ کس نے اُس کی ہدایت کے موافق زندگی گذاری اور کس نے اس سے منھ موڑا +

جناب مصطفےٰ صاحب صادق بھیروی

میرا عزم

خدائی کے دعوے جو کرتے ہیں باغی
میں اُن کی خدائی مٹا کر رہوں گا

شب و روز ڈھاتے ہیں جو ظلم ظالم
بشر کو میں اُن سے چھڑا کر رہوں گا

ترس جن کو انساں پہ آتا نہیں ہے
درندے میں ایسے بھگا کر رہوں گا

زمانے میں پھر سے نظامِ الٰہی
چلا کر رہوں گا چلا کر رہوں گا

میرے راستے میں گر آئی رکاوٹ
اُسے ٹھوکروں سے ہٹا کر رہوں گا

گروں گا جو بن کر میں سیفِ الٰہی
تو باطل کے ٹکڑے اُڑا کر رہوں گا

کریں گے جو حق کو مٹانے کی کوشش
میں ایسوں کی گردن جھکا کر رہوں گا

میں صادق ہوں سُن لو میری بات سچی
میں انساں کو انساں بنا کر رہوں گا

جناب اسمٰعیل صاحب ادیب

بڑی عزّت

مجسٹریٹ کے ہاتھ سے قلم چھوٹ پڑا' پیشکار نے ایک گہری نگاہ معصوم اور نڈر گواہ پر ڈالی:

"پھر کہو ننھے' تم اقرار کرتے ہو نا" وکیل سرکار نے بچّے کو چمکارتے ہوئے پوچھا۔

بچّے نے مشکوک نگاہوں سے وکیل سرکار کو دیکھا۔ "ہاں جی کتنی بار پوچھو گے کہہ جو دیا کہ اچھے بچّے کبھی جھوٹ نہیں بولا کرتے۔ اور پھر اقرار کرتے ہیں کہ" ابّا نے چچا رشید کو چھُرے سے مارا۔"

ہلکا سا شور دیوانِ عدالت میں بلند ہوا' ممبرانِ جیوری اور تماشائیوں نے بنظرِ حیرت اُس گواہ بچّے کی صدق بیانی دیکھی' اخبار کے نمائندوں کے قلم تیزی سے اپنی رپورٹوں پر چل پڑے' ملزم باپ نے اپنی سنجیدہ اور شفقت بھری نگاہیں بے پروائی سے بیٹے کی طرف اُٹھا دیں' اُس کی وزنی ہتھکڑیاں مُردہ ہڈیوں کی طرح کھڑکھڑائیں' ایک خزاں رسیدہ پتّے نے بڑھتی ہوئی سرگوشیوں کو روکا وکیلِ سرکار کی کرخت دار آواز فضا میں گونجی:

"می لارڈ"——— پہلے اور آخری گواہ نے ملزم کے جُرم کی گواہی دے دی۔

"مگر حضور" ملزم کے وکیل نے تڑپ کر التجا کی۔

"کیا کہنا چاہتے ہو——— عدالت تمہیں اجازت دیتی ہے" مجسٹریٹ کے پُروقار کلمات گونجے۔

ملزم کے وکیل نے تن کر کہا: "گواہ کم سن اور بے عقل بچّہ ہے——— عدالت کو اُس کی جھوٹی گواہی پر یقین نہ کرنا چاہیے۔

"جھوٹی" بچّے نے چونک کر کہا۔ ابّا جی سے پوچھ لو میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا وہ خود کہتے تھے کہ جھوٹا آدمی ہمیشہ بُرا ہوتا ہے' جھوٹے بچّے سے کوئی پیار نہیں کرتا اسی لیے میں نے بھی جھوٹ بولنا چھوڑ دیا۔"

یکایک ملزم فخر تمکنت سے مُسکرا اُٹھا' اُس کے اُداس [illegible]

مغرورانہ چمک آگئی، ہلکی سی سرد آہ بھر کر وہ دل میں بول اٹھا: "آہ میرا بچہ کس قدر صادق ہے، ایک طرف تو تباہی کے گڑھے میں اور دوسری طرف باعزت مسند پر بیٹھا نے کی کشمکش میں مبتلا ہے۔ لوگ اتنی عقیدت شاید ہی کسی بچے کی طرف ظاہر کریں جتنی کہ میرے بچے سے ہے، اگر میں اُسے جھوٹا بناتا تو غالباً آج بچ جاتا۔ مگر پھر اُس خدائے قدوس کی بارگاہ میں ذلیل ہونا پڑتا۔ عدالت کو صرف ایک گواہ، وہ بھی میرا لڑکا ملا ہے، جس کا بیان صاف مگر حکومت کے لیے کھوکھلا ہے۔ اگر میں چاہوں تو بچ سکتا ہوں، مگر کیا میرا ضمیر چُپ رہے گا۔ کیا مجھے روزِ محشر میں جواب دہی نہ کرنی ہوگی، پھر میں کیوں خاموش رہوں، اگر اقرار کروں تو کوئی آدمی ایسا نہ ہوگا جو مجھے قابلِ عزت نہ سمجھے جیسا کہ اب میرا لڑکا ایک صادق دل رکھنے کی وجہ سے سب کو متعجب کر رہا ہے —— آہ —— رشید موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا دَم توڑ رہا ہے، اُس میں بیان دینے کی سکت نہیں —— کاش میں سچ بول سکتا —— مگر انجام —— قید سخت یا پھانسی کا پھندہ —— مگر ایک نہ مٹنے والی یادگار لوگوں کے دلوں میں قایم ہو جائے گی لوگ مجھے ——

چھوٹے سے گواہ نے سب کو ذہنی کشاکش میں مبتلا دیکھ کر چونک کر پوچھا: "ابا —— آپ کیوں نہیں کہہ دیتے یہ لوگ دھوکے میں پڑے ہیں کہہ ڈالیے نا —— آپ ہی نے تو انھیں مارا ہے۔"

بد نصیب ملزم کے چہرے پر نفرت کی لہر دوڑ گئی، سراسیمگی سے اُس نے ادھر اُدھر دیکھا۔ اپنی ہتھکڑیاں کھڑکھڑائیں اور ایک دفعتاً اُمنڈنے والے خیال کو رفعت دی، اور استقلال سے بولا: "ہاں بیٹے میں سب کہہ دوں گا۔"

"عدالت سے اجازت ہے؟" متحیر مجسٹریٹ کے مُنھ سے یہ جملہ لرز کر نکلا۔

"می لارڈ —— معزز حضرات! مجھے رشید سے دوستی تھی —— وہ غریب تھا —— اس لیے میں نے اُسے بے دریغ قرض دیا۔ جب میں متمول تاجر تھا —— اور وہ ایک مجبور غریب —— مروّت میں مجھے یہ بھی گوارا نہ ہوا کہ اُس سے کم از کم دستاویزات لکھا لوں جو بعد میں قرض وصول کرتے وقت مدد دے سکے —— وہ امیر ساہوکار بن گیا —— مجھ سے نہ معلوم کیوں اُسے دلی نفرت ہو گئی اسی سے متاثر ہو کر اُس نے میری دکان بھی جلا ڈالی۔ اب تو میں خاموش نہ رہ سکا۔ ایک مفلس انسان

کی طرح مَیں نے اپنے بیٹے کی زندگی کے لیے روپیہ مانگا، مگر اُس نے تمسخر سے انکار کر دیا اور پھر بھی وہ لڑکا تھا جس کی فلاح کے لیے مَیں ایک خونی ملزم بن گیا ـــــــ اگر آپ کو اس بیان میں صداقت نہیں نظر آتی تو ثبوت کے لیے رشید کی کوٹھی کے پاس ہی ریت میں دبی روپیوں کی تھیلی اور نوک دار خنجر ڈھونڈھ لیجیے ـــــــ بس مقدمہ صاف ہے ـــــــ میں ہر ایک بڑی سے بڑی سزا کو برداشت کرنے سے نہ جھجکوں گا ـــــ عدالت فیصلہ سُنا سکتی ہے۔"

سنسنی خیز بے اختیارانہ خاموشی ہال پر مسلّط ہو گئی، سب کی پھٹی پھٹی نگاہیں ملزم کو تاکنے لگیں۔ بُوڑھا پُرشوکت مجسٹریٹ پُرسکون انداز میں میز پر جُھک گیا، اُس کی تیز عُقابی نگاہیں چھوٹے سے بچے کو پیار بھرے انداز میں دیکھنے لگیں۔ اُسے کئی سال پہلے کا واقعہ یاد آ گیا۔ عدالت کی یہی کُہن سال عمارت تھی مگر مقدمہ اس سے زیادہ سنگین تھا ـــــ قتل، غبن اور جاسوسی کا الزام اس کے نوجوان بیٹے پر لگایا گیا ـــــ مگر مجسٹریٹ نے متواتر جھوٹ بولے، کئی گناہ کیے۔ مسلسل کوششوں کے بعد ہزاروں روپے کی بربادی سے اُس کا بیٹا چھوٹ گیا ـــــ اُس وقت مجسٹریٹ صرف معمولی وکیل تھا ـــ اپنی قابلیت سے اُس نے ترقی کر لی ـــ مگر جعل سازی، جھوٹ اور ـــــ گناہوں کی بدولت ـــــ اُس نے اپنے بیٹے کو بری کیا ـــ مگر ایک بیٹے نے اپنی سچائی کی بدولت باپ کو اقبالِ جُرم کرنے پر مجبور کیا ـــ آفرین ہے اُس باپ پر ـــــ قابلِ تعظیم ہے وہ بیٹا ـــ جو بڑی سے بڑی سزا سے ڈرے بغیر اس طرح بیان دے رہا ہے جیسے وہ عدالت میں نہیں خدا کی درگاہ میں ہے۔ "دل بھی تو خدا کا گھر ہے۔" اُس نے یکایک خیال کیا: جہاں ہر ایک مجرم کو سچی جواب دہی کرنی پڑتی ہے۔ اور خدا ہر شے میں ظہور پذیر ہے ـــــ اور خدا ـــــ تو کتنا رحیم ہے، شاید میرے گُناہ معاف کر دے، ہاں ـــــ میں کبھی گناہ نہ کروں گا ـــــ اب ایک چھوٹا سا بچہ سچ بول سکتا ہے تو کیا مجھ جیسا کُہن سال بُوڑھا معمولی نیکی نہیں کر سکتا۔ مجسٹریٹ نے لڑکے کی پیشانی دیکھی، جس میں انوکھا نور تھا۔ اُس نے اُس کے ہونٹ دیکھے جس میں انوکھی جاذبیت تھی ـــــ اس پیشانی پر حقیقت ہے، یہ ہونٹ صادق ہیں۔ قیامت کے روز یہی گواہی دیں گے۔ اے خدا اس

لے نے بھی جھوٹ نہ بولا ــ آہ ــ یقیناً یہ لڑکا دُنیا کا مشہور ترین انسان
بنے گا ــ

"عدالت فیصلے کے لیے برخاست ہوتی ہے ــ"

"کیوں مقدمہ تو صاف ہے پھر توقّف کے کیا معنے؟" سب دبی زبان سے
رگوشیاں کرتے باہر نکل گئے ــ

اب ہال میں صرف تین انسان تھے' ملزم ــ منصف ــ گواہ ــ

ہلکی سی آواز کے ساتھ مجسٹریٹ اُٹھا' ملزم نے چونک کر اُسے دیکھا' گواہ کے
معصوم چہرے پر حیرت چھا گئی۔ اُنھیں حیرت ہوئی کہ مجسٹریٹ باہر جانے کے بجائے
میں کی طرف آ رہا ہے' بچے کے دماغ میں کچھ خیال نہ آسکا' اُسی پر کیا موقوف ملزم
پ بھی کچھ نہ سوچ سکا' آخر اس طرح تنہا آنے سے اُس کا کیا مطلب ہے دونوں
سُم تھے' صرف ہوا کے جھونکے غریب بچّے کے پھٹے کپڑوں میں چھپے جسم سے ٹکراتے
ہے۔ یا باپ کے بالوں کو بکھیر دیتے۔ دونوں غربت کی زندہ تصویر تھے۔ فاقہ زدہ
. پُرنور چہرہ بچہ اب بھی ہنس مُکھ تھا' مگر ملزم پر اُداسی اور تلخی چھائی ہوئی تھی'
ل کونے میں وردی پوش سپاہی اپنی بھری بندوق لیے متعجب کھڑا تھا۔ اتنے میں
سٹریٹ نزدیک آگیا:

"اِدھر آؤ ــ کٹہرے سے نیچے اُتر جاؤ میرے بچے۔" اُس نے شفقت سے کہا۔

بچہ ڈرتا سہمتا اُس کے نزدیک چلا گیا۔ مجسٹریٹ نے جُھک کر اُس کا چہرہ اپنے
مضبوط ہاتھوں میں تھام لیا' اور دمکتی ہوئی پیشانی محبّت سے چوم لی ــ

"بڑی عزّت" بدنصیب باپ نے خلاف توقع دبا ہوا قہقہہ مارا اس میں بے اندازہ
مرّت تھی ــ

(دو موٹے موٹے آنسو اُس کی آنکھوں سے لُڑھک کر گال کی اُبھری ہڈی پہ
ھلنے لگے)

سبق

جناب شرر صاحب قریشی

توحید کا سبق تو دُنیا کو پھر سُنا دے
اسلام کی وہ عظمت ہاں پھر سے تو بڑھا دے
قرآں کی روشنی سے دُنیا کو جگمگا دے
بھٹکی ہوئی ہے اُمت
تو راہ پر لگا دے

بھولا ہے علمِ قرآں تو غور کر مسلماں
اپنے شکم کی خاطر بیچا ہے تُو نے ایماں
کس بے حسی سے پھر تو کہتا ہے میں ہوں انساں
رہ جائے گا یہیں سب
مت کر غرور ناداں

اوروں کو تھے کھلاتے یہ شانِ مصطفےٰ تھی
غیروں سے پیار کرنا یہ آنِ مصطفےٰ تھی
کام آئی دوسروں کے وہ جانِ مصطفےٰ تھی
نکلے جہاں سے موتی
وہ کانِ مصطفےٰ تھی

کب تک پڑے رہیں گے تاریکیوں کے پردے
آپس کے سب یہ جھگڑے اب ختم تو ہی کردے
یہ زندگی ہے پھیکی تو اس میں رنگ بھردے
بکھرے ہوئے ہیں موتی
لڑیوں میں نظم کردے

لازم شررؔ ہے تجھ کو یہ بات یاد رکھنا
تجھ کو بُرا کہے جو اُس کا گلہ نہ کرنا
انساں ہو چاہے کوئی تعظیم اُس کی کرنا
اسلام ہے سکھاتا
آپس میں مل کے رہنا

تحریر سعیدہ صبا شوکت

امتحان

سعدیہ میری میز پر کچھ لکھنے میں مصروف تھیں، میرا دماغ تھک چکا تھا
صرف ورق گردانی ہی کرنے لگی تھی۔ حالانکہ امتحان بالکل قریب تھا مجھے
ثریا کی شرارتیں یاد آ رہی تھیں۔ اگر وہ اس وقت ہوتی تو یہ
اچھے گزر جاتے۔ میں ابھی یہ سوچ ہی رہی تھی کہ ثریا، عذرا، رضیہ
نہ جانے کیوں؟ —— میں نے ثریا کی طرف دیکھ کر لاحول پڑھنا شروع
سعدیہ کے سامنے۔ ذلت شاید ناگوار ہوئی اور "خبردار جو کچھ کہا"
نے کچھ ایسی چٹکی لی کہ میں قریب قریب اپنی جگہ سے اچھل پڑی۔"
اللہ کی بندی خود نہیں پڑھتی تو کم از کم ہمیں تو پڑھنے دے۔" ہاں ہاں
ہے تمھیں اوّل آنا ہے مگر مجھے پاگل تو نہیں ہونا ہے۔ کیوں کیا مجھے امتحان نہ
دوگی؟" اس نے کہا۔ "حضور ہی کے لیے تو اس خاکسار نے اتنی محنت اٹھائی
تم شرارتیں کرتی پھرو اور میں محنت کروں۔ یہ بھی ایک ہی رہی۔" ثریا بولی
ہارمونیم اٹھا لیا اور رضیہ کو یہ کہتے ہوئے گھسیٹ لیا:

موسم ہے پیارا ٹھنڈی ہوا
آؤ سنائیں گانا ذرا

مجھے اس کی قافیہ بندی پر ہنسی آ گئی۔ رضیہ بہترین اشعار گا رہی
اس کی رسیلی آواز سے ایک سماں سا بندھ گیا تھا، کہ ثریا پھر اپنی فطرت
پر اتر آئی، اور لگی بے تکی ہانکنے۔ میں نے چڑھ کر کہا: "ثریا تم واقعی شیطان کی
خالہ ہو، گانا تو سن لیا ہوتا۔" وہ بولی: "بندہ پرور! گانا تو شیطان سنا کرتے ہیں
کیا تمھیں اب امتحان دینا نہیں ہے" "اور کیا تم بے نیاز ہوگئیں۔ تم نے شاید تمام
امتحانات پاس کر لیے۔ یاد ہے گزشتہ مہینے جب پرچہ ہوا تھا تو تم نے کتنے نمبر لیے تھے۔
محض شرارتوں میں دن گزارے، اور جب فیل ہوئیں تو منہ پھول گیا تھا۔" میں اس
کو ستانے پر آمادہ تھی، اور رضیہ ہنسے دے رہی تھی۔" ہاں اگر آئینہ ہوتا تو ثریا بیگم کی

بھولی ہوئی صورت دیکھنا"۔۔۔ "ایک آفت سے تو مر مر کے ہوا تھا جینا،
دوسری اور یہ کیسی میرے اللہ نئی،

وہ کہے جا رہی تھی، کیسی بلا ہے یہ امتحان ۔۔۔ کروں کیا پڑھائی میں بالکل دل نہیں لگتا اور لگے بھی کیوں جب بھونڈے دماغ میں کچھ سمائی ہی نہیں ہے۔ تم لوگوں نے واقعی تیاری کی ہوگی، مگر میں ابھی تک خوابوں ہی کی دُنیا میں ہوں۔ اگر اس علم کے سمندر میں ڈوب بھی جاؤں تو اُمید نہیں کہ گوہرِ نایاب پا بھی سکوں گی ۔۔۔"

"بس بھی کرو اپنا لکچر، اس سال نہیں تو آئندہ سال کامیاب ہو جانا، ابھی اور جینا ہے اور شرارتیں باقی ہیں" میں نے اس کو اور چھیڑنے کے لیے کہا۔ اُس کی آنکھوں میں آنسو جھلکنے لگے تھے۔ "اللہ ایسا نہ کہو، اف! معبود پھر کیا ہوگا۔ تو کیا تم سب مجھے چھوڑ دو گی؟" وہ اس انداز میں کہہ رہی تھی جیسے یہ سب کچھ ہو چکا ہے ۔۔۔ شمیمہ شوکت جو ابھی تک بڑی خاموشی کے ساتھ ہماری گفتگو سن رہی تھی کہنے لگی: "گھبراؤ نہیں ثریا، میں ساتھ دوں گی۔"

ہم سب نے ایک قہقہہ لگایا اور کہا: "ع خوب گزرے گی جو مل بیٹھیں گے دیوانے دو" غزالہ جیسے طرفداری پر آمادہ ہوئی "تو کیا تم سب کو یہ خیال ہے کہ کامیاب ہو جاؤ گی، محض اس بھروسے پر کہ بڑی تیاری کرلی ہے"۔ ثریا اب خاموش تھی اور اُس کی نگاہیں سامنے رکھی ہوئی کتاب پر گڑی ہوئیں تھیں۔ غزالہ کو شاید بڑا رحم آرہا تھا اور وہ کہہ رہی تھی: "فرض کرو اگر خدا نخواستہ طبیعت بگڑ گئی اور ذرا محترمہ کا کچھ سر چکرایا تو گویا مُہرے اُلٹ گئے۔ مگر اُس امتحان کا خیال بھی کیا جو ضرور پیش آنے والا ہے ۔۔۔ ثریا آج کچھ غمگین ہے، کیونکہ دن گزر گئے اُس نے کچھ بھی تیاری نہیں کی۔ ہمارے خدا نے ہم پر کتنے احکام عائد کیے ہیں، سچ بتاؤ تم میں سے کس کس نے اُن کی پوری پابندی کی ہے۔ یہ دُنیا بھی ایک امتحان گاہ ہے، اور ہمارا عمل یہ وہ پرچے ہیں جو ہم اپنے خالق کے حضور میں پیش کر رہے ہیں۔ مگر انجام سے بے خبر ہوکر ۔۔۔ کون جانے اس کا نتیجہ کامیابی ہے یا ناکامی ۔۔۔ مگر ناکام صرف وہی ہوتے ہیں جنھوں نے اپنا عمل خراب کیا، جنھوں نے خدا اور رسول کے بتائے ہوئے اصولوں سے بے پروائی کی، اور بھٹک گئے۔ بڑے خطرناک راستوں میں ۔۔۔

اتنے میں مؤذن کی پرشکوہ اذان سے کمرے کا چھایا ہوا سکوت ٹوٹ گیا۔ ثریا سسکیاں بھر رہی تھی، میری آنکھوں سے مسلسل بہنے والے آنسو میرے اپنے اعمال کی یاد دلا رہے تھے۔ "اٹھو! کہیں نماز کا وقت گزر نہ جائے۔" عذرا نے کہا۔ اور ہم سب یوں ہی خاموش اپنے خالق کے حضور جھک گئے ......

سید جمیل الرحمن صاحب خاموش منپوری

نئے سال کی دعا

خدایا نئے سال کا یہ اثر ہو ‏ ‏ زمانہ ہمارا خوشی میں بسر ہو

نہ ہو کاہلی ہم کو دم بھر گوارا ‏ ‏ نہ دن کوئی بے کار جائے ہمارا

ہمیں خوابِ غفلت سے بیدار کر دے ‏ ‏ عمل کا ہو جس سر میں سودا وہ سر دے

ضرورت کا احساس کرنا سکھا دے ‏ ‏ ہمیں قول کا پاس کرنا سکھا دے

ادا فرض جان اور دل سے کریں ہم ‏ ‏ اسی دھن میں زندہ رہیں اور مریں ہم

غریبوں کے ہم کام آئیں ہمیشہ ‏ ‏ مدد اُن کی ہم کر دکھائیں ہمیشہ

این۔اے۔ بھوپالی

خلیفہ منصور اور ایک نڈر ناصح

ایک سال خلیفہ منصور حج کو مکۂ معظمہ گیا اور مقام "الندوہ" میں قیام کیا۔ یہ وہ مشہور مکان تھا، جہاں اسلام سے پہلے قریش سردار مشورے کے لیے جمع ہوا کرتے تھے۔ منصور روزانہ خانۂ کعبہ میں طواف کے لیے ایسے وقت میں جانا چاہتا تھا اور جاتا تھا جب کہ وہاں کوئی نہ ہو۔ ایک روز کچھ رات رہے وہ طواف کر رہا تھا کہ ایک ایسی آواز کان میں آئی کہ وہ چونک گیا۔ دیکھا کہ ایک شخص غلاف کعبہ کو تھامے بہت درد کے ساتھ یہ دُعا کر رہا ہے:

"خدایا میں تیرے سامنے فریاد لے کر آیا ہوں کہ دُنیا میں اب فتنہ وفساد بہت پھیل گیا ہے، ظالم اور لالچی حق داروں کے حق مار رہے ہیں۔ اور مظلوم کی کوئی حمایت نہیں کرتا۔ انصاف اور خدا کا خوف دونوں ناپید ہو گئے ہیں۔ اے دُنیا پر تنہا حکومت کرنے والے معبود! تیرا رحم کب تک ان مفسدوں کو مہلت دیے جائے گا، اور تیرا قہر کب تک ان ظالموں پر نازل نہ ہوگا؟"

منصور یہ دل ہلا دینے والی فریادیں سُن کر سیدھا اپنی قیام گاہ پر آیا۔ اور اور اپنے اردلی کے سوار کو حکم دیا کہ اس وقت جو شخص کعبے میں طواف کر رہا ہو اُسے فوراً یہاں لے آؤ۔ سوار جاکر پکڑ لایا۔

منصور نے نہایت غصّے میں اُس کی طرف دیکھا اور کہا: "خدا سے تم کس کی شکایت کر رہے تھے، فتنہ وفساد دُنیا میں کس نے مچا رکھا ہے اور وہ کون ظالم لالچی ہے جو لوگوں کے حق مارتا ہے، خدا سے نہیں ڈرتا اور غریبوں پر ظلم کرتا ہے۔

وہی شخص: "امیرالمومنین جو شخص لالچ میں گرفتار ہے، جو لوگوں کے حقوق غصب کر رہا ہے، جس کے سبب فتنہ وفساد پھیل گیا ہے، وہ حقیقت میں آپ ہی ہیں۔"

منصور غصّے سے اور آگ بگولا ہوگیا، اور بگڑ کر بولا: "او کم بخت میں کیونکر

فساد کا باعث اور ظالم و لالچی ہو سکتا ہوں۔ اتنی بڑی حکومت اور دولت میرے
ں ہے، سونے چاندی کے ڈھیر میرے دروازے پر لگے ہوئے ہیں۔ میری بادشاہی
نیا کانپتی ہے، میں کیا کسی کا حق دباؤں گا، اور کسی کا مال لالچ سے چھینوں گا۔"
وہی شخص: "امیرالمومنیں آپ جیسا لالچ تو کسی میں ہو ہی نہیں سکتا۔ خدا نے آپ
نوں کے معاملات و مال کا محافظ بنایا، آپ نے اُن کے معاملات کو دوسروں پر
یا، آپ خود خدا کے بندوں کی فریاد نہیں سُنتے، انصاف سے کام نہیں لیتے۔ صرف
دولت جمع کرنے میں رات دن مشغول ہیں۔ آپ نے اپنے اور اپنی رعایا کے بیچ
یسی سنگین دیوار کھینچ دی ہے، کہ کوئی شخص آپ تک نہیں پہنچ سکتا۔ آپ کے دروازے
یار بند سپاہی پہرہ دیتے ہیں۔ اور آپ کا حکم ہے کہ خاص آدمیوں کے سوا کوئی ہمارے
نہ آنے پائے۔ اور خاص آدمی وہی ہیں جنھیں آپ نے اپنے فائدے کے لیے چُنا ہے
ں کو رعایا پر حاکم بنایا ہے۔ یہ دیکھ کر کہ آپ روپیہ جمع تو کرتے ہیں لیکن خرچ نہیں کرتے
کرتے ہیں کہ جب امیرالمومنیں خود خدا اور رسول کے احکام کی پرواہ نہیں کرتے
کے معاملات میں انصاف اور ایمانداری سے کام نہیں لیتے، ہم بھی ایسا ہی کیوں
یں۔ ان سب نے اتفاق کرلیا ہے کہ رعایا سے جا و بیجا روپیہ وصول کر کے کچھ آپ
ے دیں اور کچھ خود کھائیں، حکومت میں جس طرح آپ اور یہ لوگ شریک ہیں اسی طرح
اور رسول کی اطاعت نہ کرنے اور ظلم و ستم کرنے میں شریک ہیں، آپ حکام سے
ہیں، رعایا سے بے خوف ہیں پھر اس کی کیا اُمید ہو سکتی ہے کہ آپ کی حکومت
انصاف کی حکومت ہوگی۔ جب کوئی مظلوم آپ کے دروازے پر آتا ہے تو ایک افسر
ہے جسے آپ نے مظلوموں کی فریاد سُننے کے لیے مقرر کیا ہے۔ جب یہ افسر دیکھتا
کہ ظلم و زیادتی کرنے والا آپ کا کوئی دوست ہے، یا آپ اُس پر مہربان ہیں
وہ مظلوم کی حمایت کر سکتا ہے نہ ظالم سے بدلہ دلا سکتا ہے اور نہ اُسے سزا دے
ب دے سکتا ہے۔ ہر روز فریادی اور اُس کے معاملے کو ٹالتا رہتا ہے۔ آخر فریادی
ہو کر صبر کرتا ہے، اور انصاف سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔ یا اگر کچھ ہمت ہوئی تو
ی سواری نکلنے کا انتظار کرتا ہے۔ پھر مدتوں کے بعد اگر اسے اپنی فریاد آپ کے
تک پہنچانے کا موقع مل بھی جاتا ہے تو اردلی کے سوار مار کر ہٹا دیتے ہیں تاکہ پھر

کوئی سیدھا آپ تک پہنچنے کی جرأت ہی نہ کرے۔ آپ ان سب باتوں کو دیکھتے اور خاموش رہتے ہیں، منع نہیں کرتے کہ مظلوموں کے ساتھ بد سلوکی نہ کریں۔ بنو اُمیّہ کے زمانے میں رعایا میں سے جب کوئی کسی گورنر یا تحصیلدار کی شکایت کرتا تو خلیفہ فوراً اُس کی فریاد سُنتے، انصاف سے کام لیتے اور شکایت دُور کر دیتے۔

امیرالمومنین! دولت جمع کرنے کے تین سبب ہو سکتے ہیں، (اوّل) یہ کہ حکومت کو مضبوط اور ملک کو محفوظ رکھنے کے لیے، پس آپ سے پہلے جو بادشاہ گذر چکے ہیں اُن کا حال سُنیے تو معلوم ہو کہ جب خدا نے اُنھیں تباہ کرنا چاہا تو نہ فوج کام آئی اور نہ خزانہ۔ (دوم) یہ کہ آپ اپنی اولاد کے لیے روپیہ جمع کریں۔ لیکن اگلے دولت مندوں کی اولاد کا حال دیکھیے تو معلوم ہو کہ انھوں نے اپنی اولاد کے لیے جائدادیں خریدیں، خزانے جمع کیے۔ مگر نالائق اولاد نے چند ہی روز میں ان کی جائدادوں کو رہن رکھا یا بیچ ڈالا، باپ دادا کے جمع کیے ہوئے خزانوں کو بے دردی سے برباد کر دیا۔ تیسرا سبب یہ ہو سکتا ہے کہ آپ کے مرتبے اور اقبال میں ترقی ہو، تو یاد رکھیے دولت سے عزّت و مرتبہ حاصل نہیں ہو سکتا، اصلی مرتبہ وہی ہے جو آدمی کو عمل صالح سے حاصل ہوتا ہے۔ خدا کے نزدیک نیک آدمی ہی کی عزّت ہے۔"

یہ زبردست تقریر جوش اور اثر سے بھری ہوئی تھی، منصور خاموشی سے سُنتا رہا۔ ایک ایک لفظ اُس کے دل میں اُتر گیا، اور پُورا اثر کر گیا۔ اُس نے سمجھ لیا کہ یہ حق بات کہہ رہا ہے، اس کے دل پر حکومت کا خوف اور حاکم کا رُعب نہیں ہے اور جو کچھ اس نے کہا ہے سچ کہا ہے۔ غرض منصور کا جی بھر آیا، بے اختیار آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور وہ دیر تک چُپکے چُپکے روتا رہا۔ پھر کہا: "اے دلیر ناصح، اور اے سچے انسان! تیری نصیحت نے میرے دل پر نشتر کا کام کیا، اس میں ذرّہ بھر جھوٹ نہیں مگر مَیں کیا کروں کہ بدکار، دغا باز، بدخواہ میرے پاس آ آ کے جمع ہوتے ہیں، نیک دل خیر خواہ، ایماندار اور حق کہنے والے عقل مند پاس تک نہیں آتے۔ آخر مجھے انھیں سے کام لینا پڑتا ہے۔"

اس نے جواب دیا: "امیرالمومنین! آپ خدا کے بندوں پر اپنے دروازے کھول دیجیے، دربانوں کو الگ کر دیجیے اور اس سنگین دیوار کو بیچ سے ہٹا دیجیے، مظلوموں

کی حمایت کیجیے اور ظالموں کے ساتھ مروّت سے نہ پیش آئیے۔ جو دولت آپ جمع کرتے ہیں انصاف کے ساتھ مستحق لوگوں پر بانٹ دیجیے، جن کے حق آپ پر ہیں انھیں پورے طور پر ادا کیجیے، تو مَیں ذمّہ لیتا ہوں کہ جو لوگ پاس نہیں آتے بلکہ آپ کا نام سُن کر بھاگتے ہیں، وہی دَوڑ دَوڑ کر آئیں گے اور آپ کی خیرخواہی کا حق ادا کریں گے، سلطنت و حکومت کے کام میں آپ کو مدد دیں گے۔"

منصور: "میں تمھاری نصیحتوں پر عمل کرنے کی انشاء اللہ پوری کوشش کروں گا ـــــ گفتگو یہاں تک پہنچی تھی کہ مؤذن نے حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ کی آواز بلند کی، بادشاہ اور سب حاضرین نماز کے لیے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ نماز سے فارغ ہوکر بہت تلاش کیا مگر اس پُرجوش ناصح کا کہیں پتہ نہ تھا۔

جناب کپتان حیدر علی صاحب حیدر

کس کو الہ کہتے ہیں

(۱)

پوشیدہ طور سے جو ــــــ
خدشات دُور کر دے خطرات دُور کر دے
آفات دُور کر دے صدمات دُور کر دے
اُس کو اِلہٰ ہیں کہتے
اُس کو خدا ہیں کہتے

(۲)

پوشیدہ طور سے جو ــــــ
سب کی سُنے ندائیں سب کی سُنے دعائیں
سب کی سُنے نوائیں سب کی سُنے صدائیں
اُس کو اِلہٰ ہیں کہتے
اُس کو خدا ہیں کہتے

(۳)

پوشیدہ طور سے جو ــــــ
امن و امان بخشے سُکھ اطمینان بخشے
آرامِ جان بخشے راحت کا خوان بخشے
اُس کو اِلہٰ ہیں کہتے
اُس کو خدا ہیں کہتے

محترمہ زہرا بیگم صاحبہ

رواجی پردہ

شکیلا کچھ دن بیمار رہی تھی اور اب اسے صحت ہو چکی تھی۔ ایک دن میں اُس سے ملنے کے لیے گئی۔ وہ اپنے باغیچے میں بیٹھی کتاب پڑھ رہی تھی، اور کتاب میں اس قدر کھو گئی تھی کہ اُسے میرے آنے کی مطلق خبر نہ ہوئی۔ میں اس کے پیچھے جاکر دیکھتی رہی، اور جب وہ اُٹھنے لگی تو میں بھاگ کر کمرے میں چلی گئی اور صوفے پر لیٹ گئی۔ شکیلا کمرے میں آئی اور کتاب کو الماری رکھ کر بیٹھنا چاہتی تھی کہ مجھے دیکھ لیا۔

"حمیدہ تم؟" وہ حیرت سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔ "کب آئی ہو؟" اُس نے پوچھا۔

"تمھیں اس سے کیا کوئی تمہارا دن بھر انتظار کرے۔ تم ہو کہ تمھیں احساس تک نہیں ہوتا۔" میں نے رعب جمانے کی کوشش کی۔

"اُفوہ! بڑی گرمی ہے۔ مزاج تو بخیر ہیں، جناب کے؟" شکیلا نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اچھا بتاؤ تو کب آئی ہو۔ میں تو ابھی باغیچے میں گئی تھی۔ شکیلا نے پھر پوچھا:

"کونسی کتاب پڑھی جا رہی تھی۔ لیلا مجنوں کا قصہ تھا کیا؟" میں نے اُٹھتے ہوئے کہا۔

"جی نہیں وارث شاہ کی ہیر تھی۔" شکیلا نے طنزاً کہا۔

"تو پھر کونسی کتاب کا مطالعہ ہو رہا تھا؟"

"دو تین دن بعد امتحانات ہونے والے ہیں، میں نے سوچا ایک نظر تاریخ ہی دیکھ لوں۔" شکیلا نے جواب دیا۔

"اچھا تو ہسٹری یاد ہو رہی تھی۔ ہاں بابا محنتی لڑکی ہو۔

"لیکن تم آئی کب ہو؟ میں نے تو تمھیں آتے نہیں دیکھا۔ شکیلا نے پھر پوچھا۔

"ابھی ابھی آئی ہوں، میں نے تمھیں باغیچے میں کتاب پڑھتے دیکھا تھا۔ لیکن اس خیال سے کہ حضور کے مطالعے میں خلل واقع نہ ہو، میں یہاں چلی آئی۔" میں نے جواب دیا۔

"امی سے ملی ہو؟ وہ تمھیں یاد ہی کر رہی تھیں۔"

"کیوں؟ کوئی خاص بات ہے؟" میں نے دریافت کیا۔

"کوئی خاص بات تو نہیں، یوں ہی۔" شکیلا مجھے پکڑ کر باغیچے میں لے گئی۔ چائے پینے کے بعد ادھر اُدھر کی باتیں ہونے لگیں۔ اچانک میری نظر ایک نوجوان پر پڑی جو ہماری ہی طرف آ رہا تھا۔ میں فوراً اُٹھ کر کمرے میں چلی گئی۔

"ارے کیا ہوا؟" شکیلا نے مجھے آواز دی ــــ اتنے میں وہ شخص اُس کے پاس پہنچ گیا: "ہیلو شکیلا!" اُس نے آتے ہی کہا۔ "محمود کہاں ہیں؟"

"بھائی جان تو باہر گئے ہوئے ہیں، کہیے کیا کام ہے؟" شکیلا نے پوچھا۔

"یہ کتاب لایا ہوں، محمود نے مانگی تھی۔ جب آئے تو اُسے دیدیجیے گا۔"

بہت اچھا کہہ کر شکیلا نے کتاب لے لی۔ اور اُس نوجوان سے اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے اور اُس کے گھر والوں کی خیر و عافیت دریافت کرنے لگی۔ اُس کے جانے کے بعد وہ میرے پاس آئی تو میں نے پوچھا: "یہ کون تھا، شکیلا؟"

"بھائی جان کے دوست ہیں، اور اُن کے کلاس فیلو بھی۔"

"وہ تمھارا کیا لگتا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ارے کہہ تو دیا، بھائی جان کا دوست ہے۔ میرا کیا لگتا۔" شکیلا نے کہا۔

"میں سمجھی تھی شاید تمھارا چچا یا ماموں ہوگا۔" نے ہنستے ہوئے کہا۔

"کیسی باتیں کرتی ہو؟ شکیلا کو غصہ آ رہا تھا۔

"ٹھیک ہی تو کہتی ہوں۔ بھائی کے دوستوں سے کیا پردہ نہیں کیا کرتے؟" میں نے پوچھا۔

"اری ناوان، بھائی کے دوستوں سے کون پردہ کرتا ہے۔ وہ بھی تو بھائی ہی ہوتے ہیں۔"

اس پر میں بے اختیار ہنس پڑی۔ اور وہ حیرانگی سے میرا منہ تکنے لگی۔ میں نے کہا: "پردہ تو ہر غیر مرد سے کرنا فرض ہے۔ کیا بھائی کا دوست تمھارے لیے

رنہیں؟

"لیکن میں تو بچپن سے ہی اُن کے سامنے آتی ہوں، اب کیا پردہ کرنے لگوں گی؟"

"کیا کسی غیر شخص کے سامنے بچپن سے آنا اس بات کی دلیل ہے کہ جوان
نے پر بھی اُس سے پردہ کرنا فرض نہیں؟" میں نے ایک اور سوال کردیا۔

"مگر بھائی کے دوستوں سے پردہ کرنا اچھا بھی تو نہیں سمجھا جاتا۔"

"تو تم رواجی پردے کی دلدادہ ہو، جو خدا کے حکم کے تحت نہیں، بلکہ دُنیا
رسم کے مطابق ہوتا ہے۔ کیا میں پوچھ سکتی ہوں کہ پردہ کن کن لوگوں سے
یں کرنا چاہیے۔"

"تم مسئلوں کو لے کر بیٹھ گئیں، کوئی ادھر اُدھر کی باتیں کرو۔" شکیلا نے بات کو
النے کی کوشش کی۔

"مجھے اپنے سوال کا جواب چاہیے۔"

"اتنا میں جانتی ہوں کہ تمہاری نسبت مجھے مسائل سے زیادہ واقفیت ہے۔" شکیلا کا
ہ کچھ سخت ہو گیا تھا۔

"اور اسی لیے شاید تم غیر مرد کے سامنے جانے سے نہیں جھجکتیں، اری خدا کی
ندی کچھ تو خیال کرو، آخر جوان ہو، اپنے سگے رشتے داروں کے (جس میں والد، ماموں،
چچا، تایا، نانا، دادا وغیرہ شامل ہیں) علاوہ کسی غیر مرد کے سامنے آنے کی اجازت نہیں"
اور میں جلدی سے اُٹھ کر اُس کی ماں سے قرآن لینے چلی گئی، اور آتے ہی کہا: "لو یہ دیکھو

"وَ قُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَ یَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ
وَ لَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْیَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ
عَلٰی جُیُوْبِهِنَّ وَلَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ
اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ
اَوْ بَنِیْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِیْٓ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ
اَیْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِیْنَ غَیْرِ اُولِی الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ
الَّذِیْنَ لَمْ یَظْهَرُوْا عَلٰی عَوْرٰتِ النِّسَآءِ وَلَا یَضْرِبْنَ
بِاَرْجُلِهِنَّ لِیُعْلَمَ مَا یُخْفِیْنَ مِنْ زِیْنَتِهِنَّ ط ؎

سلہ اور ایمان والیوں سے کہہ دو کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں، شرم کی جگہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت کا اظہار نہ کریں، مگر جو حصہ مجبورًا کھُل جائے۔ اور اپنے دوپٹوں کے آنچل گریبانوں پر بُکّل مار لیا کریں اور کسی کے سامنے اپنے بناؤ سنگار کو ظاہر نہ ہونے دیں سوائے شوہر کے سامنے، یا اپنے باپوں (باپ، دادا، نانا) کے سامنے۔ یا اپنے شوہروں کے باپوں کے سامنے یا اپنے بیٹوں کے سامنے، یا اپنے بھائیوں کے سامنے، یا اپنے بھتیجوں کے سامنے، یا اپنے بھانجوں کے سامنے، یا اپنی میل جول کی عورتوں کے سامنے، یا اپنے غلاموں کے سامنے، یا اپنے ملازموں کے سامنے جو عورت کی ضرورت کی حدود سے گذر چکے ہوں، یا اُن بچّوں کے سامنے جو ابھی تک عورتوں کے بھیدوں سے آشنا نہ ہوئے ہوں اور اپنے پاؤں زمین پر نہ ماریں کہ اُن کی چھُپی ہوئی زینت ظاہر ہو ——— (سورۂ نور)

مَیں قرآن کھول کر اٹھارھویں پارے کی سورۂ نور کے تیسرے رکوع میں سے پردے کے متعلق پُوری آیت ترجمے کے ساتھ سامنے رکھدی اور کہا کہ احکام کی روشنی میں تم خود فیصلہ کرسکتی ہو کہ تمھیں غیر لوگوں سے پردہ کرنا چاہیے یا نہیں۔"

"مگر............" شکیلا کچھ کہتے کہتے رُک گئی۔

"مگر مَیں بھائی کے دوستوں سے پردہ نہیں کروں گی ....یہی کہنا چاہتی ہو نا۔ پھر دوسرے مردوں کے سامنے آنے میں کیا بُرائی ہے۔ اُن میں کوئی خاص نقص ہے؟ اگر تمھیں ایسا ہی پردہ کرنا ہے تو پھر صاف کیوں نہیں کہہ دیتیں کہ مجھے خدا اور رسول کے فرمان سے انکار ہے۔"

"خدا نہ کرے کہ مَیں کبھی خدا اور رسولؐ کے حکم سے مُنہ موڑ سکوں، تمھاری باتوں سے میری آنکھیں کھُل گئی ہیں، مَیں تمھاری شُکر گذار ہوں ——— حمیدہ! آئندہ میں ان باتوں پہ سختی سے عمل کرنے کی کوشش کروں گی۔"

"کہو حمیدہ کیا تمھارا فیصلہ ہوگیا۔" یہ شکیلا کی امّی کی آواز تھی..

"ہاں امّی جان قرآن کے سامنے کون اکڑ سکتا ہے ——— حمیدہ کی بات درست تھی۔" شکیلا نے میرے بولنے سے پہلے ہی کہہ دیا۔

ھیئ قرآن ہی تو ہمارے لیے زندگی کا صحیح ترین راستہ متعین کرتا ہے' اس کے
نہ مانیں گے تو خود ہی تباہ ہوں گے' ہیں تو تمھاری اس سہیلی کو بہت پسند
' ایسی لڑکیوں کی صحبت ایک نعمت ہے۔" شکیلا کی ماں نے سنجیدگی سے کہا۔
چونکہ نماز مغرب کا وقت قریب ہو چکا تھا' میں چلنے کے ارادے سے
ی ہوئی ۔

ارے بیٹی بیٹھ جاؤ' کھانا کھا کر چلی جانا۔" شکیلا کی امی نے کہا۔

" نہیں خالہ جان اب شام ہو گئی ہے' نماز کا وقت بھی قریب ہے۔ اب میں
ول' پھر کسی وقت حاضر ہوں گی۔" میں نے جواب دیا اور سلام علیکم کہنے
ر چلی آئی +

جناب اخضر صاحب ایم۔اے

عہدِ طفلی کی اُمنگوں پر شباب آیا نہ تھا
یعنی میری زندگی میں انقلاب آیا نہ تھا
سادہ سادہ زندگی تھی بھولی بھالی زندگی
فرض کے احساس سے یکسر تھی خالی زندگی
ماں کی آغوشِ محبت کا فقط احساس تھا
کس قدر خودداریِ معصومیت کا پاس تھا
اپنی دُنیا تنگ تھی لیکن بہت آباد تھی
بے نیازِ دوشِ و فردا فکر سے آزاد تھی
مَیں نے سمجھا تھا یہی میرا ہے مقصودِ حیات
مَیں نوافل کو سمجھ بیٹھا تھا اخضر واجبات
ایک دن ماں نے بتایا رب میرا اللہ ہے
مالکِ ارض و سما، رزاق، شاہنشاہ ہے
بے مثال اُس کا کرم، احسان اُس کا بے نظیر
اُس کے دسترخوان کے مہمان ہیں شاہ و فقیر
کھینچ دی تصویر میری، قطرۂ ناچیز پر
جس پہ کرتی ہے فدا، ماں، جان و دل شام و سحر
یہ تھا وہ پہلا سبق جس نے مسلماں کر دیا
آنِ واحد میں مجھے حیواں سے انساں کر دیا
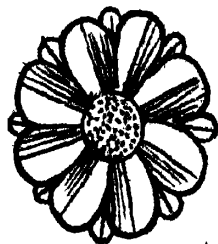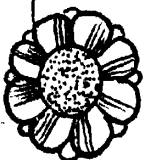
ایک بوڑھی ماں کا ایک جوان بیٹا تھا' مگر تھا بڑا ضدی اور نافرمان۔
ایک بار ماں نے اپنے بیٹے کو کوئی کام بتایا' مگر اُس نے انکار کردیا' ماں نے پھر کہا۔
لیکن اُس نے ماں کا حکم [illegible] اور صاف کہہ دیا' میں نہیں کرتا تمہارا کام۔
بوڑھی ماں کو سخت صدمہ ہوا' وہ آہستہ آہستہ چلی اور ایک چھوٹا سا گہوارہ
اُٹھا لائی اور اُس کے سامنے [illegible] کر بولی: "بیٹا! دیکھو یہ پالنا' تمہیں وہ وقت
یاد دلائے گا جب تم اس میں پڑے رہتے تھے' اور تم میں [illegible] کی
نہ تھی' میں نے تمہاری خاطر اپنی میٹھی نیندیں حرام کیں' جب تمہیں ذرا [illegible]
تو میں اپنا آرام بھول جاتی اور تمہاری خدمت کرتی' تم کبھی روتے [illegible]
ہو جاتی' میں نے جن مصیبتوں سے تمہیں پالا ہے وہ سب مجھے یاد [illegible]
تمہیں دُودھ پلایا' اور تین سال تک تمہارا پالنا جھلایا' ماں [illegible]
کہا: "کیا تم میرے سب احسان بھول گئے ہو' یاد رکھو اگر میں تمہاری [illegible]
ذرا سی بھی غفلت کرتی تو آج تمہارا اس جوانی کو پہنچنا ناممکن تھا' ذرا اپنی [illegible]
حالت کا خیال کرو' جب تم اس پالنے میں بے بس پڑے رہتے تھے' اب اُسی
ماں کی نافرمانی کر رہے ہو جس نے تمہیں پال پوس کر جوان کیا۔ دیکھو! بوڑھی ماں
کا دل نہ توڑو۔"

ماں نے لہجہ ذرا نرم کرتے ہوئے پھر کہا: "ماں کے قدموں میں جنت ہوتی
ہے۔ کتنی خوش قسمت ہے وہ اولاد جو ماں باپ کی خدمت کرکے والدین اور
اللہ میاں کی خوشنودی حاصل کرتی ہے۔"

جب بیٹے نے بوڑھی ماں کی یہ باتیں سنیں تو اُس کے دل پر بڑا اثر ہوا'
واقعی میرا وجود ماں ہی کے طفیل سے ہے اگر وہ نہ ہوتی تو میں آج [illegible] نہ پہنچتا

یہ خیال آتے ہی اس نے ہاتھ جوڑ کر معافی مانگی۔ اور ماں کے قدموں پر سر رکھ دیا۔

ماں آخر نرم مزاج ہوتی ہے، بڑی نرمی سے بولی: "بیٹا! کوئی بات نہیں میں راضی میرا خدا راضی۔"

جو شخص ماں باپ کو خوش رکھتا ہے، خدا بھی اُس سے خوش ہوتا ہے اور جو اپنے ماں باپ کو ناراض کرتا ہے اور نافرمانی کرتا ہے اللہ بھی اُس سے ناراض ہوتا ہے +

جناب خواجہ افتخار احمد صاحب (کراچی)

ماں اور بیٹا

ایک بوڑھی ماں کا ایک جوان بیٹا تھا، مگر تھا بڑا ضدی اور نا
ایک بار ماں نے اپنے بیٹے کو کوئی کام بتایا، مگر اس نے انکار کر دیا، ماں
لیکن اس نے ماں کا حکم نہ مانا اور صاف کہہ دیا، میں نہیں کرتا تمہارا
بوڑھی ماں کو سخت صدمہ ہوا، وہ آہستہ آہستہ چلی اور ایک چھوٹا سا
اٹھا لائی اور اس کے سامنے رکھ کر بولی: "بیٹا! دیکھو یہ پالنا، یہ تمہیں
یاد دلائے گا جب تم اس میں پڑے رہتے تھے، اور تم میں مکھی اڑانے
نہ تھی، میں نے تمہاری خاطر اپنی میٹھی نیندیں حرام کیں، جب تمہیں ذرا تکل
تو میں اپنا آرام بھول جاتی اور تمہاری خدمت کرتی، تم کبھی روتے تو
ہو جاتی، میں نے جن مصیبتوں سے تمہیں پالا ہے وہ سب مجھے یاد ہیں
تمہیں دودھ پلایا، اور تین سال تک تمہارا پالنا جھلایا، ماں نے
کہا: "کیا تم میرے سب احسان بھول گئے ہو، یاد رکھو اگر میں تمہاری
ذرا سی بھی غفلت کرتی تو آج تمہارا اس جوانی کو پہنچنا ناممکن تھا
حالت کا خیال کرو، جب تم اس پالنے میں بے بس پڑے رہتے تھے
ماں کی نافرمانی کر رہے ہو جس نے تمہیں پال پوس کر جوان کیا۔ دیکھو
کا دل نہ توڑو۔"

ماں نے لہجہ ذرا نرم کرتے ہوئے پھر کہا: "ماں کے قدموں میں
ہے۔ کتنی خوش قسمت ہے وہ اولاد جو ماں باپ کی خدمت کر کے والد
اللہ میاں کی خوشنودی حاصل کرتی ہے۔"

جب بیٹے نے بوڑھی ماں کی یہ باتیں سنیں تو اس کے دل پر بڑا
واقعی میرا وجود ماں ہی کے طفیل سے ہے اگر وہ نہ ہوتی تو میں کیسے جوانی

یہ خیال آتے ہی اس نے ہاتھ جوڑ کر معافی مانگی۔ اور ماں کے قدموں پر سر رکھ دیا۔

ماں آخر نرم مزاج ہوتی ہے، بڑی نرمی سے بولی: "بیٹا! کوئی بات نہیں میں راضی میرا خدا راضی۔"

جو شخص ماں باپ کو خوش رکھتا ہے، خدا بھی اس سے خوش ہوتا ہے اور جو اپنے ماں باپ کو ناراض کرتا ہے اور نافرمانی کرتا ہے اللہ بھی اس سے ناراض ہوتا ہے۔

اکبر بادشاہ

(۲)

پچھلی بار آپ پڑھ چکے ہیں کہ اکبر بادشاہ کو اسلام سے کیسا بیر تھا۔ اس نے
م کی جڑوں کو کھوکھلا کرنے اور اپنی بادشاہی کو مضبوط بنانے کے لیے جو کچھ کیا
بہت زیادہ ہے، اس کا بیان کوئی کہاں تک کرے، ہاں کچھ باتیں اور سن لیجیے۔
اکبر نے جو نیا مذہب دینِ الٰہی کے نام سے نکالا تھا تو یہ کہہ کر نکالا تھا کہ
ہیں ہر مذہب کی اچھی اچھی باتوں کو جمع کیا جائے گا۔ لیکن ہوا یہ کہ اس مذہب
سب مذہبوں کی باتوں کو لیا جاتا تھا صرف اسلام ہی کی ہر بات کو ٹھکرا دیا
تھا۔ پارسیوں کے مذہب سے آگ کی پوجا لی گئی۔ اکبر کے محل میں رات دن آگ
لاؤ جلتے رہتے تھے۔ عیسائیوں کے مت سے بھی کچھ باتیں لی گئی تھیں۔ سب سے زیادہ
، ہندو مذہب کے ساتھ تھی۔ کیونکہ یہ اس ملک کی اکثریت کا مذہب تھا۔ اور
اہی کی جڑوں کو مضبوط کرنے کے لیے ان کو خوش رکھنا ضروری تھا۔ ہندو مذہب
ت سی باتیں لی گئی تھیں۔ ماتھے پر تلک لگاتے اور جنیو پہنتے تھے۔ گائے کی
عزت کی جاتی تھی۔

آواگون یا تناسخ کو ٹھیک مان لیا گیا تھا ــــــ چالیس آدمیوں کی ایک
بنائی گئی تھی۔ اس کا کام ہر مذہب کی باتوں کو پرکھنا تھا، اس کمیٹی میں سب
ں کی کتابوں اور مذہبی خیالات کو بڑی توجہ سے دیکھا جاتا تھا۔ ان پر ٹھنڈے
سے غور کیا جاتا تھا۔ لیکن اسلام کا نام آتے ہی یہ لوگ کچھ چڑ جاتے تھے اور
ی تعلیمات کا مذاق اُڑاتے تھے۔ ان لوگوں نے سُود، جوے اور شراب کو
کر دیا تھا۔ نوروز کے جشن میں خوب دل کھول کر شراب پی جاتی تھی۔ اس دن
ب پینا ضروری تھا، اس دن تو مُفتی اور قاضی بھی پی جاتے تھے۔ اسلامی قانون کے
ے چچا کی بیٹی اور ماموں کی بیٹی سے نکاح کرنے کو بند کیا گیا۔ مردوں کے لیے

سونا اور ریشم پہننے کو جائز کیا گیا۔ شیر اور بھیڑیے کا گوشت حلال کیا۔ گائے کو حرام ٹھیرایا، اور سور کو پاک بتایا گیا، اور صبح سویرے سور کا دیکھنا اچھا شگون مانا گیا۔ لوگوں کی تعلیم کے لیے جو مدرسے کھولے گئے اس میں اسلامی کتابوں کو نہیں رکھا گیا۔

اس وقت اللہ تعالیٰ نے اسلام کو باقی رکھنے کے لیے ایک عجیب انتظام کیا۔ ۹۷۱ھ یا ۱۵۶۳ء میں حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ پیدا ہوئے۔ آپ اپنے وقت کے بڑے عالم تھے، جس زمانے میں اکبر اور اُس کے درباری اپنے کفر اور بے ایمانی کو پھیلا رہے تھے اُس وقت بھی اللہ کے کچھ بندے ایسے موجود تھے جو سچے اور پکے مسلم تھے اور وہ ملک کے بگڑے ہوئے حالات کو ٹھیک کرنے کے لیے برابر کوشش کر رہے تھے۔ بادشاہ کے مقابلے میں وہ بے چارے کچھ زیادہ تو نہیں کر سکتے تھے، ہاں اپنے ایمان کو کسی نہ کسی طرح بچائے ہوئے تھے۔ اس زمانے میں ایک بزرگ حضرت شیخ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے۔ انھوں نے جب حضرت احمد سرہندی رح کو دیکھا تو تاڑ گئے کہ یہ نوجوان بڑے کام کا نکلے گا۔ انھوں نے ایک بار اپنے ایک دوست کو لکھا تھا کہ: "مجھے اُمید ہے کہ یہ آگے چل کر ایک ایسا چراغ ثابت ہوگا جس سے زمانہ جگمگا اُٹھے گا۔"

اُن کا فرمانا ٹھیک ہی ہوا۔ یوں تو ہندوستان میں اُس وقت سیکڑوں عالم اور صوفی موجود تھے، لیکن حضرت شیخ احمدؒ ہی اسلام کے کام کے لیے اُٹھے اور اللہ کی مدد کے بھروسے پر یہ اکیلے ہی اس کام کے لیے کھڑے ہوگئے۔ انھوں نے ہر بات کو کھول کھول کر بتانا شروع کیا، بادشاہ اور اُس کے درباریوں کی غلط باتوں کو غلط بتایا اور لوگوں کو سیدھا راستہ دکھایا، حکومت کو یہ بات کیسے پسند آسکتی تھی۔ اس نے انھیں جیل بھیج دیا۔

اب اکبر مر چکا تھا۔ اور اس کا بیٹا جہاں گیر دلّی کے تخت کا مالک تھا۔ اس نے شیخ کی باتوں پر کچھ دن بعد دھیان دیا، اور شیخ کو ماننے لگا۔ اس کا بیٹا خرم جو بعد میں شاہ جہاں کے نام سے مشہور ہوا شیخ کا مرید ہوگیا۔ جب شاہ جہاں دلّی کے تخت پر بیٹھا تو اس نے دینِ الٰہی کو ختم کرنے اور اسلام کی تعلیمات کو پھیلانے کا کام کیا۔ دین کا علم مدرسوں میں کھُلّم کھُلّا پڑھایا جانے لگا۔ حکومت تو وہی شاہی حکومت رہی، اسلامی حکومت نہ بن سکی، لیکن اسلام کے ساتھ جو دُشمنی تھی وہ جاتی رہی۔ اس طرح

اللہ تعالیٰ نے اسلام کو اس ملک میں باقی رکھا، اور اکبر کا پھیلایا ہوا کفر مٹ گیا۔
سچ تو یہ ہے کہ ہندوستان میں بہت بڑے بڑے اللہ والے ایسے ہوئے ہیں جن کے دَم سے آج تک اسلام یہاں باقی ہے۔ اگر کہیں مسلمان بادشاہوں کا بس چل جاتا تو آج یہاں آپ اسلام کا نام بھی نہ پاتے۔
اب آپ کی اور ہماری باری ہے۔ اب اس ملک میں اسلام کو باقی رکھنے کا بوجھ آپ کے اور ہمارے کندھوں پر ہے۔ اللہ سے دعا کیجیے کہ اب وہ یہ کام آپ کے ہاتھوں کرائے۔

(بچوں کے ہندی رسالہ 'اجالا' سے)

جناب شاکرہ خاتون صاحبہ

باغ کی سیر

عابد باہر سے بھاگتا ہوا آیا "آپا جان نکہت آپا کا ملازم آیا ہے وہ کہہ رہا ہے کہ آپ سیر کو جانے کے لیے تیار ہوکر آئیں نکہت آپا نے کہلا کر بھیجا ہے"۔

ناہید کی سہیلی آئی ہوئی تھی وہ اُس کو بھی ساتھ لے کر نکہت کے گھر چلی گئی۔

نکہت: "آیئے ناہید، کیسی ہیں آپ، آج موسم کتنا خوشگوار ہے، بارش تھم چکی ہے اور کالج میں بھی چھٹی ہے، میں نے سوچا کہ کہیں سیر کو نکلنا چاہیے۔ صبح سے گھر میں بیٹھے دل اکتا گیا، تو آپ کے یہاں ملازم کو بھیجا"۔

ناہید: "میں بھی آپ کو کہلا بھیجنے کو ہی تھی۔ کیا آپ نے کچھ پکوان کا انتظام کیا ہے؟"

نکہت: "نہیں، بازار سے خرید لیں گے۔"

ناہید: "بہت اچھا چلیے، دس بج گئے ہیں، ابھی آسمان پر ابر ہے۔ کہیں دھوپ نہ نکل آئے اور سیر کا لطف آدھا رہ جائے"۔

نکہت: "یہ صاحبہ (ناہید کی سہیلی کی طرف اشارہ کرکے) کون ہیں؟"

ناہید: "یہ میری کلاس فیلو شیریں صاحبہ ہیں، اور بڑی مخلص دوست ہیں آج میرے یہاں تشریف لائی ہوئی تھیں میں ان کو بھی ساتھ لے آئی ہوں"۔

نکہت: "بڑی خوشی کی بات ہے، رونق ہی رہے گی"۔

پھر تین چار سہیلیوں کو اور بلا لیا، سب سہیلیوں نے شوخ رنگ کے دلفریب لباس پہنے اور پرنٹ کے دوپٹے لیے، کار میں بیٹھ، ایک نہایت خوشنما باغ میں جا پہنچیں، بارش کے تھم جانے سے باغ میں ہر طرف سبزہ ہی سبزہ نظر آ رہا تھا، پھول کھلے ہوئے تھے، ایک طرف چشمہ بہہ رہا تھا، گھاس پر ننھے ننھے بارش کے قطرے موتیوں کی طرح عجب بہار دکھا رہے تھے کہ کوئی شکستہ دل وہاں جائے تو شگفتہ ہو جائے۔ الغرض سب لوگ اس دلفریب نظارے سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ باغ میں پہنچ کر

ب نے برقعے اُتار نوکر کو دے دیے۔ مگر شیریں نے اوڑھے رکھا۔ ناہید بولی:
شیریں آپ بھی بُرقعہ اُتار لیں، سیر کا کیا لطف آنے گا اس کے ساتھ۔"
شیریں: "معاف کرنا مجھے تو اس کے ساتھ زیادہ لطف آتا ہے۔"
نکہت: "شیریں اب ہم سب ساتھ آئی ہوئی ہیں، ایک ہی رنگ میں پھرنا چاہیے، ورنہ لوگ دیکھ کر کیا کہیں گے کہ کیسی متضاد سوسائٹی ہے۔"
شیریں: "پیاری بہن، آپ سب میری طرح کا رنگ اختیار کرلیں، کیوں کہ اس رنگ سے اللہ اور اُس کا رسول بھی خوش ہیں، اور ان کی خوشی مقدم ہونی چاہیے۔"
ناہید: "کیا اللہ کی خوشی اسی پھانسی میں مضمر ہے، ہم سے تو مذہب کی ایسی قید برداشت نہیں ہوسکتی۔"
شیریں: "توبہ کرو، ایسے کلمے مُنھ سے مت نکالو۔"
ناہید: "شیریں دیکھیے، ترکی، ایران، مصر کی عورتیں پردہ نہیں کرتیں وہ بھی تو مسلمان ہیں، ایک قوم اُس وقت تک ترقی نہیں کرسکتی جب تک اُس کی عورتیں پردے کی قید و بند میں جکڑی ہوئی ہوں، پردے کو قایم رکھتے ہوئے ہم کسی شعبے میں بھی ترقی نہیں کرسکتیں۔"
شیریں: "نہیں، ہمارے لیے ترکی، مصر، ایران کی خواتین قابلِ تقلید نہیں بلکہ ہم کو صحابیات اور ازواجِ مطہرات کی تقلید کرنی ہے۔"
ناہید: "آپ نے غور کیا ہے کہ مشرقی پنجاب میں ہماری بہنوں پر اتنی بڑی آفت اس پردے کی بدولت ہی آئی۔ امریکہ اور یورپ کی عورتیں کتنی بہادر ہیں۔"
شیریں: "ہم یورپ اور امریکہ کو چھوڑ کر تمام موجودہ دنیا کی عورتوں کی بہادری پر نظر کریں، اور تاریخِ اسلام میں حضرت خولہ کی بہادری سے مقابلہ کرکے دیکھ لیں کہ وہ کس قدر بہادر تھیں۔"
حضرت خولہ کا نام سُن کر سب سہیلیوں نے خوب زور سے قہقہہ لگایا: "ہم تو اس نام سے آشنا ہی نہیں۔" —— شیریں خاموش ہوگئی۔
ناہید، اور نکہت ایک آموں کا ٹوکرا خرید لائیں، سب مل کر خوب مزے سے کھانے لگیں۔ جب کوئی شخص سامنے سے گذرتا، اُس کے خدوخال اور نشست و برخاست

دیکھ کر ایک دم قہقہہ لگا دیتیں، اور پھر ایک دوسری کے مزاج کی تعریف کرتیں۔

ناہید: "پیاری نکہت کچھ گاؤ، تو سناؤ، دیکھو کیسا اچھا موسم ہے، آپ کی آواز سے کیسی رونق ہوگی۔"

نکہت نے ایک فلمی گانا شروع کر دیا۔ سب لوگوں کے کان آواز کی طرف لگے ہوئے تھے۔

شیریں دل میں ہی سخت افسردہ ہو رہی تھی، اُس کی آنکھیں شرم سے زمین گڑی جا رہی تھیں، اسے افسوس ہو رہا تھا کہ میں ان کے ساتھ کیوں آئی۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کو اس کا اندازہ بھی نہ تھا کہ وہاں جا کر کیا کچھ ہوگا۔ پھر نماز کا وقت آیا، تو شیریں نے نماز پڑھی۔ پارٹی نے مذاق اُڑانا شروع کر دیا۔ یہ بھی آئی ہیں بڑی مجن کسی حال میں نماز چھوڑ نہیں سکتیں۔

واپسی پر سب سہیلیاں بازار سے کچھ خرید و فروخت کرنے لگ گئیں، مگر شیریں کار میں ہی بیٹھی رہی۔ شام کو شیریں کا بھائی اُس کو لینے کے لیے گیا، وہ گھر واپس آ گئی۔

رات کو کھانا کھانے کے بعد جب شیریں پلنگ پر لیٹی تو اس کو کسی طرح نیند نہ آتی تھی، بار بار اپنی مسلمان بہنوں کی حالت پر افسوس ہو رہا تھا۔

.......مسلمان خواتین کی ذمے داری کیا ہونی چاہیے، جبکہ پاکستان ایک اسلامی سلطنت ہے۔ بالفرض مردوں کی کوشش سے اسلام برسراقتدار آ بھی جائے تو بغیر عورتوں کے ذہنی اور عملی تعاون کے یہ نظام کس طرح چل سکتا ہے... ہماری خواتین تو مغربی زندگی کی آوارگیوں اور لذت پرستیوں میں کچھ ایسی کھوئی ہیں کہ دائیں بائیں کا ہوش نہیں۔

عورتوں مردوں کی مِلی جُلی پارٹیاں، یہ مینا بازار، یہ رقص و سرود کی محفلیں، کیا یہ ترقی ہے۔ اگر یہی لیل و نہار رہے تو اس خطّے کا کیا بنے گا جسے اسلام ہی کے نام پر اور اسلام کے لیے حاصل کیا گیا ہے ـــــ خدا معلوم کب تک وہ انھیں خیالوں میں کھوئی رہی۔

اور یہ دُعا کرتے کرتے سو گئی کہ اے ہمارے پروردگار ہمیں اپنے دین کی حفاظت کرنے کی توفیق عطا فرما، مغربی تہذیب و تمدّن کے گندے ماحول سے بچا دے، ہم سب کو صراطِ مستقیم پر چلا +

خیر یا شر

سعید کو آج پہلی بار یہ معلوم ہوا کہ درخت اور پودے بھی جان رکھتے ہیں۔ اس کو بڑا اچنبھا تھا استاد کی باتیں اس کے کانوں میں گونج رہی تھیں: "درخت کھاتے اور پیتے ہیں، ان میں نر، اور مادہ ہوتے ہیں، پھولوں کے ذریعے ان میں "شادی" کے تعلقات قایم ہوتے ہیں۔ پھل اور بیج ان کے "بچے" ہوتے ہیں۔ ان کو دکھ اور درد کا احساس ہوتا ہے۔ وہ سردی، گرمی، روشنی اور اندھیرے کو محسوس کر لیتے ہیں ـــــ" اگر کوئی اور اس سے یہ باتیں کرتا تو وہ اسے جھوٹا سمجھ لیتا۔ لیکن اسے یقین تھا کہ اس کے استاد نے اسے غلط باتیں نہیں بتائی تھیں اور پھر انہوں نے تو بہت سی باتیں اس تفصیل سے پڑھائی تھیں کہ ان پر سعید کو خود یقین آگیا تھا ـــــ گملے میں لگا ہوا وہ نازک سا پودا کیسا سیدھا کھڑا تھا، لیکن جب اس پودے کو تین چار دن کے لیے ایک ایسے اندھیرے کمرے میں رکھ کر بند کر دیا گیا جس میں صرف ایک طرف سے کچھ روشنی آ رہی تھی تو اس نے دیکھا کہ وہ سیدھا پودا روشنی کی طرف جھک کر بالکل ٹیڑھا ہو گیا تھا ـــــ اب بات بالکل صاف تھی۔ پودا "دیکھ" سکتا تھا۔ جب ہی تو اسے یہ پتہ چل گیا کہ سارے کمرے میں اندھیرا اور صرف ایک طرف سے روشنی آ رہی ہے ـــــ پودے کو روشنی کی ضرورت تھی اور اسے اس ضرورت کا "احساس" بھی تھا۔ پودے کو کسی طرف جھکنے نہ جھکنے کا "اختیار" بھی تھا، اسی لیے تو اس نے جس طرف اپنا "فائدہ" دیکھا اس طرف جھک گیا ـــــ اسی طرح استاد نے جتنی باتیں بتائی تھیں وہ سب ثابت کر کے دکھا دی تھیں۔ اور اب سعید کو اس بات میں ذرا بھی شبہ نہ تھا کہ سچ مچ پودوں اور درختوں کو بھی اللہ تعالیٰ نے جان بخشی ہے، اور وہ "جان دار" ہیں۔

خسرو باغ میں سعید کو بڑا مزا آتا تھا۔ روزانہ شام کو ٹہلنے جاتا مگر

تفریح کرتا اور لوٹ آتا۔ آج بھی وہ تفریح کو گیا۔ لیکن آج اسے باغ میں بالکل دوسری طرح کا لطف آرہا تھا۔ آج اسے باغ "جیتے جاگتوں" کی ایک "بستی" معلوم ہو رہا تھا ــــــ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ہر پودا اور ہر پتی "زبان" بن کر اس سے باتیں کر رہا ہے۔ بیلا مہک "رہا تھا"، اسے بیلے کی ادھ کھلی کلیاں بہت بھاتی تھیں، روزانہ کچھ پھول توڑ کر ساتھ لے جاتا تھا۔ آج بھی اس نے کلیاں چننے کے لیے ہاتھ بڑھایا، مگر ایسا معلوم ہوا جیسے کسی نے ہاتھ پکڑ لیا، شاید بیلا اس سے کہہ رہا تھا: "یہ میرے پھول اور میری کلیاں میرے "جسم" کے حصے ہی تو ہیں۔ کیا ان کے ٹوٹنے سے مجھے "دکھ" نہ ہوگا؟" سعید نے کلیاں نہیں توڑیں اور وہ گول کے کنارے خاموش بیٹھ کر کچھ سوچنے لگا۔

سامنے آم کے درخت تھے، آم توڑے جا رہے تھے۔ سعید کو ایسا محسوس ہوا جیسے وہ کسی بڑے ظلم کے منظر کو دیکھ رہا ہو۔ آخر اس طرح ان درختوں کے "بچوں" کو ان سے جدا کرنے کا انسان کو کیا حق ہے۔ ابھی یہ سوچ ہی رہا تھا کہ اس نے دیکھا مالی ایک بہت بڑی سی شاخ تراش قینچی لیے ڈورنٹا کی جھاڑیوں کو کاٹ رہا تھا۔ اگرچہ اس کاٹ چھانٹ کے نتیجے میں وہ ایک نہایت ہی عمدہ باڑہ لان کے کنارے پر بنا رہا تھا۔ لیکن اسے ایسا معلوم ہوا جیسے ڈورنٹا کا ہر پیڑ چیخ اور چلا رہا ہو اسی طرح جس طرح ہاتھ پیر کٹنے پر کوئی جاندار چلا سکتا ہے۔ اس سے یہ ظلم کا نظارہ دیکھا نہ گیا اور اس نے دور لان پر اپنی نگاہوں کو پھیلا دیا ــــــ اس کی نظر ایک گراس موور (   ) پر پڑی جو لان میں جمی ہوئی دوب گھاس کو کاٹ رہا تھا ــــــ ہائے ہائے ـــ کیسا ظلم ہے ـــ تمام نازک پودے کاٹے ڈال رہا ہے ـــ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی احمد شاہ ابدالی نے دہلی کی بستی میں قتلِ عام کر رکھا ہے ــــــ مانا کہ اس طرح دوب گھاس کٹ کر ایک نہایت عمدہ مخمل جیسا فرش بن جائے گی، اور اگر ایسا نہ کیا جائے تو پھر وہ لان کا ہے کو رہے گا جھاڑ جھنکاڑ کا ایک جنگل بن جائے گا۔ لیکن جب پودے "جان دار" ہیں اور انھیں تکلیف اور آرام کا احساس ہے تو پھر یہ کاٹ چھانٹ ظلم نہیں تو کیا ہے ــــــ سعید نے یہ سوچا اور ایک غمگین دل کے ساتھ وہاں سے

اُٹھ کھڑا ہوا۔ روش پر سر جھکائے کسی بڑی فکر میں ڈوبا ہوا چلا جا رہا تھا، کہ اس نے ایک دوسرے مالی کو روش کے کنارے کھرپی لیے پودوں کی "مرمت" کرتے دیکھا۔ جس کیاری میں عمدہ عمدہ پھولوں کے بیج مالی نے خود اپنے ہاتھوں بوئے تھے اور جنھیں پانی دے دے کر اس نے خود بڑا کیا تھا، آج انھیں پودوں میں سے کچھ کو چھوڑ کر باقی کو جڑ سے اُکھاڑے ڈال رہا تھا۔ سعید جانتا تھا کہ اگر وہ اس طرح پودوں کی "نرائی" نہ کرے اور سب پودوں کو بڑھنے کے لیے چھوڑ دے تو کیاری کا حسن خاک میں مل جائے گا۔ لیکن اسے تو آج ہر پودا جاندار نظر آ رہا تھا اور ایسا محسوس ہوتا تھا کہ جو نازک پودے زمین پر "قتل" ہوئے پڑے تھے وہ اس ظالم مالی کی شکایت کر رہے تھے اور وہ کان دھر کر ان کی کہانی سُن رہا تھا۔ بھلے چنگے پودے، جنھوں نے ابھی اپنی زندگی کی کوئی بہار نہ دیکھی ہو اس طرح "مرے" پڑے تھے ——— آج کل بستی میں چیچک کا بھی بڑا زور تھا، سیکڑوں بچے جنھوں نے زندگی کی کوئی بہار نہ دیکھی، موت کا نوالہ بن رہے تھے ——— سعید کو ایسا ہی دُکھ ہو رہا تھا جیسے کسی شخص کو بچوں کے سیکڑوں جنازے ایک ساتھ دیکھ کر تکلیف ہوتی۔

سعید کا سارا لطف خاک میں مل گیا تھا، اسے رہ رہ کر ظالم مالیوں پر غُصّہ آ رہا تھا، اور سب سے زیادہ غُصّہ اسے باغ کے اُس مالک پر آ رہا تھا، جس نے ایسے مالیوں کو نوکر رکھا تھا، اور انھیں ایسے ظلم کے کاموں پر لگایا ہوا تھا ——— پودے جان دار ہیں، پودوں کو دُکھ درد ہوتا ہے مالی کیسے بے دَرد ہیں، باغ کا مالک کتنا بے عقل ہے ——— وہ یہی سوچتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا ——— یکا یک اُس نے کچھ سوچا اور فوراً ہی یہ فیصلہ کر لیا کہ وہ اس ظلم کے خلاف آواز اُٹھائے گا اور پودوں کو اس مصیبت سے نجات دلانے کے لیے پُوری کوشش کرے گا۔

اقبال سعید کا بڑا دوست تھا۔ اسے اس وقت اقبال کا دھیان آیا اس نے سوچا کہ اس کام میں اقبال کی مدد ضرور لینا چاہیے۔ اس نے فوراً اس کے گھر کا رُخ کیا، اور اُس سے مل کر وہ سب کچھ تفصیل کے ساتھ کہہ ڈالا جو

اس نے آج محسوس کیا تھا۔

اقبال نے سعید کی کہانی کان دھر کر سُنی ـــــ اقبال سعید سے عمر میں تو بڑا تھا ہی، سمجھ اور عقل میں بھی بہت تیز تھا۔ آپ کو یہی اُمید ہوگی کہ اقبال نے سعید کی باتیں سُن کر ایک بڑا سا قہقہہ لگایا ہوگا، اور اسے خوب خوب بے وقوف بنایا ہوگا، اور اس سے یہی کہا ہوگا کہ بے وقوف لڑکے تو باغ کو ایک ایک پَودے اور ایک ایک پیڑ کی نظر سے دیکھ رہا ہے۔ ذرا پُورے باغ پر نظر ڈال، وہی کام جو تجھے ظلم نظر آ رہے ہیں پُورے باغ کے حُسن کے لیے ضروری ہیں۔ اگر ڈوروںا کی چھانٹ یاں نہ تراشی جائیں، دُوب گھاس برابر نہ کی جائے، اور پَودوں کو اکھاڑ اُکھاڑ کر نرائی نہ ہو تو پھر باغ، باغ کاہے کو رہے ایک خود رو جنگل بَن جائے، اور وہاں تفریح کے بدلے وحشت کا سامان مہیا ہو جائے۔" لیکن آپ کو تعجب ہوگا کہ اقبال نے یہ سب کچھ نہیں کہا۔ اس نے سعید کو بے وقوف بنانے کے لیے ایک لفظ بھی مُنھ سے نہ نکالا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ خود کسی بڑی گہری سوچ میں پڑ گیا ہے اس کے چہرے سے کچھ فکر اور کچھ پریشانی کے آثار ظاہر ہو رہے تھے اور دیکھتے دیکھتے اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے ـــــ"

کیا وہ بھی سعید کا ہم خیال بَن گیا تھا؟ کیا وہ درختوں اور پَودوں کے دُکھ دَرد پر آنسو بہا رہا تھا؟ اس کا جواب اس کی ان چند باتوں میں تلاش کیجیے جو اس نے آخر کار سعید کے مجبور کرنے پر اس سے کہی تھیں۔ اقبال نے کہا ـــــ "سعید تم نے میری آنکھیں کھول دیں۔ چاہے دُنیا کی نظر میں تمھاری باتیں کیسی ہی حماقت اور بے وقوفی کی ہوں لیکن چونکہ ان باتوں سے مجھ جیسے احمق کی عقل سے پردے ہٹ گئے مَیں تمھیں بے وقوف کس مُنھ سے کہوں؟ تم نے تو اتنی ہی حماقت کی کہ باغ میں [illegible] نے دیکھا اُسے پُورے باغ کو سامنے رکھ کر نہیں سُوچا، تم نے ایک ایک پیڑ اور ایک ایک ڈالی پر نظر ڈالی اور نتیجہ یہ ہوا کہ تمھاری نظر اُلجھ کر رہ گئی، تمھیں پُورے باغ کا حُسن نظر نہ آیا، جگہ جگہ ظلم ہی دکھائی دیا۔ تم نے باغ کے مالک اور اُس کے رکھے ہوئے مالیوں کے بارے میں

رائے قایم کرلی ——— لیکن مجھے تو دیکھو میں اسی حماقت کے ایک بہت سے درجے میں عرصے سے مبتلا تھا۔ میری نظر اس پوری کائنات اور اُس کے ں کو تو کیا دیکھتی، البتہ وہ ایسے ہی چھوٹے چھوٹے نظاروں پر جم کر رہ گئی سے آج تمہیں باغ میں نظر آئے۔ مَیں نے دیکھا زلزلہ آیا، سیکڑوں بے گناہ سان ملبے کے نیچے دفن ہو گئے، میرے دل نے کہا یہ بھی کوئی بات ہوئی جب بایا تھا تو بگاڑا کیوں؟ ——— مَیں نے دیکھا ہماری بھیلی بستیاں اجاڑ دی گئیں ——— مَیں نے دیکھا طوفان آیا، سب کچھ بہا لے گیا، برسوں میں جو نا تھا ملٹوں میں بگڑ گیا ——— مَیں نے دیکھا معصوم بچے تڑپ تڑپ کر جان دیتے ہیں، کمزور اور ناتوان ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرجاتے ہیں۔ غرض یہ کہ ایسے ہی سیکڑوں نظارے میرے سامنے تھے اور مجھے اس دُنیا میں ظلم ہی ظلم نظر آتا تھا۔ کہیں سے خیر اور بھلائی دکھائی ہی نہیں دیتی تھی ——— اب میری آنکھیں کھل گئیں، مجھے معلوم ہوگیا کہ ایک ایک چیز پر الگ الگ نظر ڈالنے سے عقل اسی طرح بھٹک جائے گی۔ مَیں جانتا تھا مَیں بڑا عقل مند ہوں آج تم نے مجھے بتایا کہ مَیں کس طرح بھٹک رہا ہوں ——— سچ تو یہی ہے کہ اس کائنات کا حاکم جو کچھ کرتا ہے وہ مجموعی اعتبار سے سراسر "خیر" ہی ہوتا ہے۔ لیکن جب ہم اپنی محدود عقل سے کام لے کر محدود دائرے میں سوچتے ہیں تو ہمیں "خیر" بھی "شر" نظر آنے لگتا ہے +

پندرہ روزہ الحسنات رام پور

کا

تیسرا خاص نمبر

رسالت نمبر

رسالت کی حقیقت اور مقصد،

- رسالت انسانیت کے لیے رحمت ہے،
- رسولوں کی دعوت کیا ہوتی ہے،
- رسولوں کی دعوت کے مخالفین کا انجام،
- رسولوں کے بعد اُن کے ماننے والوں کی ذمّے داریاں

اور بہت سے دوسرے اہم موضوعات پر اپنی نوعیت کا

پہلا مجموعہ

بہترین انداز میں، بہترین لکھنے والوں کی کاوشِ قلم کا نتیجہ

ضخامت.. صفحات سے زائد قیمت خاص نمبر ایک روپیہ مستقل خریداران کو بلا کسی اضافے کے مستقل چندے میں ہی دیا جائے گا۔ اپنے دوستوں کو مستقل خریدار بنائیے۔ سالانہ چندہ ساڑھے پانچ روپے۔ ایجنٹ صاحبان اپنی مطلوبہ تعداد سے جلد مطلع فرمائیں +